رابطہ عالم اسلامی ایوارڈ یافتہ

سیرت خاتم النبیین ﷺ

ڈاکٹر ماجد علی خان

Marfat.com

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

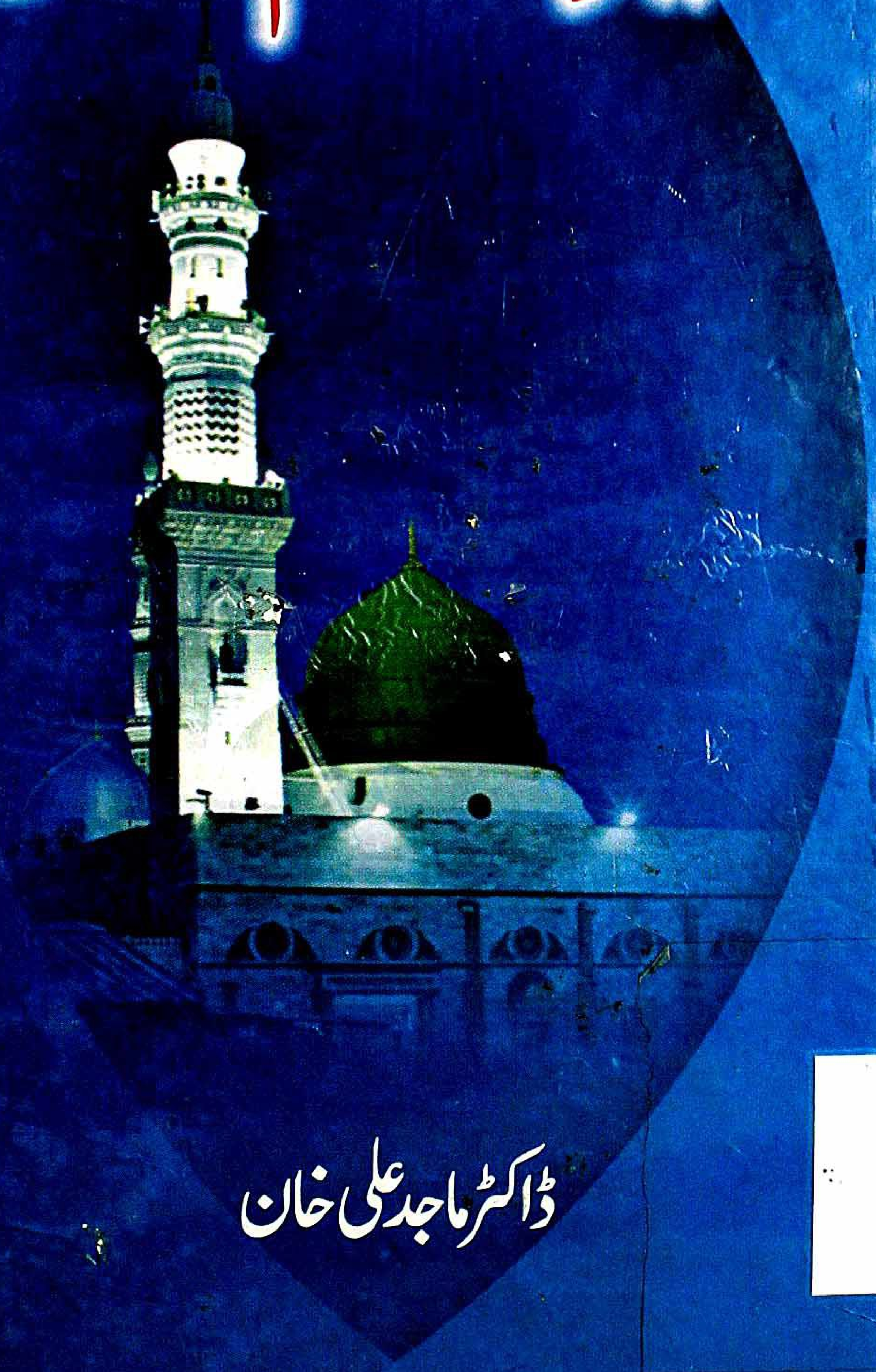

ڈاکٹر ماجد علی خان

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر ماجد علی خاں

دارالنوادر

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰

Marfat.com

بیاد
پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ
۱۹۴۷-۲۰۰۹

109135

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۳ ہجری ۲۰۱۲ء

نام کتاب	:	سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
تصنیف	:	ڈاکٹر ماجد علی خاں
اہتمام	:	دار النوادر
مطبع	:	میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

ترتیب

- تعارف مصنف ۱۷
- پیش لفظ ۱۹
(مولانا سعید احمد اکبر آبادی)
- مقدمہ ۲۱
- مقدمہ برائے اُردو ایڈیشن ۲۷

جزیرۃ العرب کا تاریخی پس منظر ۳۱

- انسانی تہذیب کا گہوارہ ۳۱
- اقوام عرب ۳۴
- عرب بائدہ ۳۴
- قوم عاد ۳۵
- قوم ثمود ۳۶
- طسم اور جدیس ۳۷
- عرب عاربہ (بنو قحطان) ۳۷
- عرب مستعربہ ۳۹
- (الف): حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام ۳۹
- (ب) بنو اسماعیل ۴۵
- (ج) قریش ۴۶
- اصحاب مدین ۴۷
- شمالی عرب کی مشہور ریاستیں ۴۹
- قوم نباط ۴۹
- پالمیرا (Palmyra) ۵۰
- شام کے غسانی بادشاہ ۵۰
- حیرہ کی عرب ریاست ۵۱
- جنوبی عرب کی مشہور سلطنتیں ۵۲
- سلطنت معین ۵۲
- قوم سبا ۵۲
- قوم حمیر ۵۴

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے قبل دنیا کی عام سماجی و سیاسی حالت ۵۷

- (الف) مغربی دنیا ۵۷
- رومی تہذیب کا زوال ۵۷
- مغرب کا تاریک دور ۵۸
- (ب) مشرقی دنیا ۶۰
- سلطنت فارس ۶۰
- مذہب زرتشت ۶۲
- سرزمین ہند اور ہندو مذہب ۶۲
- ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم ۶۴

23-11-2012

Marfat.com

◆ چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کی سیاسی حالت ٦٤
◆ بدھ مت اور مشرق بعید ٦٦
◆ (ج) جزیرۃ العرب ٦٧
◆ دورِ جاہلیت کے عربوں کی معاشرتی حالت ٦٨
◆ سیاسی حالت ٧٠
◆ مذہبی جاہلیت ٧١
◆ (د) انسانی دنیا کی تاریک حالت ٧٤

جزیرۃ العرب کا جغرافیائی پس منظر ٧٧

◆ جغرافیائی جائے وقوع اور آب وہوا ٧٧
◆ عرب کی پیداوار اور مویشی ٧٩
◆ عرب کے شہری اور بدوی ٨٠
◆ غیر ملکی حملوں سے حفاظت ٨١
◆ رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ٨١

رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی زندگی ٨٣

◆ رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد ٨٣
◆ قریش اور قصی ٨٣
◆ عبد مناف ٨٤
◆ ہاشم ٨٤
◆ عبدالمطلب ٨٥
◆ عبداللہ اور آمنہ ٨٦
◆ حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ٨٨
◆ رسول اللہ ﷺ کے نسب نامہ کا خاکہ ٩٠
◆ زمانہ رضاعت اور بچپن ٩١
◆ شق صدر کا معجزہ ٩٢
◆ حضرت آمنہ کی وفات ٩٤
◆ عبدالمطلب کی کفالت میں ٩٤
◆ ابو طالب کی سرپرستی ٩٥
◆ شام کا سفر ٩٧
◆ حربِ فجار اور حلف الفضول ٩٩
◆ امین وصادق ١٠٠
◆ حضرت خدیجہؓ کے شریک تجارت ١٠١
◆ شادی مبارک ١٠٢
◆ خانہ کعبہ کی تعمیر نو ١٠٤
◆ شرک سے نفرت ١٠٥

آغازِ وحی اور مکہ مکرمہ میں دعوت الی اللہ ١٠٧

◆ غارِ حرا میں مراقبہ ١٠٧
◆ وحی الٰہی کا ظہور ١٠٨
◆ ابتدائی مسلمانوں میں سابقین اولین ١١٢

Marfat.com

◆ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا تجارتی قافلہ اور سریہ ام قرفہ	۳۱۲
◆ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کا سریہ یسیر ابن رزام کے قتل کے لیے	۳۱۲
◆ سریہ کرز رضی اللہ عنہ ابن جابر بجانب عرینہ	۳۱۳
◆ سریہ عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ الضمری	۳۱۳
◆ صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ/مارچ ۶۲۸ء)	۳۱۴
◆ صلح حدیبیہ...... مسلمانوں کی ایک عظیم فتح	۳۱۹
◆ صلح حدیبیہ کے بعد کا دور	۳۲۰
◆ سلاطین وامراء کو دعوتِ اسلام	۳۲۲
ہجرت کا ساتواں سال	**۳۲۶**
◆ غزوۂ خیبر	۳۲۶
◆ یہودیوں کی تیاری	۳۲۷
◆ فتح خیبر	۳۲۸
◆ رسول اللہ ﷺ کو زہر دینے کی کوشش	۳۳۰
◆ فدک کے لوگوں کی باج گزاری	۳۳۰
◆ وادی القریٰ کے لوگوں کی باج گزاری	۳۳۱
◆ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی	۳۳۱
◆ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے محبت	۳۳۱
◆ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب	۳۳۲
◆ رسول اللہ ﷺ کا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی پر استقبال	۳۳۳
◆ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تکمیل	۳۳۳
◆ بعض چھوٹی مہمات	۳۳۳
◆ سریہ عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب	۳۳۴
◆ سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۳۳۴
◆ سریہ بشیر رضی اللہ عنہ ابن سعد انصاری بجانب بنی مُرّہ	۳۳۴
◆ سریہ غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ	۳۳۴
◆ سریہ بشیر رضی اللہ عنہ ابن سعد انصاری بجانب جبار	۳۳۵
◆ اداء عمرۃ القضاء	۳۳۶
◆ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابن ولید اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص وغیرہ کا قبول اسلام	۳۳۸
◆ سریہ ابن ابی العوجا	۳۳۹
◆ بعض متفرق احکامات جو اس سال نازل ہوئے	۳۴۰

Marfat.com

- حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی ۳۴۰

ہجرت کا آٹھواں سال ۳۴۱

- سریہ غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ بجانب بنی الملوح ۳۴۱
- سریہ غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ بجانب مصاب ۳۴۱
- سریہ شجاع رضی اللہ عنہ ابن وہب بجانب ذات عرق ۳۴۱
- سریہ کعب رضی اللہ عنہ ابن عمیر بجانب ذات اطلح ۳۴۲
- غزوۂ موتہ (یعنی سریہ موتہ) ۳۴۲
- جنگ موتہ کے اثرات ۳۴۵
- سریہ عمرو رضی اللہ عنہ ابن العاص بجانب ذات السلاسل ۳۴۵
- فتح مکہ سے قبل بعض چھوٹے چھوٹے سرایا ۳۴۷
- سریہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ۳۴۷
- سریہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بجانب خضرہ ۳۴۷
- سریہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بجانب وادیٔ اضم ۳۴۸
- فتح مکہ کے محرکات واسباب ۳۴۹
- قریش اور ان کے حلفا کی عہد شکنی ۳۴۹
- رسول اللہ ﷺ کی فتح مکہ کے لیے تیاریاں ۳۵۰
- قریش کی حیرانی وبدحواسی ۳۵۱
- فتح مکہ ۳۵۴
- دشمنوں کے ساتھ مثالی عفوو درگزر ۳۵۵
- خطبۂ فتح ۳۵۸
- بڑے بتوں کو مسمار کرنے کے لیے بعض سرایا ۳۶۰
- (الف) عزیٰ کو گرانے کے لیے سریہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ۳۶۰
- (ب) سواع کو گرانے کے لیے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص ۳۶۰
- (ج) منات کو گرانے کے لیے سریہ سعد رضی اللہ عنہ ابن زید ۳۶۰
- سریہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بجانب جذیمہ ۳۶۱
- غزوۂ حنین ۳۶۲
- ہوازن اور ثقیف ۳۶۲
- رسول اللہ ﷺ کی ہوازن وثقیف کے لیے روانگی ۳۶۳
- میدانِ جنگ ۳۶۴
- فتح ۳۶۴
- غزوۂ اوطاس ۳۶۶
- محاصرۂ طائف ۳۶۶

Marfat.com

- رسول اللہ ﷺ کی فیاضی ۳۶۷
- رسول اللہ ﷺ کا انصار کو تاریخی خطبہ ۳۶۸
- رسول اللہ ﷺ کا عمرۂ جعرانہ ۳۶۹
- فتح مکہ اور فتح حنین کے اثرات ۳۶۹
- ۸ھ کے متفرق واقعات ۳۷۲

ہجرت کا نواں سال	۳۷۳

- ۹ھ کے شروع میں پیش آنے والے بعض چھوٹے سرایا ۳۷۳
- سریۂ عیینہ ابن حصن بجانب بنی تمیم ۳۷۳
- سریۂ قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بجانب خثعم ۳۷۴
- سریہ ضحاک رضی اللہ عنہ ابن سفیان بجانب بنی کلاب ۳۷۴
- سریۂ علقمہ رضی اللہ عنہ ابن مجزز حبشیوں کے دفاع میں ۳۷۴
- حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن طالب کی سرکردگی میں بنو طے کی طرف ایک تبلیغی مہم ۳۷۴
- سریۂ عکاشہ رضی اللہ عنہ ابن محصن ۳۷۵
- واقعۂ ایلاء ۳۷۶
- زکوٰۃ کی وصول یابی ۳۷۹
- غزوۂ تبوک ۳۸۰
- سفر کی سختیاں ۳۸۱
- رومیوں کا شام کی جانب پیچھے ہٹنا ۳۸۲
- منافقین کے کردار کی نقاب کشائی اور عبداللہ ابن اُبی کی موت ۳۸۳
- رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۸۵
- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ۳۸۶
- مختلف عرب قبائل کے وفود ۳۸۸
- وفد ثقیف ۳۸۹
- وفد بنو تمیم ۳۹۰
- وفد بنو عامر ۳۹۰
- ۹ھ کے متفرق واقعات ۳۹۱

ہجرت کا دسواں اور گیارھواں سال	۳۹۲

- حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نجران اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یمن کی طرف روانگی ۳۹۲
- حجۃ الوداع ۳۹۳
- آپ ﷺ کا تاریخی خطبہ ۳۹۵
- رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد ۴۰۰
- نبوت کے جھوٹے دعویدار ۴۰۱

Marfat.com

- رومیوں کے خلاف لشکر کی تیاری ۴۰۲
- رسول اللہ ﷺ کی علالت اور وفات ۴۰۳

اخلاق، اعلیٰ کردار اور حلیہ مبارک ۴۰۷

- رسول اللہ ﷺ کے طور طریقے اور اعلیٰ کردار ۴۰۸
- اللہ کی مخلوق کے ساتھ آپ ﷺ کی مہربانی وشفقت ۴۱۲
- رسول اللہ ﷺ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک ۴۱۵
- رسول اللہ ﷺ وعدہ کے پکے اور امین تھے ۴۱۸
- رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک ۴۲۰

رحمۃ للعالمین ۴۲۳

رسول اللہ ﷺ کے چند خاص معجزات ۴۳۱

- الف: قرآن میں مذکور کچھ معجزات ۴۳۲
- معراج ۴۳۲
- معجزۂ شق قمر ۴۳۹
- قرآن کریم بطور معجزہ ۴۴۱
- قرآن کریم میں مذکور کچھ اور معجزات ۴۴۴
- ب: احادیث میں مذکور کچھ معجزات ۴۴۵
- معجزۂ شق صدر ۴۴۵
- ٹوٹی ہوئی ہڈی کو فوراً جوڑ دینا ۴۴۶
- آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے فواروں کا جاری ہونا ۴۴۶
- آپ ﷺ کے دم کرنے سے زخم کا اچھا ہو جانا ۴۴۷
- رسول اللہ ﷺ پر کیے گئے سحر کا انکشاف ۴۴۷
- منافقوں کے ایک سردار رفاعہ ابن ضرار کی موت کی پیشین گوئی ۴۴۸
- پیڑوں اور پتھروں کا سلام کرنا ۴۴۸
- آپ ﷺ کے حکم سے درختوں کا چلنا ۴۴۸
- بھنے ہوئے بکری کے گوشت کا رسول اللہ ﷺ کو زہر کے بارے میں مطلع کرنا ۴۴۹
- کھجور کے درخت کے تنے کا رسول اللہ ﷺ کی محبت میں رونا ۴۵۰
- معمولی سے کھانوں میں ہزاروں آدمیوں کے لیے برکت ۴۵۰

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت ورسالت ۴۵۲

- الف: کسی نبی کی بعثت کا مقصد ۴۵۲
- رسول اللہ ﷺ کی عالم گیر رسالت ونبوت ۴۵۳
- آپ ﷺ کے پیغام و رسالت کی حفاظت ۴۵۴
- دین کا مکمل ہونا ۴۵۶
- لفظ خاتم کی تحقیق ۴۵۸
- ختم نبوت پر احادیث ۴۶۱
- ب: نزول عیسیٰ علیہ السلام ۴۶۲

ازواجِ مطہراتؓ اور اولاد ۴۷۱

- ازواج مطہراتؓ ۴۷۱
- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ۴۷۱
- حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ ۴۷۲
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ ۴۷۲
- حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ ۴۷۳
- حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ۴۷۴
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یا ہند بنت ابوامیہ ۴۷۵
- حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش ۴۷۶
- حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ۴۷۷
- حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یا رملہ بنت ابوسفیان ۴۷۸
- حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی: ۴۷۹
- حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث ۴۷۹
- رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں کی وجوہات ۴۸۱
- معاشرے کے مختلف طبقات میں شادی کرنے کی تعلیم ۴۸۱
- بیوہ عورت سے شادی کرنے کی تعلیم ۴۸۱
- اس کی تعلیم کہ متبنی کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے ۴۸۲
- بے سہارا بیواؤں اور ان کے بچوں کی کفالت ۴۸۲
- جنگی قیدیوں کی رہائی و آزادی پر لوگوں کو ترغیب دینا ۴۸۲
- مسلم مردوں کی کمی کے مسئلے کا حل ۴۸۲
- عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ ۴۸۳
- رسول اللہ ﷺ کی پوشیدہ و ذاتی زندگی کو محفوظ رکھنے اور منظر عام پر لانے کا مسئلہ ۴۸۳
- بہترین شوہر کی مثال قائم کرنا ۴۸۴
- سیاسی وجوہات ۴۸۵

Marfat.com

◆ آپ ﷺ کی عام تعلیمات کی حفاظت	۴۸۵
◆ عائلی زندگی کا نمونہ پیش کرنا	۴۸۵
◆ تعددِ ازواج پر مغربی مصنفین کے خیالات	۴۸۷
◆ اولاد	۴۹۱
◆ صاحب زادے	۴۹۱
◆ صاحب زادیاں	۴۹۲
◆ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں پیش آنے والے اہم واقعات کی تاریخیں	۴۹۴
◆ مراجع ومصادر	۵۰۱

Marfat.com

تعارف مصنف

نام: ڈاکٹر ماجد علی خاں

والد کا نام: جناب امجد علی خاں صاحب

وطن: رام پور۔ یو۔ پی (انڈیا)۔

تعلیم: ایم۔ ایس۔ سی، بی۔ ایڈ؛ ایم۔ ٹی۔ ایچ،
پی۔ ایچ۔ ڈی؛ ڈی۔ ٹی۔ ایچ (علیگ)
مولوی فاضل، فاضل درس نظامی (دار العلوم، میرٹھ)
ای۔ ایف۔ ڈبلیو (لندن)۔

اعزازی ڈگری: ڈی۔ لٹ (ایو۔ اے۔ ایل، آسٹریلیا)

دیگر اعزازات وغیرہ: گولڈ میڈل (اے۔ بی۔ آئی، یو۔ ایس۔ اے)،
لائف ممبر، کنفیڈریشن آف شیورلی (آسٹریلیا)،
ممبر گرینڈ کونسل (ماہر اسلامیات)۔ ورلڈ پارلیمنٹ
(سڈنی، آسٹریلیا)،
لائف ممبر: رضا پبلک لائبریری، رام پور،
لائف ممبر: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن،
نئی دہلی۔
لائف ممبر: یو۔ ڈبلیو۔ اے۔ آئی (مدراس)
لائف ممبر: انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری، برازیل۔

مندرجہ ذیل بین الاقوامی کتابوں میں سوانح حیات لکھی گئی ہے:

Men of Achievement, International Biographical Centre,

Marfat.com

Cambridge, U.K, XIIth Ed., 1986.

International Register of Profiles, International Biographical Centre, Cambridge, U.K, IXth., 1987.

International Leaders In Acievement, International Biographical Centre Cambridge, U.K., Ist Ed., 1988.

International Whos` Who of Intellectuals, International Biographical Centre Cambridge, U.K., VIIIth Ed., 1988.

International Directory of Distinguished Leadership.American Biographical Institute, U.S.A, 2nd Ed., 1988, etc.

ملازمت: اسلامیات کا مضمون پڑھانے کے لیے مندرجہ ذیل اداروں میں ملازمت کی:

① کالج، ٹرینیڈاڈ، ویسٹ انڈیز ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء

② علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، فیکلٹی آف تھیالوجی ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۶ء

③ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، استاد، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۶ء تا حال۔

بحیثیت مصنف: ڈاکٹر ماجد علی خاں نے اب تک دو درجن (۲۴) سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں جو زیادہ تر انگریزی میں ہیں اور تقریباً اسی تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔

ان کی تصنیف: MUHAMMAD THE FINAL MESSENGER پر جس کا ترجمہ "سیرت خاتم النبیین ﷺ" کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ "رابطۂ عالم اسلامی" کی جانب سے بین الاقوامی سیرت مقابلے میں ۱۹۷۹ء میں اسے گراں قدر انعام مل چکا ہے۔

سفر غیر ممالک: انگلینڈ، جرمنی، ہالینڈ، بلجیم، فرانس، یو۔ایس۔اے (امریکہ) یو۔ایس۔ایس۔آر (ماسکو)، ٹرینیڈاڈ اینڈ ٹوباگو (ویسٹ انڈیز) گیانا (جنوبی امریکہ)، سعودی عرب، پاکستان، افغانستان، ترکی وغیرہ۔

Marfat.com

پیش لفظ☆

از: مولانا پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ

اس کتاب کو رابطۂ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ (سعودی عرب) کی طرف سے منعقد کرائے گئے سیرت کے تحقیقی مقالات کے عالمی مقابلہ میں اعلیٰ انعام حاصل کرنے کا امتیاز حاصل ہے۔ اس کا فیصلہ عالم اسلامی کے چوٹی کے عرب اور غیر عرب علماء پر مشتمل ایک اعلیٰ کمیٹی نے کیا تھا۔ اس لیے اب اس کتاب کے مزید تعارف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات اور کارناموں پر انگریزی میں لکھی گئی کتابوں کی کمی نہیں ہے لیکن ان کتابوں میں عام طور پر دو نقص ہیں۔ جو کتابیں غیر مسلم مصنفین نے لکھی ہیں، چاہے ان کا دانش ورانہ معیار کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، وہ حقیقت سے دور ہیں، جب کہ انگریزی میں مسلمانوں کی لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے سیرت نگاروں کی اس جماعت کے خیالات کی ترجمانی نہیں کی گئی ہے جو راسخ العقیدہ ہے۔

یہ کتاب ان دونوں نقائص سے پاک ہے۔ اس لیے انگریزی زبان میں موجود سیرت کے وسیع ذخیرے میں ایک اہم بیش قیمت اور وقیع اضافہ ہے۔ اس کتاب کی چند خوبیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) اس میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں پیش آنے والے واقعات کا تسلسل کے ساتھ صرف تاریخی بیان ہی نہیں ہے بلکہ یہ کتاب مدینہ منورہ کے معاشرے کے سماجی و اقتصادی مسائل پر بھی پُرمغز بحث کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا کیا حل پیش کیا۔

☆ اس ''پیش لفظ'' کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۲) یہ کتاب مغربی مصنفین کے رسول اللہ ﷺ پر لگائے گئے مختلف غلط الزامات، بہتانات اور ان کے ذریعے پیدا کی گئی غلط فہمیوں کی مدلل طریقہ سے اور استدلالی قوت کے ساتھ تردید کرتی ہے۔

(۳) اس میں رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کو ایسی ٹھوس بنیادوں پر ثابت کیا گیا ہے کہ جس میں شک وشبہ کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔

(۴) اس کتاب میں ''غزوات'' کو جدید تحقیقی طرز پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اس سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) نے کبھی بھی جارحانہ قدم نہیں اٹھایا بلکہ آپ ﷺ کا ہر قدم اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی روشنی میں دفاعی ضروریات کے تحت اٹھتا تھا۔

(۵) اس کتاب کے بنیادی مآخذ قرآن مجید، کتب احادیث اور سیرت کی ابتدائی کتابیں ہیں۔

(۶) اس کتاب کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت و سیرت کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے نہ کہ ایک عام مصلح کی حیثیت سے، ہمارے زمانے کے کچھ نمایاں سیرت نگار بھی سیرت کے اس پہلو کو اجاگر کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ قارئین یقیناً اس کتاب سے مستفید ہوں گے۔

مولانا پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی
یو۔جی۔سی پروفیسر، شعبہ عربی،
کالی کٹ یونیورسٹی (کیرالہ)، انڈیا۔
سابق ڈین، فیکلٹی آف تھیالوجی
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا۔

انگریزی تحریر ۸ر جنوری ۱۹۷۹ء کو لکھی گئی۔
(انگریزی سے ترجمہ از مصنف)

Marfat.com

مقدمہ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم!

موجودہ دور کے مغربی علوم میں تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں پر جو کہ اسلام کا مطالعہ مستشرقین کے ذریعے مغربی زبانوں میں لکھی گئی کتابوں اور مضامین سے کرتے ہیں، باعتبارِ حقائق وعقائد ایک ایسا مسموم اثر ثبت ہو جاتا ہے جس کا خود ان کو بھی احساس نہیں ہو پاتا۔ مستشرقین مغرب کے رہنے والے وہ عیسائی اور یہودی دانش ور و اسکالرز ہیں جنھوں نے اسلامی و مشرقی علوم کا مطالعہ کر کے اسلام کی اصل ہیئت وشکل کو مسخ کرنے کے لیے مغربی زبانوں میں، بالخصوص انگریزی میں، فاسد لٹریچر کے انبار لگا دیے ہیں۔ مستشرقین ایک تحریک کی صورت میں علمی افق پر نمودار ہوئے۔ ان کی اس سازشی تحریک کی ابتدا تیرہویں صدی عیسوی سے ہوئی۔ ان لوگوں کا واحد مقصد اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سیرت کو، عیسائی دنیا کے سیاسی مقاصد کے تحت، مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ درحقیقت مستشرقین کی یہ تحریک صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی مسلسل شکست کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ جنگی محاذ پر اپنی ناکامی دیکھ کر کچھ عیسائی اور یہودی دانش وروں نے یہ تحریک چلائی کہ اسلام کی اساسی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور پھر اس کی اصل تعلیمات کو اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عام لوگ اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقف نہ ہوں سکیں اور اس طرح اللہ کے اس دین متین کی تبلیغ واشاعت رُک جائے۔ یہ لوگ اپنی اس سازش میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

☆ مصنف کے انگلش ایڈیشن کے لیے لکھے گئے مقدمے کا اردو ترجمہ۔

Marfat.com

پچھلی دو صدیوں میں مستشرقین اپنے تمام ذرائع و وسائل کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر نازیبا حملے اور گمراہ کن تنقیدیں کرنے میں بروئے کار لائے۔ ان دو صدیوں (یعنی اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی) میں مغربی مصنفین نے عیسائی دنیا کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے کھلم کھلا اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) پر زبان دراز کی ہے بلکہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کی ایک ایسی بھیانک تصویر پیش کی ہے جس کو پڑھ کر انسان اسلام اور اس کے پیغمبر ﷺ سے دل برداشتہ اور بدظن ہو جائے۔ مستشرقین کے ذریعہ مختلف مغربی زبانوں میں لکھی ہوئی اس دور کی سیکڑوں اس قسم کی تصانیف آج بھی مغربی ممالک کے کتب خانوں میں مل جائیں گی۔ احقر نے ویسٹ انڈیز کے زمانۂ قیام میں ان میں سے چند کو دیکھا بھی ہے۔

موجودہ صدی (یعنی بیسویں صدی) میں مستشرقین نے ایک نیا حربہ استعمال کیا۔ اسلام و سیرت رسول ﷺ پر معاندانہ تنقید اور کھلم کھلا نازیبا حملے کرنے کے بجائے انھوں نے نام نہاد اور خود ساختہ تاریخی حقائق کے پس پردہ اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) پر طعن و تشنیع کر کے ان کو معروضی و علمی شکل دینا شروع کی۔ ان میں سے کچھ مستشرقین نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) کے معاملہ میں بظاہر غیر جانب دار ہیں لیکن اپنی اس غیر جانب داری کو وہ نبھا نہ پائے اور بالآخر ان کے اندر کا فساد اور بغض و عناد ایک اور شکل میں ظاہر ہوا۔ ایسے مستشرقین نے پیغمبر اسلام (ﷺ) کی غیر معمولی کامیابی اور اسلام کی ترقی کو مادی ترازو میں تولا اور روحانی حقیقت کو یکسر فراموش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کا مشن اللہ کی طرف سے بھیجی گئی وحی و ہدایت کی روشنی کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوا بلکہ آپ (ﷺ) کی مادی صلاحیتوں کی وجہ سے ہوا اور اس طرح یہ لوگ آپ (ﷺ) کی نبوت و رسالت کی نفی ایک ایسے انداز میں کرنے لگے جس کو ہمارا پڑھا لکھا طبقہ (بالخصوص مغربی تعلیم یافتہ طبقہ جو کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہا ہے) بالکل سمجھ نہیں پایا اور مستشرقین کے پھیلائے ہوئے اس جال میں پھنس گیا یا مادیت کے اس سیلاب میں بہنے لگا جو مغربی اور مادی علوم کی شکل میں دنیا کو غرقِ آب کرنے کے لیے رواں دواں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بنیادی حیثیت ایک نبی اور ایک رسول کی ہے۔ آپ ﷺ دنیا کے دوسرے مصلحین و مفکرین سے کے برعکس وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرتے تھے۔ آپ ﷺ

109135

Marfat.com

کا ہر قول و فعل وحی الٰہی کے تابع تھا (قال اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم ﴿وما ینطق عن الھوی O ان ھو الا وحی یوحی﴾ (النجم) "اور آپ ﷺ اپنی خواہش انسانی سے بات نہیں کرتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد (نری) وحی ہے جو آپ ﷺ پر بھیجی گئی ہے)۔ آپ ﷺ اللہ کی ہدایت کو عالم میں عام کرنے کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے وحی کے اس روحانی پہلو کو نکال لیا جائے تو پھر آپ ﷺ صرف ایک مصلح و مفکر رہ جائیں گے۔ آپ ﷺ کے دور کے کفار بھی آپ ﷺ کو ایک اعلیٰ کردار و اخلاق و صلاحیت کا انسان تسلیم کرتے تھے۔ وہ صرف آپ ﷺ کی نبوت و رسالت (یعنی آپ ﷺ پر بھیجی جانے والی وحی) کے منکر تھے۔ موجودہ دور کے کچھ مستشرقین نے یہی حربہ استعمال کر کے آپ ﷺ کی ذات گرامی کو نبوت و رسالت سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے کچھ لوگ اس دامِ فریب میں گرفتار ہو کر یہ کہنے لگے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا آپ ﷺ کی نبوت و رسالت سے الگ کر کے اور اسلامی عقائد سے کنارہ کشی اختیار کر کے صرف مادی انداز میں مطالعہ کیا جائے۔ جب آپ ﷺ کی ذات گرامی سے نبوت و رسالت کو الگ کر لیا جائے گا تو (میں ان حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ) پھر ایسے مطالعے میں کیا معروضیت باقی رہ جائے گی؟ مادیت کے اس سیلاب میں بہنے والے ذرا کنارے تک آئیں اور کھلے دل سے اس پر غور فرمائیں۔ کیا اس ذہن کے انسان بہ اعتبارِ عقائد رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے کفار مکہ کے مشابہ نہیں ہو جائیں گے؟

عام طور سے مستشرقین نبوت و رسالت کے اسلامی عقیدے سے اختلاف رکھتے ہیں، کیونکہ عیسائیوں کے یہاں نبوت و رسالت کا وہ تصور نہیں ہے جو اسلام نے ہمیں عطا کیا ہے۔ عیسائی اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کے اندر الوہیت کا ایک حصہ تھا اور وہ تثلیث کا ایک عنصر تھے۔ اسلام کسی بھی انسان کے اندر بشمول انبیاء و رسل الوہیت کا کوئی شائبہ بھی ماننے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اسلام میں نبی (یا رسول) ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے تاکہ وہ وحی کے ذریعے اتارے گئے اللہ کے احکامات و اوامر کو عام انسانوں تک پہنچائے اور خود بھی اس وحی پر عمل کر کے ایک علمی نمونہ پیش کرے۔ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں تو ہم مستشرقین کے کیے گئے اعتراضات کا نہ صرف بہ آسانی جواب دے سکتے ہیں بلکہ ان کے دامِ فریب میں بھی

Marfat.com

مبتلا ہونے سے بچ جائیں گے۔

مندرجہ بالا مقصد کے پیش نظر راقم السطور نے اپنی اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ ابتدائی مآخذ و مصادر سے استفادہ کرنے کے بعد کیا ہے۔ مغربی مصنفین کے اعتراضات کے جواب میں لمبے مباحث اور لاحاصل مناظرے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی سیرت حقائق کی روشنی میں اس طرح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان اعتراضات کا جواب خود بخود عیاں ہو جائے اور عام قارئین کی سمجھ میں بھی آ جائے۔ البتہ جہاں کہیں شدید ضرورت محسوس کی گئی وہاں مستشرقین کے اعتراضات کی طرف اشارہ ضرور کر دیا گیا ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تمام مباحث و تحقیق معروضی انداز میں ہو۔

اس کتاب کے خاص بنیادی مآخذ و مصادر حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید

(۲) صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی)

(۳) سیرت رسول اللہ از ابن اسحاق جیسا کہ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ ﷺ میں اس کو پیش کیا ہے۔

(۴) الطبقات الکبریٰ از محمد ابن سعد اور ان کے ذریعے کیا گیا واقدی کے مغازی کا بیان۔

(۵) تاریخ و تفسیر از ابن جریر الطبری

(۶) المواہب للدنیہ از محمد زرقانی

(۷) الروض الانف از عبدالرحمٰن سہیلی (شرح سیرۃ ابن ہشام)

(۸) الدرر فی اختصاص المغازی والسیر از حافظ ابن عبدالبر

(۹) الکامل فی التاریخ از ابن الاثیر

(۱۰) مقدمہ و تاریخ از ابن خلدون

(۱۱) البدایۃ والنہایۃ از ابن کثیر

(۱۲) السیرۃ النبویۃ ﷺ از ابن حزم

مندرجہ بالا بنیادی اور ابتدائی مآخذ کے علاوہ راقم السطور نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی تقریباً دو سو کتابوں کا عربی، اردو اور انگریزی میں مطالعہ کیا ہے اور ان میں سے اکثر کے حوالے بھی مناسب مقامات پر دیے گئے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں ایک اہم کتاب اردو

Marfat.com

میں لکھی گئی مشہور تصنیف ''سیرۃ النبی ﷺ'' ہے جس کو ہندوستان کے دو مشہور علماء مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے چھ ضخیم جلدوں میں لکھا ہے۔ اس پوری کتاب کو سیرت کی دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس سے بھی اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے۔

احقر کی اس کتاب کا خاکہ اس وقت تیار کیا گیا تھا جبکہ راقم السطور ویسٹ انڈیز (جنوبی امریکہ) کے ایک ملک ٹرینیڈاڈ اینڈ ٹوباگو کے ایک مشہور کالج ''اسجا کالج'' میں تدریسی خدمت میں مشغول تھا۔ وہاں پر راقم السطور کو اس ملک کی مختلف لائبریروں سے استفادہ کرنے کا بھی موقع ملا۔ اس کتاب کی تکمیل علی گڑھ میں ۱۹۷۶ء میں ہوئی جہاں احقر مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات سُنّی میں لیکچرر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ راقم السطور علی گڑھ کی مختلف لائبریریوں کے اسٹاف کا شکرگزار ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں پورا تعاون کیا۔ ان لائبریریوں میں یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری (بالخصوص اس کا حبیب گنج کلیکشن)، فیکلٹی آف تھیالوجی کی لائبریری، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، عربی اور ویسٹ ایشین اسٹڈیز کی مشترکہ سیمینار لائبریری، اور شعبۂ تاریخ کی سیمینار لائبریری، خصوصیت سے شامل ہیں۔ راقم السطور نے اپنے وطن رام پور (یو۔ پی) کی مشہورِ زمانہ رضا لائبریری سے بھی کافی استفادہ کیا جس کے لیے وہ اس کے ڈائریکٹر مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی (جواب انتقال کر چکے ہیں) کا مشکور ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اجر عظیم عطا کرے۔

ربیع الاول ۱۳۹۶ھ/ مارچ ۱۹۷۶ء میں ''رابطہ عالم اسلامی'' مکہ مکرمہ (سعودی عرب) نے سیرت پر لکھے گئے تحقیقی مقالات کے عالمی مقابلے کا اعلان کیا جس میں غیر مطبوعہ مقالات ہی پیش کیے جا سکتے تھے۔ اس کتاب کا غیر مطبوعہ نسخہ بھی اس مقابلے میں بھیج دیا گیا تاکہ اس کی طباعت میں آسانی ہو سکے۔ اس مقابلے میں ایک ہزار ایک سو بیاسی (۱۱۸۲) مقالات دنیا کے مختلف ممالک سے مختلف زبانوں میں بھیجے گئے تھے۔

اللہ جل شانہ کا احسان ہے کہ اس کتاب کو اس مقابلے میں دوسرے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ مقابلے کا اعلان رجب ۱۳۸۰ھ/ جولائی ۱۹۷۸ء میں کیا گیا۔ اس مقابلہ میں شامل مقالات کا معاینہ مندرجہ ذیل عالمی شہرت کے حامل علماء کی جیوری نے کیا تھا:

(۱) جناب شیخ حسن آل شیخ، وزیر ہائر ایجوکیشن، حکومت سعودی عرب

(۲) جناب شیخ عبداللہ بن حمید، مسجد حرام، مکہ مکرمہ کے چیف سپر وائزر اور سعودی سپریم

Marfat.com

کورٹ کے صدر (جسٹس)

(۳) جناب شیخ عبداللہ بن باز، رئیس عمومی، ریسرچ ایڈمنسٹریشن اینڈ گائیڈ، سعودی عرب و سابق وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی، مدینہ منورہ۔ سعودی عرب۔

(۴) جناب مولانا کوثر نیازی، وزیر، امور دینیہ، پاکستان۔

(۵) جناب شیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، شیخ ازہر، جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر۔

(۶) جناب مولانا سید ابوالحسن علی الندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ انڈیا۔

(۷) جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، رکن مجلس تاسیسی، رابطۂ عالم اسلامی۔

راقم السطور ''رابطہ عالم اسلامی'' کی سیرت طیبہ پر اس مقابلے کو منعقد کرانے کی سعی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مندرجہ بالا علماء کرام کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس حقیر کی کوشش کو سراہا اور راقم السطور کی ہمت افزائی کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور سیرتِ طیبہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور دین کے عام ہونے کا ذریعہ بنائے۔

صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم

انگریزی تحریر ۳/نومبر ۱۹۷۹ء کو لکھی گئی۔

اردو تحریر ۷/جولائی ۱۹۸۹ء/ ۳/ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ بروز جمعہ کو مکمل کی گئی۔

ہاؤس نمبر ۲۷۳ ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۲۵، انڈیا۔

خاکسار

(ڈاکٹر، مولوی) ماجد علی خاں

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۲۵، انڈیا۔

Marfat.com

مقدمہ برائے اُردو ایڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی ھدانا لھذا ووفقنا والصلوٰۃ والسلام علی نبینا سیدالانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام مادام الملوان

انگریزی کتاب پر ”رابطۂ عالم اسلامی“ کی جانب سے انعام ملنے کی اطلاع کے بعد سے ہی دوستوں کا یہ اصرار رہا کہ اس کا اردو ترجمہ بھی آنا چاہیے اور ہندی کے شائقین کی یہ خواہش رہی کہ ہندی میں بھی ترجمہ ہو۔ بہرصورت راقم السطور نے خود ہی اردو میں اس کا ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن یہ معاملہ برابر ٹلتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۸۵ء میں جامعہ ملیہ میں (اس وقت بی۔اے آنرز، عربی کے) ایک طالب علم مولوی زبیر احمد سلمہٗ کے بے حد اصرار سے یہ کام شروع ہوا لیکن چند ماہ کے بعد پھر التوا میں پڑ گیا۔ دوبارہ اس کام کو ۱۹۸۷ء میں شروع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اکتوبر ۱۹۸۸ء میں کتاب کے اصل حصے کا ترجمہ پورا ہو گیا۔ مقدمے کا ترجمہ اور انڈیکس کی تیاری بعد میں ۱۹۸۹ء میں کی گئی۔

اس کتاب کے اردو ترجمے کی اس وجہ سے بھی ضرورت تھی کہ اس نہج پر اردو میں سیرت کی کتابیں بہت کم ہیں، اس کتاب میں راقم السطور نے غزوات اور سرایا اور ان کی وجوہات واسباب پر جس انداز سے بحث کی ہے اس کی کوتاہ نظر میں اردو کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی۔ اس کتاب میں احقر نے ختم نبوت پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے موضوع پر اردو، عربی اور دیگر زبانوں میں مستقل تصانیف تو بہت مل جائیں گی لیکن سیرت کی کتاب کے اندر اس موضوع پر تفصیلی گفتگو خال خال ہی ملے گی، اسی مناسبت سے کتاب کا نام بھی رکھا گیا ہے۔

چونکہ راقم السطور کا تعلق کسی جماعت سے نہیں ہے اور راقم السطور ﴿وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (1) کے تحت آزادانہ طور پر دین کی خدمت انجام دے رہا ہے، ساتھ ہی ساتھ جو دین

---

(1) حم السجدہ ۴۱:۳۳

Marfat.com

کے کام مختلف ڈھنگ سے اور مختلف طریقوں سے اخلاص کے ساتھ ہو رہے ہیں ان کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ ہر ممکن تعاون کے لیے بھی تیار ہے۔ بہر صورت راقم السطور کا کسی جماعت سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے یہ کتاب بھی جماعتی اختلافات سے پاک ہے۔ یہ اس وجہ سے تحریر کر رہا ہوں کہ اردو میں سیرت پر لکھی گئی کچھ کتابوں میں ایک مخصوص جماعت کا عکس صاف صاف نظر آتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ کسی مخصوص ''تحریک'' کو چلانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے، حالانکہ آپ ﷺ دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کی طرح ایک نبی و رسول تھے اور آخری نبی و رسول تھے اور آپ ﷺ کا مشن پوری کی پوری انسانیت کو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکامات کی تعلیم دینا تھا نہ کہ کسی مخصوص ''تحریک'' کا رکن یا کارکن بننا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [1]

''اور ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان والوں کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے) ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔''

اس کتاب میں موجودہ صدی کی ابتدائی چھ، سات دہائیوں میں اردو انگریزی میں سیرت طیبہ پر لکھی گئی اہم کتابوں کے مصنفین کے خیالات بھی جگہ جگہ نقل کیے گئے ہیں جس سے قارئین کو مختلف علماء اور اسکالرز کے خیالات معلوم ہونے اور ان سے مستفیض ہونے کا موقع مل سکے گا۔

راقم السطور کو امید ہے کہ کتاب کے اس اردو ترجمہ کو اردو داں طبقہ یقیناً پسند کرے گا۔ خدا کرے یہ ادنیٰ سی کوشش سیرت لٹریچر کے عظیم ذخیرہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ثابت ہو۔ آمین!

اپنی اس انگریزی کتاب کے بیشتر حصے کا ترجمہ میں نے عزیزی مولوی زبیر احمد سلمہٗ (متعلم، ایم۔ اے، عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ) کو املا کروایا۔ اس کام کو انھوں نے بڑی مستعدی سے انجام دیا، جس سے ترجمے کی تکمیل میں بہت سہولت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا کرے۔

---

[1] سباء ۳۴:۲۸

Marfat.com

کتاب کے اس اردو ایڈیشن میں حوالوں میں کچھ تمیم و تنسیخ کی گئی ہے، نیز کچھ حوالوں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ "ھلال خصیب" کے نقشے کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ دراصل اس ایڈیشن میں دوبارہ تحقیق کی گئی ہے کیونکہ معمولی سا بھی شبہ ہونے پر راقم السطور نے تمام حوالہ جات کو از سر نو دیکھا ہے اور پھر اردو میں لکھا ہے۔ اس وجہ سے اس ترجمے میں بھی کافی دیر لگی۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر سعی کو ذریعۂ مغفرت اور وسیلۂ شفاعت شفیع المذنبین آقائے نامدار، سیدنا ومولانا وشفیعنا وحبیبنا وہادینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور اشعار پر ان سطور کو ختم کرتا ہوں:

یا مخجل الشمس والبدر المنیر اذا
تبسم الثغر لمع البرق منه اضا
کم معجزات راینا منک قد ظهرت
یا سید ذکره یشفی به المرضیٰ ❶

اے وہ ذات جس (کے جمالِ جہاں آرا) سے آفتاب اور بدر منیر بھی شرمندہ ہوتے ہیں۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو (گویا کہ) برق چمکنے لگتی ہے (اور روشنی پھیل جاتی ہے)
ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے معجزات رونما ہوتے دیکھے ہیں۔
اے وہ آقا! جس کا (مبارک) ذکر بیماروں کو شفا دیتا ہے۔

صلی الله علیه وآله وصحبه وسلم!

خاکسار
(ڈاکٹر، مولوی) ماجد علی خاں
شعبۂ اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۲۵،
انڈیا۔

دوشنبہ ۲۴ر جولائی ۱۹۸۹ء
۲۰ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
نمبر 273 ذاکر نگر، جامعہ نگر،
نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۲۵، انڈیا۔

---

❶ خطباتِ نبویؐ از مولوی محمد عبد اللہ: ص ۱۳

Marfat.com

Marfat.com

جزیرۃ العرب کا تاریخی پس منظر

انسانی تہذیب کا گہوارہ:

صرف دین اسلام ہی اللہ کے نزدیک قابل قبول ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ❶

اس دین حق کی ابتداء زمین پر سب سے پہلے انسان و پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ آپ علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء و رسل تشریف لائے سبھی نے توحید کے علمبردار اسی دین کی تبلیغ کی اور نسل انسانی کو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلایا، خواہ وہ حضرت نوح علیہ السلام ہوں یا ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام ہوں، اسحٰق علیہ السلام، یوسف علیہ السلام ہوں یا موسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام۔ البتہ مختلف زمانوں میں اس دین حق کی شریعتوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ جب آخری نبی و رسول ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ پر دین اسلام کی تکمیل ہوئی اور جامع ترین و آخری شریعت جدید اسلوب میں بہ شکل قرآن نازل کی گئی۔

قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ❷

”میں نے آج کے دن تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے پسند کیا۔“

مشرقِ وسطیٰ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مرکز رہا ہے۔ یہ علاقہ بشمول ”ہلال خصیب“

---

❶ آل عمران ۳، آیت ۱۹

❷ المائدہ ۵، آیت ۳

Marfat.com

"ہلال خصیب" (Fertile Crescent) ایران سے لے کر مصر تک کے ممالک پر مشتمل ہے۔ "ہلال خصیب" میں، جس کو مغربی مؤرخین "فرٹائل کریسنٹ" (Fertile Crescent) یعنی "زرخیز ہلالی خطہ" سے موسوم کرتے ہیں، عراق، شام، اردن اور فلسطین کے علاقے شامل ہیں۔ یہ علاقے دنیا کے نقشے میں ایک ہلال (Crescent) کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ ان ممالک کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ میں مصر، جزیرۃ العرب، ترکی (بشمول اناطولیہ وایشیائے کوچک) اور فارس (ایران) کے ممالک آتے ہیں۔ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سرزمین اگر نوع انسانی کا گہوارہ نہیں تو کم از کم تہذیب انسانی کا گہوارہ ضرور رہی ہے [1]۔ اور عالم کی اولین تہذیبوں کو سمو چکی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ تاریخی اعتبار سے بھی بہت اہم خطہ ہے کیونکہ اس خطۂ ارض نے زمانۂ قدیم کی بعض قوموں کو میدانِ عمل میں جدوجہد کے ایسے اہم مواقع فراہم کیے ہیں جن کے نتیجے میں نوعِ انسانی کی فلاح و بقا کے سلسلے میں قابل دید اور نمایاں انکشافات رونما ہوئے جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے سائنس، آرٹس، فلسفہ وادب کا عظیم سرمایہ بنے۔

مشرق وسطیٰ ہی دنیا کا وہ واحد خطہ ہے جس کی تہذیب کا ریکارڈ انسانی تاریخ میں پانچ ہزار برس سے لے کر اب تک محفوظ و نمایاں ہے۔ اس علاقے میں سمیریوں نے عراق اور بنو حام نے مصر میں شہری تہذیب کی بنیاد رکھی [2]۔ سمیریوں سے مراد ما قبل سامی اقوام ہیں جن کی تہذیبی و ثقافتی اقدار اور مذہبی و سماجی خیالات پوری وادئ دجلہ و فرات پر حاوی تھے۔ اور پھر رفتہ رفتہ پڑوس کے ممالک پر بھی چھا گئے۔ ان کی زبان سامیوں سے مختلف تھی۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بحرِ روم کے پاس بسنے والی اقوام اور آرامیوں کی آمیزش کا نتیجہ تھے۔

جہاں تک بحرِ روم کی اقوام (Mediterraneans) کا تعلق ہے ان کے بارے میں مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ نسبتاً چھوٹے قد اور بڑے سر والی اقوام تھیں، جن کا مسکن شمالی افریقہ تھا جہاں پر یہ کوہِ قاف کی سفید نسل کا ایک حصہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے دوسرے لڑکے حام کی اولاد میں سے ہیں۔ شمالی افریقہ سے حام کی نسل کا ایک گروہ جنوبی یورپ گیا جہاں یہ لوگ اسپین، جنوبی فرانس اور اٹلی کے باشندوں کے آباء واجداد بنے [3]۔ نیز

---

[1] فلپ ہٹی، دی نیئر ایسٹ ان ہسٹری (The Near East In History) نیویارک، ۱۹۶۱ء، ص ۳

[2] فلپ ہٹی، ایضاً، ص ۳۳

[3] فلپ ہٹی، ایضاً، ص ۳۳

Marfat.com

مشرقی بحرِ روم کے جزیروں میں آباد ہوئے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ برطانیہ اور جرمنی تک پہنچے۔ اسی بحرِ روم کی سفید نسل کا ایک اور گروہ جزیرۃ العرب میں آباد ہوا۔ تاریخی تحقیقات کی رُو سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ باب المندب (یمن) کے راستے جزیرۃ العرب میں داخل ہوئے تھے جہاں سے یہ لوگ ''ہلالِ خصیب'' (Fertile Crescent) کے ممالک تک پہنچے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ وہاں کے قدیم باشندوں (جو کہ آرامی خیال کیے جاتے ہیں) میں گھل مل گئے، اور ایک نئی نسل سمیریوں (Sumerians) کے آباء واجداد بنے۔

آرامیوں (Armenoids) کو جو الپینی (Alpines) بھی کہلائے جاتے ہیں، آریوں کی عظیم نسل (Great Indo-European Family) کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ آریہ نسل کے لوگ گول سر، بھاری بدن اور معتدل قد والے تھے۔ ان کا وطن وسط ایشیا میں یا مغربی ایشیا میں غالباً وہ وسیع وعریض صحرا تھا جو کہ سلسلہ کوہِ قاف کے شمال میں واقع ہے۔ بعد میں اس نسل کی دو بڑی شاخیں ہوگئیں۔ ان میں سے ایک شاخ مغرب کی طرف گئی اور یورپ کے مشرقی ومرکزی علاقوں کو انھوں نے اپنا مسکن بنایا، اس طرح وہ یونانیوں اور اطالیوں کے ہی نہیں بلکہ کلٹی (Celtic) جرمنی اور غالباً اسکینڈی نیویائی (یعنی ناروے سویڈن اور ڈنمارک کے لوگوں (Scandinavians) کی نسلوں کے بھی آباؤ اجداد بنے۔ یہ تمام نسلیں آرامی یا پینی سمجھی جاتی ہیں۔ آریوں کی دوسری شاخ جنوبی مشرقی حصے میں بھی گئی اور ایران کی سطح مرتفع پر آباد ہوگئی، اس شاخ سے میڈاس (medas) اور قدیم اہل فارس کی نسلیں نکلیں۔ اس شاخ کا ایک حصہ پہاڑوں کو پار کر کے سندھ اور گنگا کی وادی میں پہنچا جس نے شمالی ہندوستان کی آباد کاری کی۔ ادھر آرامیوں کی ایک جماعت اناطولیہ (Anatolia)، شام اور لبنان کے راستے ہلالِ خصیب میں داخل ہوئی ❶۔ یہاں پر یہ لوگ بحرِ روم کی اقوام یا حام کی نسل کے لوگوں کے ساتھ مل گئے اور سمیریوں کو جنم دیا۔

سامی اقوام حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے لڑکے سام ابن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، جزیرۃ العرب نسل انسانی کی افزائش کے ان بنیادی گھواروں میں سے ایک گھوارہ ہے جو تاریخ کے ہر دور میں سامی اقوام کا وطن رہا ہے۔ پھر یہاں سے شمال کی جانب وہ ''ہلالِ خصیب'' میں داخل ہوئیں ❷۔ سامی نسل سے جو قومیں آس پاس کے علاقوں میں پھیلیں ان میں سے چند

❶ فلپ ہٹی، (The Near East In History)، ص ۳۳

❷ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۱/۱۰۹ تا ۱۱۳، فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ: ص ۳۳

Marfat.com

خاص یہ ہیں؛ بابلی، آشوری، لبنان میں آباد کنعانی یا فینیقی (Phoenicians)، شمالی شام کے عموری (Amorites)، وسط شام کے آرامی اور عبرانی ❶۔ جدید استعمال میں سمیری، حامی، سامی وغیرہ الفاظ میں نسل سے زیادہ لسانی مفہوم مضمر ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں سامی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سامی زبانوں میں سے کوئی زبان بولتا ہے۔ جو کہ یہ ہیں: عربی، اکادی (Akkadians) یعنی آشوری و بابلی کی آمیزش (Assyro-Babylonian) کنعانی (Canaanite) یعنی عموری و فینیقی (Amoritic and Phoenician) کی آمیزش، آرامی یعنی سریانی کی اصل زبان (Syriac)، عبرانی اور حبشی (Ethiopic)۔ ان تمام زبانوں کی بنیادی خصوصیات میں یگانگت ہے اور ان کا تعلق ایک متحد لسانی خاندان یعنی سامی زبانوں کے خاندان سے ہے۔

اقوام عرب:

جزیرۃ العرب میں جو قومیں آباد تھیں ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے ❷۔
(۱) عرب بائدہ (۲) عرب عاربہ (۳) عرب مستعربہ۔ پروفیسر فلپ ہٹی (Philip Hitti) اپنی کتاب (Syria, A Short History) میں لکھتے ہیں:

''عربی زبان خالص سامی خصوصیات کی حامل ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان نے سامی زبان سے نکلی ہوئی دوسری زبانوں کے مقابلے میں اس ام اللسان یعنی سامی سے اپنے گہرے رشتے کو پوری طرح محفوظ رکھا ہے ❸۔''

عرب بائدہ:

وہ اقوام جن کا تعلق عرب بائدہ سے ہے تاریخ عرب کے اس تاریک دور سے وابستہ ہیں جن کی زیادہ تفصیلات جدید تاریخ میں نہیں ملتیں۔ ان کے گمنام قبیلوں میں سے چند مشہور قبیلوں کے نام یہ ہیں: عاد، ثمود اور طسم۔ یہ قبیلے سام ابن نوح کی اولاد میں تیسری یا چوتھی پیڑھی سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

❶ سید سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۰۹ تا ۱۱۳، فلپ ہٹی History of The Arabs، لندن (۱۹۵۸ء)، ص ۳ تا ۱۳۔

❷ ابن خلدون، التاریخ: ۲/۳۰

❸ فلپ ہٹی Syria; A Short History

قوم عاد:

نسب: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ❶۔ یہ قوم عظیم ریگستان احقاف (ملاحظہ ہو، سورۂ احقاف آیت ۲۱) میں رہتی تھی، اور ان کا جزیرۃ العرب کے ان حصوں پر قبضہ تھا جو خلیج عمان سے لے کر حضر موت تک اور یمن سے لے کر بحر احمر کے جنوبی کنارے تک پھیلا ہوا ہے ❷۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق ❸۔ شداد جو قوم عاد کا ایک بڑا بادشاہ گزرا ہے وہ عاد بن عوص کا بیٹا تھا۔ اس نے صحرائے عدن میں ایک شاندار شہر کی بنیاد رکھی جس میں اس نے ایک عالیشان محل اور خوبصورت باغیچے بنوا کر آسمانی جنت کی نقالی کی، اس طرح اس نے اپنے اس زعم باطل کو تقویت دینی چاہی جس کے تحت اس نے اپنے کو خدا سمجھ رکھا تھا، اس جنتی شہر کا نام "ارم" (قرآن، والفجر: آیت ۷) رکھا گیا جو قوم عاد کا دارالسلطنت بنا ❹۔ لیکن شداد کو اپنی جنت سے لطف اٹھانے کا موقع بالکل نہیں ملا کیونکہ پہلے ہی دن جونہی وہ اس کی زیارت کے لیے گیا، بطور عذاب اس کی موت واقع ہو گئی۔ علامہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق "ارم" کسی شہر کا نام نہیں تھا بلکہ سام کے ایک بڑے لڑکے کا نام ہے ❺۔ قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ (قرآن، سورۂ اعراف: آیت ۵٦) قوم نے ان کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں خدا کی جانب سے سخت آندھی کے عذاب سے دوچار ہوگئی اور تباہ کر دی گئی۔ لقمان حکیم جو بعض مؤرخین ❻ کے بیان کے مطابق مشہور فلسفی اور قوم عاد کے بادشاہ تھے اور "سات شاہینوں کے زمانے" میں

---

❶ المسعودی، التاریخ: ۱/۲۵۸، ابن خلدون، التاریخ: ۲/۳۴، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۱/۱۲۵، محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب: ۱/۷۸

❷ المسعودی، التاریخ: ۱/۲۵۸

❸ المسعودی، التاریخ، مصر: ۱۳۴٦ھ: ۱/۲۵۹

❹ المسعودی، ایضاً: ۱/۲۵۹

❺ ابن خلدون، التاریخ، بیروت ۱۹٦٦: ۲/۳٦

❻ ابن خلدون، التاریخ: ۲/۳۸، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن اعظم گڑھ (الہند) ۱۹۵۵ء: ۱/۱۷۷، و ۱۷۸، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، دہلی ۱۹٦۱ء (۱۳۸۰ھ) ۳/۳۴ تا ۴۰، مزید ملاحظہ فرمائیں: تفسیر ابن کثیر، مغازی ابن اسحٰق اور جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی۔

Marfat.com

رہتے تھے۔ وہ اس تباہی سے دوسرے ۶۰ آدمیوں کے ساتھ بچ گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قبراب بھی حضرموت (یمن) میں موجود ہے ❶ جو مکالا سے ۹۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

قوم عاد کے لوگ اپنے فن تعمیر میں بہت مشہور تھے۔ انھوں نے اپنی راجدھانی میں نہایت ہی بلند اور مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں (قرآن، سورۃ الشعراء: آیت ۱۲۹ و ۱۳۰) یہ لمبے قد کے اور بڑے طاقت ور لوگ تھے۔ ان کا زمانہ غالباً تین ہزار قبل مسیح کا ہے۔

قوم ثمود:

ثمود کے آباء واجداد:

ثمود کاثر کا لڑکا تھا ❷ (بائبل میں جس کو گیتر کہا گیا ہے)۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ثمود عابر کا لڑکا تھا اور عابر، ارم بن سام کے لڑکے تھے ❸۔ مؤرخین کا ایک تیسرا گروہ کہتا ہے کہ ثمود عامر ابن ارم کے لڑکے تھے ❹۔ کاثر، ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام کے لڑکے تھے۔ کچھ مؤرخین کے مطابق ثمود کے قبیلے پہلے وادی القریٰ (جو مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے ❺) میں آباد ہوئے۔ جس کا دارالحکومت ''حجر'' بتایا جاتا ہے جو شام کی سرحد پر ہے ❻۔ یہ لوگ قومِ عاد کی تباہی کے بعد طاقت ور بنے۔ (قرآن، سورہ اعراف: آیت ۷۴) قومِ عاد کی طرح ان کے بارے میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بڑے طاقت ور تھے۔ ان کا سب سے لمبا شخص (بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق) سو ہاتھ کا ہوتا اور سب سے چھوٹا ۶۰ ہاتھ کا۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق وہ پہاڑی چٹانوں کے غاروں میں رہتے تھے اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھروں میں تبدیل کرتے جو آج بھی باقی ہیں۔ وہ اپنے مندر اور بڑے مکانات مضبوط چٹانوں کو تراش کر بناتے

---

❶ مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ص ۱۰۳، تا ۱۰۷، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۱/۱۷۵

❷ ابن خلدون، التاریخ: ۲/۴۱

❸ المسعودی، التاریخ: ۱/۲۵۹

❹ محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۱/۱۰۶،

❺ جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی: ص ۸۲

❻ محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۱/۱۰۶، محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب: ص ۸۲

Marfat.com

تھے۔ (قرآن، سورۂ اعراف: آیت ۷۴، الشعراء: آیت ۱۴۹) بعض مسلم مؤرخین کی تحقیق میں پٹرا (Petra) کے کھودے ہوئے شہر کا، جو معن (اردن) کے پاس ہے، تعلق قوم ثمود کے زمانے سے ہے۔ قوم ثمود کی جانب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا جن کو بائبل میں فلج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ❶۔ (پیدائش۔ باب ۱۱، آیت ۱۶) لیکن قوم نے بنو عاد کی طرح ان کی نافرمانی کی اور بت پرستی پر مصر رہے جس کے نتیجہ میں ان کے اوپر خدا کی جانب سے سخت کڑک و گرج کے ساتھ سخت پتھروں کی بارش نازل ہوئی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

(قرآن، سورۂ اعراف: آیت ۸۴، سورہ ہود: آیت ۶۷)

طسم اور جدیس:

یہ دونوں قبائل مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد تھے اور سرزمین حجاز نیز جنوب کی جانب یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی تاریخ یکسر پردۂ خفا میں ہے۔ البتہ قدیم عربی نظموں میں ان کے نام کا ذکر ملتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قومیں آپسی اختلاف و دشمنی کی بنا پر برباد ہوئیں ❷ جس کی وجہ یہ تھی کہ قوم طسم کا آدمی دونوں قبیلوں پر حکومت کرتا تھا۔ جدیس کے لوگ قبیلۂ طسم کے اس اقتدار و حاکمیت کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے بادشاہ اور اس کے مصاحبین کو ایک دلچسپ پروگرام میں مدعو کیا اور جشن کے وقت اسے قتل کر دیا اور اس کے ساتھ رعایا کی ایک خاصی بڑی تعداد کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ❸۔

عرب عاربہ (بنو قحطان):

کہا جاتا ہے کہ بنو قحطان جزیرۃ العرب کے قدیم ترین باشندوں میں سے ہیں۔

---

❶ Thomas Patrik Hughes, Dictionary of Islam, London, 1885, P.563

❷ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۰ء: ۱/۶۲۱، المسعودی، التاریخ، مصر، ۱۳۴۶ھ: ۱/۲۶۵ تا ۳۱۵، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ج ۱-۲، مزید ملاحظہ ہو جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی۔

❸ ابن خلدون، التاریخ: ۲/۴۴، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲/۲۰۱، محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک: ۱/۶۲۹

Marfat.com

رہتے تھے۔ وہ اس تباہی سے دوسرے ۶۰ آدمیوں کے ساتھ بچ گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر اب بھی حضر موت (یمن) میں موجود ہے ❶ جو مکالا سے ۹۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

قوم عاد کے لوگ اپنے فن تعمیر میں بہت مشہور تھے۔ انھوں نے اپنی راجدھانی میں نہایت ہی بلند اور مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں (قرآن، سورۃ الشعراء: آیت ۱۲۹ و ۱۳۰) یہ لمبے قد کے اور بڑے طاقت ور لوگ تھے۔ ان کا زمانہ غالباً تین ہزار قبل مسیح کا ہے۔

قوم ثمود:

ثمود کے آباء واجداد:

ثمود کاثر کا لڑکا تھا ❷ (بائبل میں جس کو گیتر کہا گیا ہے)۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ثمود عابر کا لڑکا تھا اور عابر، ارم بن سام کے لڑکے تھے ❸۔ مؤرخین کا ایک تیسرا گروہ کہتا ہے کہ ثمود عامر ابن ارم کے لڑکے تھے ❹۔ کاثر، ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام کے لڑکے تھے۔ کچھ مؤرخین کے مطابق ثمود کے قبیلے پہلے وادی القریٰ (جو مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے ❺) میں آباد ہوئے۔ جس کا دارالحکومت "حجر" بتایا جاتا ہے جو شام کی سرحد پر ہے ❻۔ یہ لوگ قومِ عاد کی تباہی کے بعد طاقت ور بنے۔ (قرآن، سورہ اعراف: آیت ۷۴) قومِ عاد کی طرح ان کے بارے میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بڑے طاقت ور تھے۔ ان کا سب سے لمبا شخص (بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق) سو ہاتھ کا ہوتا اور سب سے چھوٹا ۶۰ ہاتھ کا۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق وہ پہاڑی چٹانوں کے غاروں میں رہتے تھے اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھروں میں تبدیل کرتے جو آج بھی باقی ہیں۔ وہ اپنے مندر اور بڑے مکانات مضبوط چٹانوں کو تراش کر بناتے

---

❶ مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ص ۱، ۱۰۳، تا ۱۰۷، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۱۷۵/۱

❷ ابن خلدون، التاریخ: ۴۱/۲

❸ المسعودی، التاریخ: ۲۵۹/۱

❹ محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۱۰۶/۱،

❺ جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی: ص ۸۲

❻ محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۱۰۶/۱، محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب: ص ۸۲

Marfat.com

تھے۔ (قرآن، سورۂ اعراف: آیت۷۴، الشعراء: آیت ۱۴۹) بعض مسلم مؤرخین کی تحقیق میں پٹرا (Petra) کے کھودے ہوئے شہر کا، جو معن (اردن) کے پاس ہے، تعلق قوم ثمود کے زمانے سے ہے۔ قوم ثمود کی جانب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا جن کو بائبل میں فلج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ❶۔ (پیدائش۔ باب ۱۱، آیت ۱۶) لیکن قوم نے بنو عاد کی طرح ان کی نافرمانی کی اور بت پرستی پر مصر رہے جس کے نتیجہ میں ان کے اوپر خدا کی جانب سے سخت کڑک و گرج کے ساتھ سخت پتھروں کی بارش نازل ہوئی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

(قرآن، سورۂ اعراف: آیت ۸۴، سورہ ہود: آیت ۶۷)

طسم اور جدیس:

یہ دونوں قبائل مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد تھے اور سرزمین حجاز نیز جنوب کی جانب یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی تاریخ یکسر پردۂ خفا میں ہے۔ البتہ قدیم عربی نظموں میں ان کے نام کا ذکر ملتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قومیں آپسی اختلاف و دشمنی کی بنا پر برباد ہوئیں ❷ جس کی وجہ یہ تھی کہ قوم طسم کا آدمی دونوں قبیلوں پر حکومت کرتا تھا۔ جدیس کے لوگ قبیلۂ طسم کے اس اقتدار و حاکمیت کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے بادشاہ اور اس کے مصاحبین کو ایک دلچسپ پروگرام میں مدعو کیا اور جشن کے وقت اسے قتل کر دیا اور اس کے ساتھ رعایا کی ایک خاصی بڑی تعداد کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ❸۔

عرب عاربہ (بنو قحطان):

کہا جاتا ہے کہ بنو قحطان جزیرۃ العرب کے قدیم ترین باشندوں میں سے ہیں۔

---

❶ Thomas Patrik Hughes, Dictionary of Islam, London, 1885, P.563

❷ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۰ء: ۶۲۱/۱، المسعودی، التاریخ، مصر، ۱۳۴۶ھ: ۲۶۵/۱ تا ۳۱۵، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ج ۲-۱، مزید ملاحظہ ہو جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی۔

❸ ابن خلدون، التاریخ: ۴۴/۲، سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲۰۱/۲، محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک: ۶۲۹/۱

Marfat.com

اسلامی روایت کے مطابق اس قبیلے کا سلسلہ قحطان یا یُقطان نامی شخص سے شروع ہوتا ہے۔ (بائبل میں بھی اس کا نام یقطان ہے، ملاحظہ ہو پیدائش، باب ۱۰، آیت ۲۶) اس کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: قحطان یا یقطان بن عابر (ابر) بن شالخ (یا شالح) ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح ❶۔ بعض دوسرے مؤرخین کی تحقیق میں بھی قحطان یا یقطان ایک ہی شخص کا نام تھا ❷۔ جس کے کئی لڑکے تھے، ان میں مشہور یہ تھے:

① یعرب: جو یمن کا باپ تھا جس کے نام سے ملک یمن موسوم ہوا۔
② حضرموت یا حضارموت (بائبل میں حضارموت): جن کے نام سے حضرموت کا علاقہ موسوم ہوا۔
③ جرہم اور
④ حضور ﷺ ❸۔

یمن مشہور شخص تھے اور حمیر کے باپ تھے جنھوں نے صدیوں جنوبی عرب پر حکمرانی کی تھی۔ جرہم اور ان کی اولاد نے سرزمین حجاز میں سکونت اختیار کی۔ بائبل میں یارح اور جرہم کا شمار ان تیرہ شخصوں میں کیا گیا ہے جنھوں نے ملک عرب کو آباد کیا۔ (پیدائش، باب ۱۰، آیت ۲۶) اہل یمن اور جرہم کے علاوہ سرزمین عرب میں جن قحطانی قبیلوں کی بڑی افزائش نسل ہوئی وہ یہ ہیں ❹:

① بنوکہلان: اس کی شاخیں یہ ہیں: بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مزحج، طے، نہم، جذام، آملہ۔
② بنوازد: اس کے فروع یہ ہیں: اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس۔
③ بنوقضاعہ: اکثر مؤرخین بنوقضاعہ کو بنوقحطان کی شاخ مانتے ہیں لیکن کچھ لوگ ان کو بنو اسماعیل میں شمار کرتے ہیں، ان کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں:
بنوکلب، بنوتنوخ، بنوجرہم، بنوجہنیہ، بنوعذرہ، بنواسلم، بلی، سلیح ضجعم، تغلب، اسد اور نمرہ وغیرہ۔

---

❶ المسعودی، التاریخ: ۱/۱۷۲، ابن خلدون، التاریخ: ۲/۸۵
❷ ابن خلدون، التاریخ: ۴/۸۵
❸ تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، حصہ اول، ص ۵۴
❹ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/۱۰۸

Marfat.com

عرب مستعربہ:

• یہ وہ مخلوط عرب تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور المضض کی بیٹی ❶ کی اولاد میں سے تھے۔ المضض جرہم کی اولاد میں چھٹی نسل میں ہیں۔

(الف): حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور بعض مؤرخین کے خیال میں تارخ تھا۔ بائبل میں اس کا نسبی نام تارح بتایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

ابراہیم بن آزر بن ناخور بن ساروخ بن ارغو بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ❷۔

یہ بالکل مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور بڑے لڑکے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سرزمین مکہ میں چھوڑ دیا تھا ❸۔ بعض مغربی مؤرخین اس مسلمہ حقیقت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن تمام مسلم مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی اور سرزمین مکہ میں سکونت پذیر ہوئیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس جو پانی تھا ختم ہو گیا اور معجزے کے طور پر ایک چشمہ اس سرزمین میں پھوٹ پڑا جو زمزم کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ اس قول کی تائید میں ذیل میں بائبل کے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں جن سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ایک ریگستانی سرزمین میں خدا کے حکم سے لے گئے اور وہیں چھوڑ دیا:

''اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث بُرا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاک سے تیری نسل کا نام چلے گا

---

❶ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک: ۱/۳۱۴

❷ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۶۰ء (۱۳۸۰ھ): ۱/۵۹، محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک: ۱/۲۳۳

❸ المسعودی، التاریخ، مصر، ۱۳۴۶ھ: ۱/۲۶ وغیرہ

Marfat.com

اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک نسل پیدا کروں گا، اس لیے کہ وہ تیری نسل سے ہے۔ تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی، اور اسے ہاجرہ علیہا السلام کو دیا بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی۔''

(بائبل، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۸۳ء پیدائش باب ۲۱، آیت ۱۲ تا ۱۴)

مندرجہ بالا اقتباس میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی بتایا گیا ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ کی جانب سے اس وقت تحفہ میں دی گئی تھیں جب آپ نے مصر کا سفر کیا تھا❶۔ بعض مسلم مؤرخین کی تحقیق میں وہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھیں❷۔ اس وقت یہ رواج تھا کہ پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی پہلی بیوی کی لونڈی بن کر رہتی۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت سارہ علیہا السلام کی لونڈی کہی گئیں، اس طرح کی باتیں مختلف طریقوں سے بائبل میں مذکور ہیں۔ (ملاحظہ ہو، بائبل، پیدائش، باب ۱۶، آیت ۳)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس کی ہو چکی تھی❸۔ (بائبل، پیدائش، باب ۱۶، آیت ۱۵) اور آپؑ کے دوسرے لڑکے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش حضرت سارہ علیہا السلام سے اس وقت ہوئی جب آپ سو برس کے ہو چکے تھے۔ (بائبل، پیدائش، باب ۲۱، آیت ۵ اور ۶) بعض مؤرخین کے خیال میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۰ سال تھی، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اس وقت ہوئی جب آپ علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال ہو گئی تھی❹۔ اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام

---

❶ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۴۸

❷ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲/۴۱، محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۱/۱۹۰، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ، لاہور، ۱۹۲۴ء: ۲/۱۔ (قاضی محمد سلیمان کے مطابق ہاجرہ p رقیون، بادشاہ مصر کی صاحبزادی تھیں جس نے حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ دست درازی کی کوشش کی تھی، قاضی صاحب نے خطباتِ احمدیہ ص ۱۰۹ کا حوالہ دیا ہے اور اس کے علاوہ تاریخ عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص: ۲/۱۸۲، از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مطبوعہ مطبع السعادہ مصر کا بھی حوالہ دیا ہے)

❸ المسعودی، التاریخ: ۱/۲۶

❹ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۴۸

Marfat.com

حضرت اسحاق علیہ السلام سے کم از کم 14 برس بڑے ہوئے۔

بائبل کے مذکورہ بالا اقتباس میں یہ پیشین گوئی ہے کہ اللہ رب العزت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ایک قوم پیدا کرے گا، بعینہٖ یہی پیشین گوئی قرآن کریم میں بھی۔ (قرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴) چنانچہ بنو اسماعیل (اہل عرب) کی شکل میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی جن سے کہ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

بعض غیر اسلامی روایتوں میں ہے کہ بیر سبع جس کا ذکر اوپر کے اقتباس (پیدائش، باب ۲۱، آیات ۱۲ تا ۱۴) میں آچکا ہے فلسطین میں ہے لیکن یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ اس اقتباس سے ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بیر سبع کو اپنا مسکن بنایا تھا بلکہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی رہیں۔ بیر سبع عرب کے شمال میں ہے، اس لیے یہ عیاں ہے کہ انھوں نے وہاں سے عرب کی طرف ہجرت کی۔ بائبل کے چند دوسرے اقتباسات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام عرب ہی میں سکونت پذیر ہوئیں۔

انجیل کے نئے عہد نامے کا ایک اقتباس مثال کے طور پر ذیل میں درج ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام عرب کی باشندہ تھیں۔

''ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے اس لیے کہ یہ عورتیں گویا دو عہد ہیں۔ ایک کوہِ سینا پر کا جس سے غلام ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہاجرہ علیہا السلام ہے اور ہاجرہ علیہا السلام عرب کا کوہ سینا ہے، اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے۔'' (انجیل، گلتیون، باب ۴، آیت ۲۴ و ۲۵)

نوٹ: انجیل کے کچھ پرانے نسخوں میں یہ الفاظ ہیں:

''سینا ایک پہاڑ ہے عرب میں'' اور یہ الفاظ نہیں ہیں ''عرب کا کوہِ سینا۔''

ملاحظہ ہو بائبل کا انگریزی ترجمہ (The New English Bible) مطبوعہ آکسفورڈ/ کیمبرج یونیورسٹی پریس)، اوپر ہم نے جس بائبل کا اقتباس دیا ہے وہ بائبل کا کیتھولک چرچ کا ترجمہ ہے۔

بائبل کا ایک دوسرا انگریزی ترجمہ جو بادشاہ جیمس (King James Version) نے کرایا تھا اور جو عام طور پر ملتا ہے (ہمارے پاس اس کا فلاڈیلفیا، امریکہ کا 1968ء کا مطبوعہ نسخہ ہے) اس کے مطابق مندرجہ بالا اقتباس (گلتیون، باب ۴، آیات ۲۴ و ۲۵) کا اردو ترجمہ اس طرح ہوگا:

Marfat.com

''لیکن وہ لڑکا جو کہ لونڈی کا تھا وہ گوشت سے پیدا ہوا تھا، جب کہ وہ (یعنی دوسرا لڑکا) آزاد عورت سے ایک وعدہ کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ (عورتیں) گویا کہ دو عہد ہیں، ایک کوہ سینا سے جو کہ پیدا کرتی ہے ایک غلام نسل اور وہ آجر ہے (یعنی ہاجرہ علیہا السلام) کیونکہ آجر (ہاجرہ علیہا السلام) (گویا کہ) عرب کا کوہِ سینا ہے جو موجودہ یروشلم کا جواب ہے، اور وہ اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے مگر یروشلم آزاد ہے اور وہ ہم سب کی ماں ہے۔''

نوٹ: اس اقتباس کا ترجمہ انگریزی سے مصنف نے خود کیا)۔ انجیل، گلتیون، باب ۴، آیات ۲۳ تا ۲۶۔

مذکورہ بالا اقتباس صاف لفظوں میں ظاہر کرتا ہے کہ عرب کے کوہ سینا کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنا مسکن بنایا۔ مزید اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ ''خدا کا عظیم گھر'' جو بائبل کی زبان میں یروشلم کا جواب ہے اس کا محل وقوع کیا تھا۔ جیسا کہ بائبل کی مندرجہ بالا آیت میں موجود ہے کہ ''گویا کہ) وہ عرب کا کوہ سینا ہے۔'' اس طرح دراصل ''خدا کا عظیم گھر'' کا وقوع عرب میں ثابت ہوتا ہے۔

بائبل کی ایک دوسری آیت میں (جو کہ مندرجہ ذیل ہے) یہ کہا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ''پاران'' (یعنی فاران) پہاڑ کے پاس رہتے تھے:

''اور وہ ''فاران'' کے بیابان میں رہتا۔''

(بائبل، پیدائش، باب ۲۱، آیت ۲۱، اردو ترجمہ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور)

مسلمان فضلاء کی تحقیق کے مطابق لفظ ''پاران'' عربی لفظ ''فاران'' کے مترادف ہے (جیسا کہ بائبل کی مندرجہ بالا آیت کے مصدقہ اردو ترجمہ میں جو کہ پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے، بھی مذکور ہے۔

(نوٹ) یہ ترجمہ اصل کتاب کے لکھنے کے بعد لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا گیا ہے، اس لیے ہماری انگریزی کی کتاب میں اس کا حوالہ درج نہیں ہے۔ (ماجد)

''فاران مکہ'' کے ایک پہاڑ کا نام ہے [1]۔ اس کے علاوہ بائبل کے مندرجہ ذیل اقتباس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا مسکن مصر کے بالکل مخالف سمت اسور کی جانب بتایا گیا ہے۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/۱۳۲

Marfat.com

"......اور اسماعیل کی کل عمر ۱۳۵ برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی۔ اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستے پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے (مقابلے میں) بسے ہوئے تھے۔" (بائبل، پیدائش، باب ۲۵، آیات ۱۷، ۱۸، ترجمہ از حوالہ مذکورہ)

قدیم مشرق وسطیٰ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہویں، اٹھارویں اور انیسویں صدیوں قبل مسیح میں جو علاقہ "ارم آشور" اور مصر کے درمیان واقع ہے وہ شمالی عرب ہی ہے۔

اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مختلف مقامات کی سیاحت کے بارے میں کچھ تاریخی بیانات پر روشنی ڈالنا نہایت موزوں ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کی صحیح تعیین نہیں کی جا سکتی۔ اندازہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام تین ہزار قبل مسیح کے آخری دور میں قدیم بابل (موجودہ عراق) کے ایک شہر اُر میں رہتے تھے، یہاں کے باشندے، چاند، سورج اور دوسرے ستاروں و سیاروں نیز ایک ماتا دیوی اشتر کی پوجا کرتے تھے [1] اس زمانے کے مشرکین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے موحد (مسلمان) ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بحکم خداوندی مسلمین کا خطاب عطا کیا (ملاحظہ ہو، قرآن، سورہ حج، آیت ۷۸) آپ علیہ السلام نے لوگوں کے درمیان تبلیغ کی اور خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی لیکن انھوں نے آپ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپ علیہ السلام کو مسلسل اذیتیں پہنچاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو آگ کے ایک بڑے الاؤ میں ڈال دیا لیکن آپ علیہ السلام خدائے واحد کے حکم سے بچ گئے۔

(ملاحظہ ہو قرآن، سورۂ انبیاء، آیت ۶۸ و ۶۹)

بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ حادثہ آشور میں جو نینوا کے پاس تھا (اور موجودہ دور میں جہاں موصل آباد ہے) پیش آیا تھا۔ وہاں نمرود بادشاہ کی حکومت تھی [2]، غالباً نینوا اس کا دارالحکومت تھا، اگر یہ حقیقت ہے تو یہ فرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شمال میں نینوا تک اپنے مشن کی دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

---

[1] فلپ ہٹی The Near East In History، ص ۵۶

[2] عبداللہ یوسف علی Commentary of the Holy Quran (تفسیر قرآن انگریزی)، مطبوعہ امریکہ (۱۹۴۶ء)، ص ۵۳۳، فٹ نوٹ نمبر ۱۵۶۵، برائے آیت نمبر ۸۶، سورہ ہود، اور ص ۸۳۷، فٹ نوٹ نمبر ۲۷۲۵ برائے آیت ۶۹، سورہ حج۔

Marfat.com

آگ سے بچنے کے بعد آپ علیہ السلام حران گئے اور کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے، پھر حران سے فلسطین (ارض کنعان) گئے۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشن کے مراکز بیتل (موجودہ بیت جبرین یا بیت جبریل)، جبرون (موجودہ خلیل) اور بئر سبع میں قائم کیے ❶۔ سرزمین حران میں قحط سالی تھی، چنانچہ آپ علیہ السلام مصر تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے۔ فرعونِ مصر نے آپ علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام کے ساتھ دست درازی کرنے کی کوشش کی لیکن ایک معجزے کے نتیجے میں ناکام رہا جس کی وجہ سے فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک برگزیدہ ہستی سمجھا اور آپ علیہ السلام کی بڑی تعظیم و توقیر کی۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف مویشی اور سونا چاندی دیے بلکہ اپنی لڑکی ہاجرہ علیہا السلام کو بھی بطور تحفہ عطا کیا جن سے آپ علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ آپ علیہ السلام ان تمام تحائف نیز اپنی دونوں بیویوں حضرت سارہ علیہا السلام و حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ مصر سے واپس تشریف لے آئے اور آخر میں فلسطین میں آباد ہو گئے۔ یہاں آپ علیہ السلام کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے آپ علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ❷، اس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی پہلی (بانجھ) بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کے دل میں ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے لڑکے سے رقابت پیدا ہوگئی۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو گھر سے نکال دینے کا مطالبہ کیا، بذریعہ وحی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی خدا کی جانب سے ایسا کرنے کا حکم ملا، چنانچہ آپ علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے لخت جگر، اسماعیل علیہ السلام سے ہجرت کرنے کے لیے کہا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ میں آ کر آباد ہو گئیں۔

اسلامی تواریخ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے ملنے کئی بار مکہ گئے ❸، وہاں آپ علیہ السلام نے اللہ کے پہلے گھر (خانۂ کعبہ) کی تعمیر ❹ انھی بنیادوں پر کی جن پر سب سے پہلے انسان اور پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو بنایا تھا لیکن بعد کو

❶ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن: ج ۱، (بسلسلۂ تفسیر آیت نمبر ۱۴۵، سورہ بقرہ)

❷ سید ابوالاعلیٰ مودودی، ایضاً، ج ۱ (بسلسلۂ تفسیر، آیت ۲۲، سورہ بقرہ)

❸ المسعودی، التاریخ: ۲۶۲/۱

❹ المسعودی، التاریخ: ۲۶/۱ اور ۲۶۳

Marfat.com

طوفان نوح علیہ السلام سے منہدم ہو گیا تھا ❶ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کافی بڑے ہو گئے تھے اور خدا کے گھر کی تعمیر میں انھوں نے اپنے باپ کی مدد کی، (ملاحظہ ہو، قرآن، سورہ بقرہ، آیت ۱۲۷)، جب وہ اللہ کا گھر تعمیر کر رہے تھے تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے پروردگار! ہماری اولاد میں ایک رسول مبعوث فرما، (ملاحظہ ہو، قرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۱۲۹)، چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور آخری نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے بھیجے گئے۔ (جن کی بنا پر بنی اسرائیل کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ یہ بحث تفصیل سے کتاب میں اپنے محل پر آئے گی)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کئی مرتبہ اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام سے ملنے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک مرتبہ خدا کی جانب سے بطور آزمائش یہ حکم ہوا کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو خدا کی راہ میں قربان کریں۔ درحقیقت یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بڑی سخت آزمائش تھی لیکن پھر بھی آپ علیہ السلام اپنی آزمائش میں پورے اترے اور خدا کے حکم کو بجا لائے۔ اللہ رب العزت نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا، اور اس فرمانبرداری کے بدلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم قربانی بطور فدیہ عطا کی۔ (ملاحظہ ہو، سورہ صافات، آیات ۱۰۲، تا ۱۰۷) اسی وقت سے یہ قربانی مسلسل چلی آ رہی ہے جس کو مسلمان حج اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر کرتے ہیں۔ بعض مسلم مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی قربانی خانۂ کعبہ کی تعمیر سے پہلے مانگی گئی تھی لیکن یہ بیان زیادہ درست نہیں مانا جاتا ہے۔

(ب) بنو اسماعیل:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک لڑکے کا نام قیدار تھا جن کی اولاد میں ایک شخص کا نام عدنان تھا، بنو عدنان اُنھی کی اولاد ہیں ❷۔ یہ شمالی عرب میں قبائل کا ایک اور مشہور خاندان خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عدنان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف اندازے ہیں۔ مؤرخین کے خیال میں دونوں کے درمیان چالیس پیڑھی کا فاصلہ ہے ❸۔ جبکہ ایک دوسرے اندازے کے مطابق یہ فاصلہ صرف سات پیڑھی ہی رہ جاتا ہے لیکن عدنان اور

❶ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک: ۲/۲۸۳

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ، ۱۹۵۵ء (۱۳۷۵ھ) ۱/۸، ابن خلدون، التاریخ: ۲/۶۱۶

❸ ابن خلدون، التاریخ: ۲/۶۱۶

Marfat.com

اسماعیل علیہ السلام کے درمیان دو ہزار برس سے زائد کا جو وقفہ ہے وہ چالیس پیڑھیوں کے لیے بھی ناکافی ہے (نہ کہ سات پیڑھیاں) اس لیے لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ ان دونوں کے درمیان غالباً چالیس سے بھی زیادہ پیڑھیاں تھیں۔ پیڑھیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کے لوگ اپنے سلسلۂ نسب میں صرف خاص خاص آباء واجداد کے نام ہی یاد رکھتے تھے اور ان کے بیچ کے واسطوں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ اسی وجہ سے اس سلسلے میں مؤرخین کے مختلف نظریات نقل کیے گئے ہیں [1]۔ عدنان سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو نسبی واسطے بتائے جاتے ہیں، ان کی تعداد اکیس (۲۱) ہے اور وہ سب صحیح خیال کیے جاتے ہیں، ان کے بارے میں مناسب جگہ تحریر کیا جائے گا۔

قبیلۂ بنو عدنان کی کئی شاخیں تھیں جن میں سے قبیلۂ مضر کی مشہور شاخیں حسب ذیل ہیں [2]:

① بنو خندف جن کے مشہور قبیلے یہ ہیں:
   (۱) بنو کنانہ، جن کے فروع میں قریش اور دول بہت مشہور ہیں۔
   (۲) بنو ہون، جن کی مشہور فرع قارہ ہے۔
   (۳) بنو رباب، جن کی فروع میں عدی، تیم، عکل اور ثور ہیں۔
   (۴) بنو تمیم، جن کی فروع مفاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب ہیں۔
   (۵) بنو ہزیل
   (۶) بنو اسد
   (۷) بنو مزینہ
   (۸) بنو خبۃ

② قیس، ان کے اندر عدوان، غطفان، اعصر، سلیم اور ہوازن آتے ہیں۔

(ج) قریش:

قریش، فہر ابن مالک [3] کا لقب تھا جو اپنے زمانے میں شمالی عرب کے سب سے زیادہ

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/۱۶۱

[2] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/۱۶۱

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ: ۱/۹۳

Marfat.com

طاقت ور باعزت شخص تھے۔ ان کی اولاد قریش کے نام سے مشہور ہوئی، فہر ابن مالک یا قریش اور عدنان کے درمیان مندرجہ ذیل پیڑھیاں ہیں:

نوٹ: (۱) مندرجہ ذیل ناموں کے سامنے جو تاریخیں دکھائی گئی ہیں وہ متعلقہ اشخاص کی تواریخ پیدائش بتائی جاتی ہیں:

(۲) سر سید نے ہر پشت کے لیے ۳۳ سال کا اوسط لیا ہے) ❶۔

تاریخ بعد از مسیح:	۲۰۸	فہر بن مالک یا قریش
〃 〃 〃	۱۷۵	مالک
〃 〃 〃	۱۴۲	نضر
〃 〃 〃	۱۰۹	کنانہ
〃 〃 〃	۷۶	خزیمہ
〃 〃 〃	۴۳	مُدرکہ (عامر)
〃 〃 〃	۱۰	الیاس
تاریخ قبل از مسیح	۲۳	مُضر
〃 〃 〃	۵۶	نزار
〃 〃 〃	۸۹	معدّ
〃 〃 〃	۱۲۲	عدنان

اصحاب مدین:

اصحاب مدین جزیرۃ العرب کے باشندوں میں ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا۔ ان کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ان کی تیسری بیوی قطورہ کی اولاد تھے (بائبل، پیدائش، باب ۲۵، ص ۲) ❷، انھوں نے جزیرۃ العرب کے پڑوس کی سرزمین کنعان میں ہجرت کی اور غالباً وہاں کے کنعانی باشندوں میں گھل مل گئے۔ اصحاب مدین کا اہم مسکن خلیج عقبہ کا مشرقی

---

❶ سر سید "خطبات احمدیہ"

❷ مولانا محمد حفظ الرحمن، قصص القرآن: ۳۱۲/۱

Marfat.com

خطہ مانا جاتا ہے ❶۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جس تاجر کے ہاتھ غلام کے طور بیچا گیا تھا اس کا تعلق قبیلہ مدین سے تھا۔ وہ آپ کو مصر لے گیا۔ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یترو (Jethro) کا بن سے گہرے تعلقات ان کے (یعنی قوم مدین کے) کوہ سینا کے قریب جائے وقوع کا پتہ دیتے ہیں''، (بائبل، خروج، باب ۲، آیات ۱۵ تا ۲۱، باب ۳، آیت اور باب ۱۸) دوسری روایتوں میں مواب کے خطے میں قوم مدین کے خلاف لڑائیوں کا تذکرہ ملتا ہے، (بائبل، گنتی، باب ۳۱) بائبل کی کتاب ''قضاۃ'' یہ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل کو قوم مدین کے حوالے کر دیا گیا تھا جنھوں نے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا (ملاحظہ ہو قضاۃ، ابواب ۶، ۷، ۸) یہاں تک کہ اس زمانے کے پیغمبر جدعون (Gideon) نے ان کو قوم مدین کے پنجے سے نکالا اور مغربی فلسطین لے گئے، بعض روایتیں ثابت کرتی ہیں کہ قوم مدین کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر تھے ❷ (جن کو بائبل یترو بتاتی ہے)۔

بہر حال قوم مدین کے لوگ ایشیا کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھے (جس کو قرآن میں امام مبین کہا گیا ہے ❸۔) یہ لوگ دو مالدار اور نہایت ہی منظم قوموں یعنی اہل مصر اور عراق (جو کہ آشوری اور بابلی اقوام پر مشتمل تھے) کے درمیان واقع تھے۔ قوم مدین ایک تجارتی قوم تھی، لیکن بعد کے زمانے میں وہ بگڑ گئی۔ ان کا سب سے بڑا گناہ و جرم تجارتی خود غرضی، نیز معاملات اور ناپ تول میں دھوکہ وفریب دہی تھا جس کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ایک زلزلے نے ان کو ہلاک کر دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور چند مومنین اس عذاب سے بچا لیے گئے۔

(ملاحظہ ہو، قرآن کریم، سورۃ الاعراف، آیت ۹۱، سورہ ہود، آیات ۸۴ تا ۹۵ وغیرہ)

---

❶ البلاذری ''معجم البلدان: ۴۴۴/۴، مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۳۱۳/۱، محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب: ۹۳/۱

❷ المسعودی، التاریخ: ۲۸/۱، محمد ابن جریر الطبری، تفسیر القرآن، سورۃ القصص، ابن کثیر، تفسیر القرآن ۲۴۸/۷، مولانا حفظ الرحمان، قصص القرآن: ۳۵۴/۱

❸ قرآن کریم۔ سورۃ الحجر، آیت ۷۹

Marfat.com

شمالی عرب کی مشہور ریاستیں

آشوری، عبرانی اور فارس کی اقوام کی قدیم تواریخ میں وسطی اور شمالی عرب کی خانہ بدوش اقوام کے جا بجا تذکرے اور حوالے ملتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ شمالی عرب کی کئی نو آبادیات کی تفصیلات بھی ملتی ہیں جن میں شہر پٹرا (Petra) اور پالمیرا (Palmyra) بہت مشہور ہیں۔ جہاں تک شمالی عرب کی قدیم ریاستوں کا تعلق ہے مندرجہ ذیل ریاستیں تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کر چکی ہیں۔

① قوم نباط:

قوم نباط کی ریاست بہت مشہور تھی، اس قوم نے قدیم عرب کی تہذیب کو ترقی دینے میں بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ پٹرا (بطراء) اس کا پایۂ تخت تھا جو حجاز اور فلسطین کے درمیان واقع تھا۔ یہی وہ واحد مقام تھا جہاں کافی مقدار میں عمدہ اور شفاف پانی کے ذخیرے تھے۔ عرب کاروان جب ''ہلال خصیب'' (عراق، شام اور ملحقہ علاقوں) سے اپنے یہاں بننے والی اشیا نیز مسالوں وغیرہ کے بدلے میں کپڑے، غلہ اور دوسری چیزیں لے کر لوٹتے تھے تو پٹرا (Petra) کو جنوبی عرب سے شمالی عرب کے درمیان شاہراہ پر ایک کلیدی مقام حاصل تھا[1]۔

اس وقت نبطی بادشاہوں کو حارث کا خطاب دیا جاتا تھا[2] جن کے زیر نگیں خلیج عقبہ سے لے کر شمال میں ''بحر مردار'' (Dead Sea) تک پھیلا ہوا علاقہ تھا جس میں حجاز کا ایک بڑا حصہ بھی آ گیا تھا۔ اپنے اس زبردست اقتدار کے نتیجے میں انھوں نے شام میں سکندر کے جانشین، سلوقی بادشاہوں کے حملوں کو ۳۱۲ ق۔م، میں ناکام بنایا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ سلوقیوں کی سلطنت

---

[1] فلپ ہٹی، The Near East In History، ص ۱۴۶

[2] فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۶

Marfat.com

میں اندر تک گھس آئے اور اپنے اقتدار سلطنت کو شمال میں دمشق تک بڑھالیا۔ نبطیوں کے تعلقات رومیوں سے پہلی بار اس وقت ہوئے جب ۶۵ ق م میں پومپی (Pompey)، پٹرا کے دورے پر آیا اور وہ رومیوں کے حلیف بن گئے جس کے نتیجے میں ان کو ''مؤکل روم'' (Client of Rome) کا خطاب ملا۔

پھر بھی پٹرا کی آزاد سلطنت زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی کیونکہ رومیوں سے ان کے تعلقات خراب ہوگئے جس کی وجہ سے رومی فوجوں نے ۱۰۶ء میں ٹارزن (Tarjan) بادشاہ کے زمانے میں پٹرا پر قبضہ کر کے اس کو برباد کر دیا اور نباطیہ کو سلطنت روم کا ایک صوبہ بنا دیا گیا جس کا نام ''فلسطین ثالث'' (palestine Tertia) رکھا۔

② پالمیرا (Palmyra)

پٹرا کی تباہی کے بعد ایک دوسرا شہر پالمیرا ایک عرب حکومت کا دارالسلطنت بنا۔ اس سلطنت کی داغ بیل شاہانِ عزینہ کے سب سے پہلے بادشاہ ''عزینہ'' نے ڈالی [1]۔ اس نے ۲۶۵ء میں ایرانیوں کے حملے کے خلاف رومیوں کی مدد کی اور بادشاہ گلیئیس (Gallienus) کو بچایا جس کی وجہ سے اس کو ''بادشاہ مشرق'' ("dux orientalis") کا خطاب ملا [2]۔ عزینہ کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ زنوبیا (زینب) حکمران ہوئی اور اس کو ''ملکۂ مشرق'' کا خطاب دیا گیا۔ زینب نے بڑی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا، اس نے اپنی حکومت کے دائرے کو شام، شمالی عرب اور مشرقی عراق کے علاوہ مصر تک بڑھانے کی کوشش کی، یہ دیکھ کر رومی بادشاہ ''اورلن'' (Aurelin) نے اس کے خلاف قدم اٹھایا اور اس کی فوج کو شکست دینے کے بعد دارالسلطنت پالمیرا پر ۲۷۳ء میں قبضہ کر لیا۔ ملکہ زنوبیا (زینب) کو قید کر لیا گیا اور سونے کی زنجیر میں باندھ کر اسے روم بھیج دیا گیا۔ پالمیرا کو پوری طرح برباد کر دیا گیا۔ صرف اس کے مندر کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

③ شام کے غسانی بادشاہ:

بازنطینی سلطنت اور سلطنت فارس کے دور میں دو عیسائی عرب ریاستیں بنیں۔ ان میں

---

[1] فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۷

[2] فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۷

Marfat.com

سے ایک غسانی ریاست تھی اور دوسری حیرہ کی ریاست تھی۔ غسانی دریائے یرموک کے قرب و جوار میں حکومت کرتے تھے ❶ اور بازنطینی سلطنت کے ماتحت تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں ان کو کافی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ ان کے بادشاہ حارث اول نے ایک دوسری عربی ریاست حیرہ کے بادشاہ منذر سوم کو ۵۲۹ء میں شکست دی ❷۔

۴ حیرہ کی عرب ریاست:

ایک دوسری چھوٹی عرب ریاست حیرہ میں تھی جس کو سامانی بادشاہوں (سلطنت فارس) کی سرپرستی حاصل تھی، ان کا ایک مشہور بادشاہ منذر سوم ہوا ❸، جس نے چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں حکومت کی ❹، اس کا جانشین اس کا لڑکا عمرو ہوا ❺۔ عمرو ایک آزاد خیال شاعر تھا، نعمان سوم جو کہ شاہان لخمی میں سے تھا، کے زمانے میں یہ ریاست ختم ہوگئی اور سلطنت فارس نے حیرہ کو اپنے قبضہ میں لے کر اس پر اپنا گورنر مقرر کیا ❻۔

عربوں کی چھوٹی چھوٹی مذکورہ بالا ریاستوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کا وسطی حصہ جو حجاز اور نجد پر مشتمل تھا صدیوں تک غیر ملکی دست درازیوں سے محفوظ رہا، ان کی زندگی ایک قبائلی زندگی تھی جن کی معاشرت اور سیاست قبائلی نظام کے تابع تھی، ہر قبیلہ کا نظم اس کے سردار (شیخ قبیلہ) کے ہاتھ میں ہوتا تھا، دراصل یہ قبائلی نظام ہی بدویانہ سماج کی بنیاد تھا۔

---

❶ المسعودی، التاریخ: ۲۹۹/۱

❷ فلپ ہٹی، Arabs In History، لندن (۱۹۵۸ء)، ص ۷۹

❸ المسعودی، التاریخ: ۲۹۳/۱

❹ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۸۳

❺ المسعودی، التاریخ: ۲۹۳/۱

❻ المسعودی، التاریخ: ۲۹۵/۱ تا ۲۹۶

Marfat.com

جنوبی عرب کی مشہور سلطنتیں

(۱) سلطنت معین:

جزیرۃ العرب کے جنوبی مغربی علاقے نے، جس کو قدیم (مغربی) مصنفین ''عربیہ فیلکس'' ("Arabia Felix") کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور موجودہ دور میں جو یمن کہلاتا ہے، اپنی زراعتی خوبیوں کی بنا پر تاریخ وتمدن عرب میں سب سے پہلے ایک خاص ونمایاں مقام حاصل کیا۔ اس علاقے کی سلطنتوں میں اپنی قسم کی ایک پرانی سلطنت، سلطنت معین کے نام سے مشہور ❶ ہوئی، معین ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی ''پانی کا چشمہ'' ہے۔ سلطنت معین کا نام معین (یا المعین) اس لیے پڑا کیونکہ اس علاقے میں بہت زیادہ پانی کے چشمے تھے ❷۔ عہد نامہ عتیق (توریت) میں یہ معمولی تبدیلی کے ساتھ مذکور ہے اور اس کے نام مَعُن، مِعُن اور معُین آتے ہیں۔ اس کی حکومت جوف یمن میں نجران اور حضرموت کے درمیان واقع تھی ❸۔ (غالباً ۱۲۰۰ ق۔م سے ۶۵۰ ق۔م تک کا زمانہ ہے)۔ سلطنت معین کا دارالحکومت قرن (یا قرنہوا) تھا جو یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعاء کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ اپنے دور عروج میں سلطنت معین نے جنوبی عرب کے بہت سے علاقوں کو اپنے اندر سمو لیا تھا اور غالباً شمالی عرب میں العلاء سے تبوک تک چند نوآبادیاں قائم کیں۔ معین کے لوگ سپاہیانہ مزاج کے نہیں تھے بلکہ ان کی معاشرت، زراعت اور تجارت پر قائم تھی۔

(۲) قوم سبا:

غالب گمان یہ ہے کہ قوم سبا کی سلطنت دوسری ہزاری قبل مسیح کے آخر یا پہلی ہزاری قبل

---

❶ فلپ ہٹی، The Near East In History، ص ۵۴ و ۵۵

❷ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۴ و ۵۵

❸ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲/۲۰۴ تا ۲۰۸، فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۴ و ۵۵

Marfat.com

مسیح کے شروع میں قائم ہوئی ❶۔ کچھ مؤرخین کے مطابق اس کی ابتدا تیرہویں صدی قبل مسیح میں ہو چکی تھی۔ ان کی یہ تہذیب جو فوجی طاقت کے بجائے خالص تجارتی اور زراعتی بنیاد پر قائم تھی، تقریباً پندرہ سو سال تک پھلتی پھولتی رہی۔ بنیادی طور پر قوم سبا کی وہی زبان تھی جو قوم معین کی تھی البتہ زبان کے لہجے میں اختلاف تھا۔

بائبل میں جو "شیبا" کا لفظ آیا ہے اس سے قوم سبا ہی مراد ہے۔ اس بنا پر بعض روایتوں کے مطابق ان کا زمانہ تیرہویں صدی قبل مسیح سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس قوم کی ایک مشہور ملکہ کا نام اسلامی روایتوں میں "بلقیس" بتایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۶۳ ق۔م تا ۹۳۳ ق۔م) کے فلسطین پر حکمرانی کے دوران یہ ہی ملکہ ان سے ملنے فلسطین آئی تھی ❷۔ (مزید ملاحظہ ہو سورۂ نمل، آیت ۳۲ تا ۴۴)

قوم سبا کا دارالحکومت مآرب تھا جو موجودہ صنعاء سے ۶۰ میل دور پورب کی جانب ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے ۳۹۰۰ فٹ بلند تھا، اور تجارت کا ایک بہت بڑا مرکز تھا ❸۔ قوم سبا کا معاشرہ خالص زراعتی اور تجارتی معاشرہ تھا۔ ان کے مشہور بند (سد مآرب) کی تعمیر تقریباً ۷۵۰ ق۔م میں ہوئی تھی جس کے ذریعے وہ بارش کا پانی روک کر سینچائی کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ سد مآرب اس زمانے میں آب رسانی کا ایک عظیم کارنامہ سمجھا جاتا تھا ❹۔

قوم سبا نے افریقہ کے ساحلی علاقوں سے اپنے تجارتی تعلقات قائم رکھے۔ اس قوم کا آخری زمانہ جنوبی عرب کی تاریخ میں نمایاں طور پر بہت ہی شاندار تھا۔ حالیہ کھدائی کے نتیجے میں برآمد شدہ آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے مشہور تجارتی شاہراہ پر شمال کی طرف فلسطین تک نوآبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔ ان کے کتبات کی تحریرات فینیقی اور بابلی زبان سے ملتی جلتی ہیں۔

مذہباً یہ قوم ستارہ پرست واقع ہوئی تھی اور ستاروں و سیاروں کی پوجا کرتی تھی ❺ لیکن

---

❶ مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۹۷/۳

علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲۳۳/۲ تا ۲۷۲، فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۳، مزید ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر

❷ المسعودی، التاریخ: ۲۷۹/۱

❸ فلپ ہٹی، History of The Arabs، ص ۵۴

❹ المسعودی، التاریخ: ۳۴۰/۱ تا ۳۴۴

❺ المسعودی، التاریخ: ۳۴۷/۱

Marfat.com

ان کی ملکہ (جن کا نام مسلم مؤرخین نے بلقیس بتایا ہے) نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا ❶۔ (ملاحظہ ہو قرآن کریم، سورۂ نمل، آیت ۲۷) قوم سبا کے لوگ نہایت ہی خوبصورت عمارتیں بناتے تھے ❷ جن کے اندر منقش محرابیں قابل دید ہوتی تھیں۔ اکثر مؤرخین کے بیان کے مطابق ان کی حکومت 115 ق۔م میں ختم ہوگئی ❸۔

(۳) قوم حمیر:

اکثر مؤرخین کا کہنا ہے کہ قوم سبا کی طرح اس قوم نے بھی جنوبی عرب کی قیادت کی ❹ جبکہ چند دوسرے مؤرخین قوم حمیر اور قوم سبا کو ایک ہی مانتے ہیں۔ بہر حال یہ لوگ قوم سبا کے قریبی رشتے دار تھے، اور ان کی زبان بالکل سبا اور معین ہی کی زبان تھی۔ انھوں نے قوم سبا کی سلطنت ❺ کو ۱۱۵ ق۔م ❻ میں آباد کیا تھا۔ شاہان حمیر میں تقریباً بیس بادشاہوں نے اپنے لیے ''مَلِکِ سبا و ریدان'' کا خطاب اختیار کیا تھا۔ یہ سلطنت ۱۱۵ ق۔م سے لے کر ۵۲۵ عیسوی تک باقی رہی۔ شاہان حمیر میں شمر یرعش نامی ایک بادشاہ تاریخ میں بہت اچھی طرح جانا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے سمرقند جیسے دور دراز ملک کو فتح کیا تھا جو آج کل روس (U.S.S.R) میں ہے۔ بعض مسلم مصنفین و مفسرین کی تحقیق میں شمر یرعش ہی وہ شخص تھا جو قرآن کریم میں سورۂ کہف (آیت ۸۳) میں ''ذوالقرنین'' کے نام سے موسوم ہے لیکن اکثر مسلمان مؤرخین ان کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ''ذوالقرنین'' ایک دوسرے شخص تھے۔

حمیریوں کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''تاریخی دستاویزات یہ بتاتی ہیں کہ حمیری انسانی تاریخ کی وہ ابتدائی نسل تھے جنھوں

---

❶ مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۲۹۶/۳، علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲۵۵/۱ تا ۲۶۳

❷ المسعودی، التاریخ: ۳۴۱/۱

❸ علامہ سید سلمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲۶۹/۲، مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۲۹۳/۳

❹ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۶، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن: ۲۶۷/۳، علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲۷۳/۱ تا ۲۷۶

❺ المسعودی، التاریخ: ۲۷۹/۱، محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب: ۱۰۱/۱، علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۲۷۶/۱

❻ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ: ص ۳۵

Marfat.com

نے سب سے پہلے کثیر المنزلہ رہائش گاہیں تعمیر کی تھیں۔ ایسا بدوؤں کے حملوں کے خلاف حفاظت کے طور پر کیا تھا، ان کا ایک محل جو ''غمدان'' کے نام سے مشہور تھا بیس منزلہ اونچا تھا، جس کی ہر منزل دس درع اونچی تھی اور یہ تاریخ (انسانی) کی سب سے پہلی کثیر المنزلہ عمارت (Skyscraper) تھی، بعد میں اس کے کچھ پتھر صنعاء کی مسجد کی تعمیر میں استعمال کیے گئے تھے جو اسی جگہ تعمیر کی گئی تھی جہاں پر کہ یہ عمارت تھی ❶۔''

قوم حمیر کا دارالسلطنت ''ظفار'' تھا جس کا قدیم نام سفار تھا۔ بائبل میں بھی اس کو سفارہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے (پیدائش، باب ۱۰، آیت ۳۰) یہ مُخا سے سو میل کے فاصلے پر مشرق کی جانب صنعاء تک جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ بعد کے حمیری دور میں یمن کے اندر یہودی و نصرانی مذاہب داخل ہوئے۔ حمیری دور میں رومیوں نے عرب کو فتح کرنے کی پہلی بار کوشش کی تھی ۶۴ قبل مسیح میں الیس گالوس (Aelius Gallus) نے ایک فوجی مہم چلائی تھی جو شمال میں نبطی سلطنت سے شروع ہوئی اور جنوب میں دور دراز ''حمیری سلطنت'' کی قلمرو میں داخل ہوگئی لیکن اس مہم کو اپنے مقصد میں بالکل ناکامی ہوئی ❷۔ رومیوں کے اس حملے کا محرک درحقیقت ان کی یہ خواہش تھی کہ مسالے کے ان تمام ذرائع پر کنٹرول حاصل کیا جائے جس کی وجہ سے جنوبی عرب کے لوگ کافی مالدار ہوگئے تھے۔ اس سرزمین پر سکندر اعظم نے بھی ایک مرتبہ مشرق کی جانب سے حملہ کی کوشش کی تھی لیکن موت اس کے اس ارادے میں حائل ہوگئی۔

حمیری سلطنت کا خاتمہ حبشہ (Abyssinia) کے عیسائی بادشاہ نجاشی (Negus) کے ہاتھوں بازنطینی سلطنت کے بادشاہ جسٹس اول (Justice I) کے ابھارنے سے ہوا تھا۔ حبشہ کے لوگوں نے ابرہہ کی ماتحتی میں حمیری سلطنت پر ۵۲۵ء میں چڑھائی کی۔ ابرہہ نے ۵۷۰ء میں مکہ کی طرف بھی ایک فوجی مہم کی قیادت کی تھی۔ (یہی وہ سال تھا جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی) اور اس نے بیت اللہ کو ڈھانے کی ناکام کوشش کی تھی لیکن اس کو اپنے مقصد میں پوری طرح ناکامی ہوئی اور ہاتھیوں سمیت اس کی ساری فوج تباہ و برباد کردی گئی ❸۔

(ملاحظہ ہو قرآن کریم، سورۃ الفیل، آیات ۱ تا ۵)

❶ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا یو ایس اے، ۱۹۶۶ء، ایڈیشن

❷ مولانا سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۱/۲۸۴ تا ۲۸۵

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۵۲، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۰۱، ابن خلدون، التاریخ: ج ۲، المسعودی، التاریخ: ۱/۲۷۱ تا ۳۱۰

Marfat.com

تاریخ اسلام میں اس سال کا نام ''عام الفیل'' کے نام سے مشہور ہے ❶۔ حبشہ کے حکمرانوں نے یمن میں ۵۷۵ء تک حکومت کی، اس کے بعد حمیری سلطنت کے شہزادہ سیف ابن ذی یاذان نے ایرانی فوجوں کی مدد سے حبشہ کی فوجوں کو شکست دی۔ اس طرح یمن ایک بار پھر حکومت ایران کی محافظت میں ایک خود مختار سلطنت بنا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد حکومت ایران نے اس کو اپنے قبضے میں لے لیا اور یہ فارس کی سامانی حکومت کا ایک صوبہ قرار پایا۔ بہرحال مصر کے رومی حملے (۲۴ قبل مسیح) اور حبشیوں و ایرانیوں کی چند روزہ حکومت نے سرزمین عرب پر بالعموم اور یمن پر بالخصوص کوئی گہرا سیاسی وتمدنی اثر نہیں ڈالا۔ اس لیے اسلام سے پہلے پورا جزیرۂ عرب خاص طور سے حجاز کا علاقہ (یعنی عرب کا شمالی حصہ) غیر ملکی طاقتوں کے سیاسی وثقافتی اثرات سے بالکلیہ محفوظ رہا۔

---

❶ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۱۰۱، مولانا سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن: ۱/۳۱۲، المسعودی، التاریخ: ۱/۲۹۹

Marfat.com

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دنیا کی عام سماجی و سیاسی حالت

(الف) مغربی دنیا

رومی تہذیب کا زوال:

چھٹی صدی عیسوی تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور مانا جاتا ہے۔اس سلسلے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:

”صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جارہی تھی اس کے آخری نقطے کی طرف پہنچ گئی تھی، رُوئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے، اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے[1]۔“

اہل روم (بازنطینی) مغرب میں اور اہل فارس مشرق میں اپنی اجارہ داری سیادت و قیادت میں مگن تھے۔ یہ دونوں سلطنتیں اپنی پرُفساد اور زوال پذیر تہذیبوں کے ساتھ ایک ذہنی انتشار اور زبردست فتنے میں گھری ہوئی تھیں۔ رومی تہذیب، یونانی تہذیب کی بنیادوں پر قائم تھی۔ آرنلڈ جے۔ ٹائن بی (Arnold J. Toynbee) لکھتا ہے:

”کوئی شخص یونانی دنیا کی تاریخ کا پوری طرح مطالعہ کیے بغیر ”تاریخ روم“ کو نہیں سمجھ سکتا، اور نہ رومیوں کے اس کردار کو سمجھ سکتا ہے جو انھوں نے سلطنت روما کے قائم ہونے سے قبل اور اس کے بعد ادا کیا۔ یونانی تاریخ بغیر روم کے سمجھی جاسکتی ہے جب کہ رومی تاریخ کے بارے میں یونانی معاشرہ و تہذیب کو سمجھے بغیر سوچا بھی نہیں جاسکتا[2]۔“

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر لکھنؤ ۱۹۷۴ء: ص ۳۷

[2] آرنلڈ جے۔ ٹائن بی A Study of History، آکسفورڈ پریس۔ اے، ۱۹۶۴ء: ص ۳۷۵

Marfat.com

جب ہم خود یونانی تمدن کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک طرف یونانی دنیا کی تہذیبی وحدت اور دوسری طرف اس کی سیاسی پھوٹ و نا اتفاقی میں زبردست تضاد محسوس ہوتا ہے۔ تاریخ کی اس حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے آرنلڈ۔ جے۔ ٹائن بی، لکھتا ہے:

''ہم اس کو (یونانی دنیا کو) بہت سی آزاد اور خود مختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم پاتے ہیں، جن کے شہری یہ تو محسوس کرتے ہیں کہ ان سب کا یکساں تمدن و تہذیب ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہنے سے باز نہیں آتے، زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ آپس کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے وہ اتنے اجڑ گئے تھے کہ ان کی تہذیب کو شدید صدمہ پہنچا۔ جب یہ زوال کے کنارے کھڑے تھے تو یونانی دنیا کے سلطنت روما میں ضم ہو جانے کی وجہ سے اس تہذیب کو ایک سہارا ملا جس کی وجہ سے ان کی سیاسی وحدت کچھ سنبھل سکی، اور عارضی نظم و امن قائم ہو سکا لیکن یہ ایسا وقتی سرمایہ ثابت ہوا جس کی قیمت شکست خوردگی اور خستہ حالی کے باوجود پیہم دست و پیکار سے ادا کرنی پڑی۔ نتیجتاً اقتدار اس کے ہاتھ میں آیا جو کہ آخری فاتح تصور کیا گیا، اور جس نے تمام ایسی طاقتوں کو اکھاڑ پھینکا۔ اس وقت تک جب کہ سلطنت روم کے ذریعہ یونان کی ''عالمگیر ریاست'' قائم ہوئی یونانی دنیا شدید طور سے مفلس ہو چکی تھی اور اس کا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا تھا جس کی وجہ سے اس عالمگیر ریاست کا استقلال قائم نہیں رہ سکا۔ مزید یہ کہ رومی سلطنت کے منقسم ہونے سے یونانی تہذیب پوری طرح زوال پذیر ہوگئی[1]۔''

مغرب کا تاریک دور:

یورپی اقوام کا یہ زمانہ ''قرونِ مظلمہ'' کہا جاتا ہے۔ وہ اس دور میں جہالت اور پستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان اقوام کا رشتہ تہذیب وتمدن کے مہد و مرکز یعنی ''ہلالِ خصیب'' سے اس زمانے میں پوری طرح کٹا ہوا تھا اور ان کو اپنی باہری دنیا کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں۔ ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G.Wells) کے مطابق ''(اس دور میں) مغربی یورپ میں نظم و اتحاد کے کوئی آثار نہیں تھے[2]۔''

---

[1] آرنلڈ جے۔ ٹائن بی، حوالہ مذکورہ: ص ۱۷۱

[2] ایچ۔ جی ویلز A Short History of The World، ص ۱۷۰

Marfat.com

ایک دوسرا مشہور مؤرخ و مصنف رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) کہتا ہے:

''پانچویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک یورپ (مغرب) بربریت کی اندھیری رات میں ڈوبا ہوا تھا، جس کا گھٹا ٹوپ اندھیرا روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ یہ بربریت ابتدائی غیر مہذب اقوام کی بربریت سے بھی زیادہ وحشت ناک اور ہول ناک تھی کیونکہ یہ اس عظیم تمدن کی ایک سڑی ہوئی لاش تھی جس کی عظمت کسی دور میں مسلّم تھی۔ اس تہذیب و تمدن کی تمام خصوصیات پوری طرح (دورِ جہالت سے) متاثر ہو چکی تھیں حالانکہ ایک وہ دور تھا جب اس (تمدن) کی ترقی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی تھی مثلاً اٹلی اور فرانس میں، لیکن (اب) سوائے آثارِ قدیمہ، خستہ خالی اور زوال پذیری کے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ (1)''

مغرب کا حکمران طبقہ پوری طرح اخلاقی گراوٹ میں ڈوبا ہوا تھا، بدعنوانی اور رشوت خوری عام تھی، مشہور مغربی مؤرخ گبن (Gibbon) لکھتا ہے:

''یہ (بازنطینی سلطنت) کبھی بھی اس بری طرح متاثر اور عام طور پر زوال پذیر نہیں ہوئی تھی (جس طرح کہ اس دور میں) کیونکہ ٹیکسوں کی بہتات اور تجارت میں (معمول سے زیادہ) کمی، زراعت میں لاپروائی اور اس پر مزید برآں یہ کہ آبادیاتی استحصال (کا رجحان) اس زوال پذیر معاشرہ کے لیے سمِ قاتل ثابت ہوا۔ جس کا ثبوت مسمار شدہ وہ شہر ہیں جو کسی زمانے میں عظمت کا نشان تھے اور جو بعد میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کو کبھی بھی حاصل نہ کر سکے۔ (2)''

معاشرتی نظم و نسق بھی بری طرح منتشر ہو چکا تھا اور عظیم سلطنت روما کی تہذیب اور اس کا تمدن پوری طرح بربادی و تنزلی کی آخری سطح پر پہنچ چکا تھا۔

اس عہد میں مغرب میں مکمل طور پر روحانی جمود تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اس دور میں بڑے بڑے مذہب بازیچۂ اطفال اور منافقین کا تختۂ مشق بن گئے تھے۔ ان مذاہب کی صورت و حقیقت دونوں اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آ کر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ

(1) رابرٹ بریفالٹ The Making of Humanity، ص ۱۶۴

(2) گبن The Decline And Fall of The Roman Empire: ۱۷۵/۷

Marfat.com

اپنے مذاہب کو نہ پہچان سکتے[1]۔"

مذہبی رہنما اپنے اندرونی خلفشار میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ ان کے پاس دنیا کو پہنچانے کے لیے کوئی پیغام نہیں رہ گیا تھا۔ ایک اور مغربی اسکالر سیل (Sale) چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"عیسائیوں نے بزرگوں اور مورتیوں (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے مجسموں) کی پوجا میں اس درجے غلو کیا تھا کہ انھوں نے اس سلسلے میں رومیوں (یعنی قبل از مسیح رومیوں) کے طور طریقوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا[2]۔"

یہود بھی کردار کی پستی میں گر چکے تھے، منافقت، دھوکہ دہی، غداری، خود غرضی، ظلم و غضب ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں و عیسائیوں کی باہم رقابت و منافرت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا[3]۔"

(ب) مشرقی دنیا

سلطنت فارس:

اس دور کی معلوم دنیا کے مشرقی حصے پر سلطنت فارس چھائی ہوئی تھی حالانکہ فوجی طاقت و قوت میں وہ سلطنت روم کے ہم پلہ سمجھی جاتی تھی لیکن اخلاقی پستی میں وہ رومیوں سے زیادہ گری ہوئی تھی۔ ایران اس حد تک بے حیائی و فحش کاری میں مبتلا تھا کہ اس کے بادشاہ یزدگرد دوم (۴۴۰ تا ۴۵۷ء) نے خود اپنی لڑکی اپنے حرم میں بحیثیت بیوی داخل کر لی تھی اور بعد میں اس کو قتل کر دیا تھا۔ ایک دوسرے بادشاہ بہرام چوبین نے اپنی بہن کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کر لیے تھے۔

ایرانی بادشاہوں کا لقب خسرو (کسریٰ) تھا اور عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان

---

1. مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ص ۳۹، ۴۰۔
2. Sale (سیل) Translation of The Holy Quran (۱۸۹۶ء)، ص ۶۲
3. مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ص ۴۷

Marfat.com

کی رگوں میں ''خدائی خون'' سرایت کیے ہوئے ہے۔ عوام ان کی الوہیت کو تسلیم کرتے تھے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے نیز وہ ان کی ربوبیت کا اس درجے اعتقاد رکھتے کہ ان کے سامنے اس قسم کی حمد پڑھتے جو صرف خدا کی شایانِ شان ہے۔ نیز اس بات کی قسمیں بھی کھاتے کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی اعتقاد رکھا جاتا تھا کہ بادشاہوں کی الوہی روشنی تمام انسانوں پر پڑتی ہے۔ بادشاہوں کی ذات اور ان کے معاملات غیر مسئول سمجھے جاتے تھے۔ مذہبی رہنما بھی فوق الانسان سمجھے جاتے تھے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے پاس غیر محدود طاقت ہے۔

حکمرانوں اور مذہبی رہنماؤں کے علاوہ معاشرے میں بہت سے طبقات تھے۔ عوامی زندگی دو امتیازی طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک طبقہ پیشہ وروں (سرمایہ داروں) کا تھا اور دوسرا مزدوروں کا۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین (Arthur Christensen) کا بیان ہے:

''سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ تھا۔ حکومت کی طرف سے عوام کو ممانعت تھی کہ وہ طبقۂ امراء میں سے کسی کی جائداد کو خرید سکیں، سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے، کوئی شخص مجاز نہیں تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے، شاہان ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے، عوام الناس کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی[1]۔''

اہل فارس کو اپنی نسل پر بڑا فخر تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اہل ایران اپنی ایرانی قومیت کو عظمت و تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ اپنے تئیں یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ دنیا کی ہر قوم و نسل پر ائی قومیت و نسل کو فضیلت و برتری حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ خصوصی صلاحیتیں اور فطری قابلیتیں بخشی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و ہمسر نہیں، یہ لوگ اپنے گردو پیش کی قوموں کو بڑی حقارت اور ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کے لیے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں توہین و تمسخر پایا جاتا[2]۔''

---

1. ایران بعہد ساسانیاں، جس طرح کہ سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' میں نقل کیا ہے: ص۵۳

2. مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص۵۳

Marfat.com

ایرانی عقیدے کے اعتبار سے مشرک تھے، وہ آگ کو اللہ کا درجہ دیتے تھے اور اسی وجہ سے اس کی پرستش کرتے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:

''مجوسیوں کا مذہب چند مراسم و روایات کا نام رہ گیا تھا جنھیں مخصوص اوقات اور خاص خاص مقامات پر ادا کر لیا کرتے تھے، رہا عبادت گاہوں سے باہر اپنے گھروں اور بازاروں، دائرۂ اثر اور سیاسی و اجتماعی امور میں تو اس میں یہ بالکل آزاد تھے، اپنی من مانی کرتے، ان کے خیالات جس رُخ پر چاہتے انھیں موڑ دیتے یا پھر جو مصلحت اور وقت کا تقاضا ہوتا اس پر کاربند ہوتے جیسا کہ ہر زمانے اور ملک میں مشرکوں کا حال رہا ہے۔ ❶

مذہب زرتشت:

زرتشی مذہب کی بنیاد مشہور روحانی رہنما اور مصلح زرتشت نے رکھی (اس کا دور تقریباً ۶۰۰ قبل مسیح کا ہے)۔ یہ مذہب شرک کی ایک ترمیم شدہ شکل تھی، زرتشتیوں کے پاس کبھی بھی ان کا اپنا کوئی مستقل و مکمل مذہب نہیں رہا۔ ان کی متبرک مذہبی کتاب ''اوستا'' درحقیقت اس مذہب کے بانی زرتشت کے قدیم اقوال کا مجموعہ ہے جس میں نذر و نیاز کے متعلق حمدیں و دعائیں، مذہبی ضوابط و قوانین، اور ان کی عبادات وغیرہ کے طور طریقے ہیں۔ ان کے اعتقادات قدیم ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔

سرزمین ہند اور ہندو مذہب:

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو اس ملک کی تہذیب اور اس کا مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب و تہذیبوں میں ایک سمجھا جاتا ہے لیکن چھٹی صدی عیسوی ہندوستان کی تاریخ کا تاریک ترین دور مانا جاتا ہے۔ اس دور میں یہاں کے لوگوں میں وہ تمام اخلاقی پستیاں و سماجی انحطاط سرایت کر چکا تھا جن میں پڑوس کے ممالک جکڑے ہوئے تھے۔ مزید برآں کثیر تعداد میں دیوتاؤں اور دیویوں کا تصور، ذات پات کی تفریق اور جنسی آوارگی و بدکاری اس تہذیب کی اپنی مخصوص صفت بن چکی تھی۔

ہندوؤں کی مذہبی کتب ویدوں میں ۳۳ خداؤں کا تذکرہ آیا ہے لیکن اس صدی میں ہندو ۳۳ ملین سے بھی زیادہ خداؤں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ پتھر، معدنیات، درخت، پودے،

---

❶ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۵۴

Marfat.com

ندیاں، پہاڑ، جانور یہاں تک کہ اعضاء تناسل کی بھی پوجا کرتے تھے۔ ڈاکٹر گستاؤلی بون (Gustave Le Bon) لکھتے ہیں:

''دنیا کی تمام اقوام میں ہندو کے لیے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی ہے، اگرچہ مختلف ازمنہ میں مذہبی اصلاح کرنے والوں نے ہندو مذہب میں توحید کو ثابت کرنا چاہا ہے لیکن یہ کوشش بالکل بے فائدہ ہے۔ ہندو کے نزدیک کیا ویدی زمانے میں کیا اس وقت ہر چیز خدا ہے۔ جو کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے یا جس سے وہ مقابلہ نہ کر سکے، اس کے نزدیک پرستش کے لائق ہے، برہمنوں اور فلسفیوں کی نہ صرف کل کوششیں جو انھوں نے توحید قائم کرنے کے لیے کیں بلکہ کل وہ کوششیں بھی جو وہ دیوتاؤں کی تعداد گھٹا کر تین پر لانے کے لیے عمل میں لائے محض بیکار اور رائیگاں گئیں، عوام الناس نے ان کی تعلیم کو سنا اور قبول کیا لیکن عملاً یہ تین خدا تعداد میں بڑھتے گئے اور ہر چیز میں، ہر ایک رنگ و بو میں ان کے اوتار نظر آنے لگے ❶۔''

ہندو علم الاصنام میں دیوی دیوتاؤں کے جنسی تعلقات و بدکاریوں کا بہت ہی شرمناک تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے یہاں جنسیات کا یہ تذکرہ اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ ''لنگ پوجا'' (شیوا کے عضو تناسل کی پوجا) مذہبی عبادات و رسومات کا ایک حصہ بن گئی تھی۔

ڈاکٹر گستاؤلی بون اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں:

''ہندوؤں کو مورتیوں اور ظاہری علامات سے بے انتہا اُنس ہے۔ ان کا کوئی مذہب کیوں نہ ہو اس کے اعمال کو یہ نہایت اہتمام سے بجا لاتے ہیں۔ ان کے مندر پرستش کی چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں جن میں سب سے مقدم لنگم اور یونی ہیں جن سے مراد مادۂ خلقت کے دونوں جز ہیں۔ اشوک کے ستونوں کو بھی عام ہندو لنگم خیال کرتے ہیں اور استوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں ❷۔''

بعض مؤرخین کے نزدیک ہندوؤں میں ''مذہبی فرقہ کے مرد برہنہ عورتوں اور عورتیں برہنہ مردوں کی پرستش کرتی تھیں ❸۔''

---

❶ تمدن ہند، ص ۴۴۰، ۴۴۱ جیسا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب میں نقل کیا: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ص ۵۸، ۵۹

❷ تمدن ہند، ص ۴۴۷، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۶۱

❸ سیتارتھ پرکاش (دیانند سرسوتی) ص ۳۴۴، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۶۱

Marfat.com

ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم:

ہندوستانی معاشرہ مختلف ذات پات میں منقسم تھا۔ اس کی بنیاد ویدی عہد کے آخری دور میں آریوں نے رکھی تھی جس کا مقصد برصغیر کی قدیم نسلوں کے اختلاط سے اپنی نسل کو بچانا تھا۔ زمانہ قدیم میں منو، ہندو (آریہ) سماج کا ایک بڑا رہنما بن کر ابھرا جس نے تمام آبادی کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا۔ اس کی کتاب "منوشاستر" میں مختلف ذاتیں مندرجہ ذیل قسموں میں بیان کی گئی ہیں:

(الف) برہمن: ہندو سماج میں برہمنوں کو سب سے اونچا طبقہ اور سماج کا دماغ سمجھا جاتا تھا، تمام تعلیم یافتہ لوگ اور مذہبی رہنما اسی طبقے کے لوگ ہوتے تھے، برہمنوں کے علاوہ سماج کے کسی دوسرے طبقے کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا علم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں تھی۔

(ب) چھتری: یہ وہ قوم تھی جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی خلقت بھگوان کے "بازوؤں" سے ہوئی ہے۔ یہ سماج کا حکمران طبقہ تھا۔ ان کا کام جنگیں لڑنا، لوگوں کی حفاظت کرنا، خیرات دینا، چڑھاوے چڑھانا، ویدوں کی اطاعت کرنا اور نفس کو بری خواہشات سے الگ رکھنا تھا۔

(ج) ویش: یہ سماج کا تجارتی وزراعتی طبقہ تھا جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی تخلیق بھگوان کی رانوں سے ہوئی ہے۔ ان کے فرائض میں مویشیوں (خاص طور سے گئوماتا یعنی گائے جس کو "ماں" کا درجہ دیا جاتا ہے۔) کی خدمت، خیرات دینا، ویدوں کی اطاعت، تجارت اور زراعت کرنا شامل تھا۔

(د) شودر: یہ سماج کا سب سے حقیر اور نیچ طبقہ تھا۔ ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ اس ملک کے قدیم باشندے ہیں۔ ان کے فرائض میں مذکورہ بالا تینوں طبقات کی خدمت کرنا داخل تھا، کیونکہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی تخلیق بھگوان کے "پاؤں" سے ہوئی ہے۔ یہ اس قدر حقیر سمجھے جاتے تھے کہ ان کو اونچی ذات کے کسی بھی آدمی کے ساتھ بیٹھنے تک کی بھی اجازت نہیں تھی۔

چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کی سیاسی حالت:

ہندوستان میں گپت خاندان کا دورِ حکومت "عہد زریں" کہا جاتا ہے۔ یہ دور اپنے نقطہ

Marfat.com

عروج پر چندر گپت دوم، بکر ماجیت، (۳۷۵ تا ۳۸۰) کے زمانے میں تھا جبکہ اس خاندان کی حکومت برصغیر ہند کے ایک بہت بڑے حصے پر تھے۔ اس کے بعد حکومت میں استحکام نہیں رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی عیسوی میں یہ ملک بہت سی خودمختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہونا شروع ہوگیا۔ آٹھویں صدی کے آخر میں شمالی ہندوستان میں سیاسی فوقیت حاصل کرنے کے لیے تین طاقتوں میں سہ طرفہ مقابلہ ہوا۔ ایک طرف مالوہ اور راجپوتانہ کے گوجر پرایتھار تھے۔ دوسری طرف بنگال و بہار کے ''پالی'' اور تیسری طرف دکن کے راشٹرا کوٹا۔ جلد ہی شمالی ہندوستان ایک بار پھر بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگیا۔ اور گو بندرا سوم کے بعد اس ملک کا جنوبی حصہ بھی بدنظمی کا شکار ہوگیا۔ اس طرح اس صدی میں ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے لیے آپس میں نبرد آزما تھیں۔

Marfat.com

بدھ مت اور مشرق بعید

چھٹی صدی قبل مسیح میں سرزمین ہند میں ایک نئی شخصیت ابھری، سدّھارتھ گوتم جو گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش ۵۶۰ ق۔م۔ میں کپل وستو کے قریب بمقام ''لمبینی'' ہوئی، جو کہ ہمالیہ کے جنوب کی طرف واقع ہے۔ انھوں نے بچپن میں ہندو مذہب کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن بعد میں انھوں نے اس مذہب سے بغاوت اختیار کی اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کا نام ''بدھ مت'' پڑا۔ یہ نیا مذہب ہندو مذہب کے خلاف باغی بن کر ابھرا۔ بدھ مت کی تعلیمات، ویدک مذہب (ہندومت) سے کلیتاً مخالف تھیں۔ گوتم بدھ نے یہ اعلان کیا کہ ذات پات کی تفریق پوری طرح غیر معقول ہے اور اس طرح انھوں نے برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری کو ختم کیا لیکن بعد کو بدھ مذہب کے لوگوں نے ویدک مذہب کے کچھ نظریات کو اپنا لیا جیسے عقیدۂ تناسخ، آہنسا اور عقیدۂ کرم بھگتان۔ اس کے علاوہ انھوں نے مورتی پوجا کو بھی مذہب میں داخل کر لیا۔ اس طرح بظاہر بدھ مت ہندو مذہب کی ایک شاخ بن گیا۔ اس کے باوجود بدھ مذہب بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہیں کر سکا اور برہمنوں نے اس کو ہندوستان میں غیر قانونی قرار دیا جس کے نتیجے میں کچھ دنوں کے بعد اس مذہب کے پیرو اس ملک سے نکال دیئے گئے۔ اس سلسلے میں ایچ۔ جی۔ ویلز تحریر کرتا ہے:

''کچھ دنوں بدھ مت ہندوستان میں کافی پھلا پھولا لیکن برہمن ازم بھی اپنے تمام دیوتاؤں اور اوہام پرستانہ خیالات کے ساتھ اس مذہب کے دوش بدوش پروان چڑھتا رہا اور برہمنوں کا نظام زیادہ طاقت ور ہو گیا یہاں تک کہ وہ اس منکر ذات پات مذہب کو ہندوستان سے پوری طرح باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے [1]۔''

ہندوستان سے جلاوطنی کے بعد بدھ مذہب چین اور جنوب مشرقی ایشیا کے دوسرے

---

[1] ایچ۔ جی۔ ویلز H.G Wells, Outline of History: ص ۴۰۹

Marfat.com

ممالک میں کافی مقبول ہوا، پھر بھی یہ انسان کی اخلاقی و روحانی اقدار کی بحالی نیز دنیا میں امن و استحکام پیدا کرنے میں کارگر ثابت نہیں ہوا۔ مشرق بعید کی دوسری قومیں مثلاً مغل، تاتار اور جاپانی وغیرہ بدھ مذہب اور اپنے قدیم مشرکانہ مذاہب کے درمیان توازن قائم رکھنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔ یہ قومیں اب بھی تمدن کے ایک غیر یقینی دور سے گزر رہی تھیں اور اپنے لمبے دورِ جہالت کی تاریکیوں سے حال ہی میں ابھرنا شروع ہوئی تھیں، ان میں سے زیادہ تر اقوام نے ابھی تک تمدنی زندگی کے بنیادی تصورات سے بھی واقفیت حاصل نہیں کی تھی۔

سیاسی اعتبار سے چینی معمول کے مطابق آپس میں جنگ و جدال میں مبتلا تھے۔ سُوئی خاندان اقتدار میں آیا، لیکن جلد ہی ٹنگ خاندان نے اس کی جگہ لے لی اور تین صدیوں تک انھوں نے اس خطۂ ارض پر حکومت کی، جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت نے تاج وتخت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تھی۔ بدھ مذہب نے جاپان میں اپنے عقائد کو پھیلانا شروع کر دیا تھا اور جاپانی تہذیب کی اقدار کے اوپر اثر انداز ہونا چاہتا تھا۔

(ج) جزیرۃ العرب

تاریخ اسلام میں اسلام سے پہلے کا زمانہ ''جاہلیت'' (یعنی دورِ جاہلیت) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں سیاسی بحران، مذہبی ابتری اور سماجی بدانتظامی کا زبردست غلبہ تھا۔ حقیت کی رُو سے اگر دیکھا جائے تو اسلام سے پہلے عربوں میں چند فطری خوبیاں پائی جاتی تھیں، جو اسلام کے بعد ان میں ظاہر ہوئیں مثلاً تقریر و گفتگو میں فصاحت اور سلاست کے اعتبار سے اس قوم کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی یادداشت بے حد پختہ تھی۔ عزم کے وہ بڑے پکے تھے۔ ان کی عمدہ شہسواری بہت مشہور تھی۔ وہ بڑے ایماندار اور قابل اعتماد لوگ تھے اور ہر قسم کے خارجی اثرات سے بالکل آزاد تھے لیکن ان تمام خصوصیات کے باوجود دورِ جاہلیت کے عرب اخلاقی و مذہبی اعتبار سے بہت گر چکے تھے۔ چنانچہ مولانا سید ابوالحسن ندوی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

''لیکن انبیاء اور ان کی تعلیم سے بُعد، ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قولی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی اور اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں وہ تنزل وانحطاط کے آخری نقطے

Marfat.com

پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، غرض مذاہب کے اکثر محاسن سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بدترین خصوصیتوں اور معائب میں مبتلا تھے[1]۔"

دورِ جاہلیت کے عربوں میں صدیوں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ درحقیقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی رسول یا نبی سرزمین حجاز میں نہیں آیا تھا، اس طرح وہ کسی آسمانی مذہبی عقیدہ و فلسفہ سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ ان کی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حالت پر مندرجہ ذیل سطور میں ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی جاتی ہے۔

دورِ جاہلیت کے عربوں کی معاشرتی حالت:

جاہلیت میں عربوں کی معاشرتی حالت دن بدن رُوبہ زوال تھی۔ شراب نوشی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، قدیم عربی ادب میں شراب کے لیے الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے ان کا شراب سے گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ شراب کی دکانیں بہت زیادہ سجائی ہوئی ہوتی تھیں اور ان پر بطور علامت بڑے بڑے جھنڈے لگے ہوتے تھے۔ شراب کے بعد ان کا دوسرا محبوب مشغلہ جُوا تھا، جوئے کی بازی کا انکار کرنا ان کے لیے باعث عار سمجھا جاتا تھا۔ ایک جواری کبھی کبھی ایک بازی میں اپنا تمام اثاثہ لگا دیتا تھا اور ہارنے کے بعد غم کے مارے گردن لٹکائے ہوئے چلا جاتا تھا۔ عربوں میں سود کا عام رواج تھا، قرض دار کو کبھی کبھی قرض خواہ کو ایک ناقابل برداشت رقم بطور سود ادا کرنا پڑتی تھی۔

معاشرتی زندگی میں عورتوں کے نہ تو کچھ حقوق تھے اور نہ ہی ان کی عزت تھی۔ وہ سماج کا سب سے مظلوم طبقہ سمجھا جاتا تھا، عورتوں کو اشیائے منقولہ کی طرح سمجھا جاتا اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا بیک وقت شادی کر سکتا تھا۔ اسی طرح وہ بغیر کسی معقول وجہ کے جب چاہے طلاق دے سکتا تھا۔ عورتوں کو وراثت کے حق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ بیوہ و مطلقہ عورتوں کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ کھانے پینے کی اشیا اور گھریلو زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔

دورِ جاہلیت کے عرب لڑکی کی پیدائش اپنے لیے معیوب سمجھتے تھے اور کبھی کبھی ایک باپ اپنی بچی کو اس کی لرزہ خیز چیخوں کے باوجود زندہ دفن کر دیتا تھا۔ کچھ لوگ غربت کے ڈر سے اپنی

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۶۸

Marfat.com

لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ اس طرح غرور و غربت دونوں ہی نوزائیدہ بچوں کو زندہ دفن کرنے کے محرک تھے اور یہ جاہلانہ رسم تمام قبیلوں میں عام تھی۔ قرآن کریم نے بھی اس بارے میں کئی جگہ نشاندہی کی ہے۔

کبھی کبھی کچھ قبیلوں کے نرم دل سردار لڑکیوں کو ان کی زندگی بچانے کے لیے خرید لیا کرتے تھے۔ حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے انھوں نے اس قسم کی تین سو لڑکیوں کی جانیں ان کے باپوں کو معاوضہ دے کر بچائی تھیں۔ کبھی کبھی ایسی باشعور لڑکی جو بچپن میں باپ کے گھر پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اس دردناک موت سے بچ جاتی تھی تو اس کا باپ کسی بہانے سے سنسان جگہ لے جا کر اس کو قتل کر دیتا تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام لانے کے بعد اپنی گذشتہ زندگی کے اس قسم کے اندوہناک واقعات بیان کیے تھے [1]۔

تعداد ازدواج کے علاوہ ایک آدمی غیر قانونی طور پر کتنی ہی منظورِ نظر و دلکش دوشیزاؤں سے جنسی تعلق قائم کر لیتا تھا (جیسا کہ آج کل مغربی ممالک میں یہ برائی ایک فیشن کی شکل میں عام ہے اور اس سلسلے میں ان کی حالت دورِ جاہلیت کے عربوں سے بھی زیادہ گری ہوئی ہے۔)

شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہروں کی طرف سے نسب کی خاطر دوسرے مردوں سے ہمبستری کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ (موجودہ مغربی سوسائٹی میں ان کی تہذیب کا ایک نمایاں ادب یہ بھی ہے کہ ان کی بیویاں غیر مردوں کے ساتھ ان کی موجودگی میں کلبوں کے اندر ڈانس کریں جس کا نتیجہ کبھی کبھی ہمبستری تک پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح ان کی یہ حالت قبل از اسلام عربوں کی حالت سے بھی بدتر ہے گویا کہ وہ اسلام میں چودہ سو سال سے بھی زیادہ پیچھے ہیں) دلربا دوشیزائیں اکثر شہروں کے بیرونی حصون مین چلی جاتیں اور مردوں کو جنسی آزادی کا پورا موقع فراہم کرتیں۔ (یہ بات بھی آج کل مغربی تہذیب میں کسی نہ کسی شکل میں پوری طرح عام ہے۔ جس کو وہ ''آزادئ نسواں'' سے تعبیر کرتے ہیں۔)

قبل از اسلام عربوں میں اپنی سوتیلی ماں سے شادی کرنے کا عام رواج تھا اور حقیقی بہنوں سے بھی شادی جائز سمجھی جاتی تھی [2]۔ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کے انتقال کے بعد اس کی بیواؤں (یعنی سوتیلی ماؤں) کا اس کی جائیداد کی طرح وارث سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح یہ ایک

---

[1] سنن دارمی

[2] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی a: ۱/ ۱۲۷

Marfat.com

گھناؤنا اور قابل نفرت دور تھا جس سے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب گزر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انسانیت کے قعر مذلت سے نکال کر عزت و وقار کی چوٹی پر لا کھڑا کیا۔

اس دور میں عربوں میں غلام رکھنے کا عام رواج تھا اور ان کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا جاتا۔ آقا کو غلاموں کی زندگی اور موت پر پورا اختیار ہوتا۔ غلام نہ تو کسی باندی سے شادی کر سکتا تھا اور نہ باندی غلام سے اور نہ ہی وہ کسی آزاد شخص سے شادی کر سکتے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کو دردناک سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

سیاسی حالت:

اس زمانے میں جزیرۃ العرب پوری طرح آزاد تھا۔ اس دور کی مہذب حکومتوں فارس و روم نے بھی عربوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی، کیونکہ وہ ان کو بربری، مفلوس اور بھوکی ننگی قوم سمجھتے تھے۔ عرب بہت سے قبیلوں میں منقسم تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا ایک سردار (شیخ) ہوتا تھا۔ قبائل میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض کی وجہ سے معمولی معمولی واقعات پر بھی خوفناک لڑائیاں چھڑ جاتی تھیں جو پشت ہا پشت تک جاری رہتیں، ان کا یہ مشہور مقولہ تھا: انصر اخاک ظالماً او مظلوماً (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) جس پر وہ پوری طرح عمل پیرا تھے۔ قبائلی غرور اُن کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ہر قبیلہ اپنی نسل کو اعلیٰ ترین سمجھتا تھا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:

"عرب فطرتاً جنگجو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی و غیر متمدن زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا، جنگ ان کے لیے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر تفریح و دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا۔ ایک شاعر فخریہ کہتا ہے:

واحیانا علی بکر اخینا

اذا لم نجد الا اخانا (حماسہ)

"اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لیے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔"

ایک عرب شاعر دعا کرتا ہے:

Marfat.com

اذا الهرة الشقراء ادرک ظهرها .

فشب الا له الحرب بین القبائل (حماسہ)

''میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اللہ قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔''

''جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لیے معمولی کام تھا، جنگ کو بھڑکانے کے لیے معمولی واقعات کافی تھے۔ پورا جزیرۂ عرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا، اور کب دھوکے سے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لیے جاتے تھے یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں وسفارتوں کے لیے چوکی پہرہ اور مضبوط بدرقہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی[1]۔''

مذہبی جاہلیت:

دورِ جاہلیت کے عرب بت پرست تھے اور ان کا مذہب ان کی مادی وروحانی زندگی میں کسی قسم کا سدھار نہیں لا سکا تھا۔ ابتداءً بتوں کی پرستش خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا لیکن بعد میں انھیں خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ ہر شہر، قبیلہ و مقام کا اپنا ایک الگ بت ہوتا۔ بتوں کی شکل پجاریوں کے تصور و مزاج کے مطابق بنائی جاتی۔ بیت اللہ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا ۳۶۰ بتوں کا مرکز تھا۔ تمام عربوں میں جن چار بتوں کی خاص طور سے عزت و عظمت کی جاتی تھی ان کے نام یہ ہیں: عزیٰ، لات، مناۃ، ہبل۔ کلبی کے بیان کے مطابق مکہ میں ہر گھر کا اپنا علیحدہ بت تھا اور جب وہاں کا باشندہ کسی سفر پر جاتا تو سفر شروع کرنے سے پہلے گھر پر اس کا سب سے آخری کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے خاندانی بت کا نام لے کر اس سے دعا کرے اور فیض حاصل کرے۔

کعبہ کے علاوہ سرزمین عرب میں لاتعداد مندر تھے۔ لوگ مندروں کی تعمیر کرنے اور بتوں کے اکٹھا کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلے میں امام بخاری نے ابو رجاء العُطاردی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''ہم پتھروں کی پوجا کرتے تھے، اگر ہمیں اس سے کوئی بہتر پتھر مل جاتا تو پہلے کو پھینک

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۷۴، ۷۵

Marfat.com

کر وہ اٹھا لیتے اور اگر ہمیں کوئی پتھر نہیں ملتا تو ہم مٹی کا ڈھیر جمع کر کے ایک بکری لاتے اور اس پر اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کا طواف کرتے [1]۔"

اہل عرب فرشتوں پر بھی اعتقاد رکھتے تھے اور بہت سے فرشتوں، جنوں، پریوں، ستاروں اور سورج و چاند کو انھوں نے خدا کا درجہ دے دیا تھا۔ فرشتوں کو یہ خدا کی بیٹیاں اور جنوں کو کائنات کا علمی نظام سنبھالنے میں وہ خدا کا شریک کار سمجھتے۔ بعض درختوں کو بھی انھوں نے خدائی درجہ دے رکھا تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:

"جہالت اور جاہلیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش کا عقیدہ مقبول و عام، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کا تصور کمزور اور خواص میں محدود ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ پوری قوم بتوں اور مورتیوں کی (جن کو کسی زمانے میں شفیع اور واسطہ یا مرکز توجہ بنانے کے لیے اختیار کیا گیا تھا) صاف صاف پرستش میں مشغول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ سے (جس کا خالق کائنات اور رب الارباب کی حیثیت سے اب بھی اقرار تھا) عملاً وقلباً تعلق منقطع ہو کر دوسرے معبودوں و بتوں سے قائم ہو گیا تھا اور عبودیت و بندگی کے اظہار کے طریقے اور اعمال (سجدہ، قربانی، حلف، دعا و استعانت) انھی کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئے تھے، اور ملک میں کھلی بت پرستی، خدا سے بے تعلقی، اور صریح شرک کا دور دورہ تھا [2]۔"

غرض یہ کہ اسلام سے قبل جزیرۃ العرب کا پورا معاشرہ ظلم و بربریت، توہمات وخرافات کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ ساری دنیا کی اخلاقی و روحانی اور مادی حالت اس قدر افسوس ناک تھی کہ خدا کی جانب سے اس کی اصلاح لازمی تھی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسلام سے قبل دنیا کی عمومی حالت خاص طور سے اس زمانے کی دو عظیم الشان سلطنتوں فارس وروم کے حالات کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے:

"صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر

---

1. صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ
2. سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ص ۶۸، ۶۹

Marfat.com

لی تھی اوراس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامانِ آرائش وراحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک، تیار جانور، خوش رُو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت طویل ہے...... یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے۔ اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پورے نظامِ تمدن میں سرایت کر گیا تھا۔ یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام وخاص اور امیر وغریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہر شہری پر یہ پُرتکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہوگئی تھی جس نے ان کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم وافکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔ بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ رقمیں اور بے پایاں دولت کاشت کاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کیے بغیر دستیاب نہیں ہوسکتی تھیں۔ اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آبپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا اور صرف خدمت کرنے کے لیے ان کو پالا جاتا تھا۔ اور محنت ومشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پُرمشقت وحیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اُخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی [1]۔"

[1] حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۱۰۵

Marfat.com

(د) انسانی دنیا کی تاریک حالت

چھٹی صدی عیسوی میں انسانی دنیا کی عالم گیر تاریکی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ اس صدی میں رُوئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت و اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیائے کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کچھ روشنی نظر آ جاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے، صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو جو اپنے قومی و نسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہو چکا تھا اور حق و صداقت کا جویا تھا، ایران سے لے کر شام کی آخری حدود تک اپنے طول و طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے اس کی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستے پر قائم تھے [1]۔''

قرآن کریم میں اس عالم گیر تاریکی و فساد کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا گیا ہے جس سے انسان کی فکر بیدار ہوتی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (سورۃ الروم ۳۰، آیت ۴۱)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں فساد پھیل گیا تا کہ اللہ

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۹۸، ۹۹

Marfat.com

تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ اُن کو چکھا دے، اور وہ باز آ جائیں۔"

اس طرح تمام انسانیت ظلم و تعدی، بے انصافی و سفاکی، بدی اور توہمات کے انبار کے نیچے دبی ہوئی کراہ رہی تھی۔ مختصراً یہ کہ جب انسانیت حالت نزاع میں مبتلا تھی اس وقت اللہ جل شانہ نے اپنے آخری رسول و نبی حضرت محمد ﷺ کو اس مظلوم انسانیت کا نجات دہندہ بنا کر مبعوث فرمایا، اور آپ ﷺ ان کو گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں لائے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (سورۃ ابراہیم ۱۴، آیت ۱)

"یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے (ہدایت کے) نور کی طرف لائیں، یعنی غالب اور قابل ستائش خدا کے راستے کی طرف۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۵۷)

"جو لوگ ایسے رسول، نبی اُمی ﷺ کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) کہ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان

Marfat.com

کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں، اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔''

Marfat.com

جزیرۃ العرب کا جغرافیائی پس منظر

جغرافیائی جائے وقوع اور آب و ہوا:

جزیرہ نما عرب جس کو عام طور پر جزیرۃ العرب کہتے ہیں، جنوب مغربی ایشیا کا مشہور جزیرۂ نما ہے، اس کے مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج عرب و عمان اور جنوب میں بحر عرب ہے۔ قدیم دنیا کے نقشے میں جبکہ امریکہ و آسٹریلیا کی دریافت نہیں ہوئی تھی جزیرۃ العرب دنیا کے تین بڑے براعظموں یعنی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرۂ نما ہے جس کا رقبہ تقریباً (۱۳) تیرہ لاکھ مربع میل [1] ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ افریقہ کے صحرائے اعظم کا ایک حصہ ہے، جو دریائے نیل کے شگافوں اور بحر احمر کے قعروں کے ذریعے قدرتی طور پر اس سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ یہ مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں حجاز، نجد، یمن، حضر موت اور عمان بہت اہم ہیں۔

جزیرۃ العرب کے ساحلی علاقوں پر پہاڑی سلسلہ ہے۔ ان میں سے بعض پہاڑوں کی اونچائی جو کہ سرزمین حجاز میں واقع ہیں چھ ہزار تا نو ہزار فٹ تک پہنچ جاتی ہے۔ سرزمین حجاز ہی اسلام کا وہ گہوارہ ہے جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جیسے دو مقدس شہر واقع ہیں۔ اس خشک اور بے برگ و گیاہ جزیرہ نما کا جنوب مغربی حصہ یعنی یمن ایسا خطہ ہے جس میں موسمی بارش کی وجہ سے قدرتی طور پر زمین قابلِ کاشت ہے۔ نجد جزیرۃ العرب کے شمالی اندرونی حصے کا مرکزی علاقہ ہے اس میں بھی جا بجا چراگاہیں ہیں۔ ان علاقوں کے علاوہ جزیرۂ نما کی باقی تمام زمین تقریباً بنجر ہے لیکن کہیں کہیں نخلستان بھی ملتے ہیں۔ اتنے بڑے رقبہ کے باوجود عرب (موجود سعودی عرب) کی آبادی تقریباً ۷ لاکھ ہے، کیوں کہ زمین کے بڑے بڑے خطے ریگستان ہیں اور رقبے کے اعتبار

[1] محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب: ۱/۴

Marfat.com

سے آدھے سے زیادہ ملک غیر آباد ہے، اس ملک کی آب وہوا گرمیوں میں بے انتہا گرم ہوتی ہے اور اس کے ساحلی علاقے دنیا کے دیگر ساحلی علاقوں کے مقابلے میں نہایت گرم مانے جاتے ہیں جن کا درجۂ حرارت گرمیوں میں ۱۱۸ ڈگری (فارن ہائٹ) سے ۱۳۵ ڈگری تک رہتا ہے۔

عرب میں کوئی ایسا دریا نہیں ہے جو سال بھر بہنے والا ہو، اور نہ وہاں جنگلات ہی ہیں، البتہ پورے عرب میں چار مستقل تالاب ہیں (جن کو جھیل کہنا مشکل ہوگا) یہ تالاب احساء، خرج، افلج اور نجران میں واقع ہیں، ان تالابوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں میں کنوئیں اور چشمے اکثر ملتے ہیں، مدینہ منورہ، طائف، یمن، حضر موت اور عمان میں اس قسم کے کنوئیں اور چشمے بکثرت ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مشہور چشمہ زمزم واقع ہے۔ جزیرہ نما کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے [1]۔

(۱) نجد: یہ جزیرہ نما کا مرکزی اور سخت ریگستانی علاقہ ہے جس میں بہت سی وادیاں اور نخلستان ہیں، جن کی وجہ سے یہاں آبادی ممکن ہوسکی۔

(۲) شمال میں نفود، مشرق میں دہنا، اور جنوب میں الربع الخالی۔ یہ تینوں حصے مل کر مرکزی علاقے نجد کے چاروں طرف تقریباً ایک مکمل دائرے کی شکل میں واقع ہیں۔

---

[1] موجودہ دور میں جزیرۃ العرب میں مندرجہ ذیل ممالک شامل ہیں:

(۱) سعودی عرب جو کہ جزیرہ نما کا خاص حصہ ہے اس میں نجد (جو قصیم، شمار اور یمامہ پر مشتمل ہے) حجاز، الربع الخالی، احساء اور عسیر آتے ہیں۔ یہ تمام حصے جزیرہ نما کے شمالی حصے کی تکمیل کرتے ہیں۔

(۲) یمن یہ جزیرہ نما کا جنوب مغربی حصہ ہے۔

(۳) جمہوریہ جنوبی یمن، یعنی جزیرہ نما کے جنوبی حصے میں حضر موت کا علاقہ۔

(۴) مسقط وعمان جو جزیرہ نما کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

(۵) قطر اور مشرق کی دیگر چھوٹی چھوٹی ساحلی ریاستیں یعنی متحدہ عرب امارات۔

(۶) کویت، جو شمال مشرقی علاقہ میں واقع ہے۔ اور اردن کا شمال مغربی علاقہ۔

جزیرۃ العرب کا اہم حصہ یعنی موجودہ سعودی عرب (جس کا مدینہ منورہ و مکہ معظمہ واقع ہونے کی وجہ سے سیرت نبوی ﷺ سے خاص تعلق ہے) کی حدود اربعہ یہ ہیں: شمال میں اردن، عراق، اور کویت واقع ہے۔ مشرق میں خلیج عربی، قطر، اور امارات کی دیگر ریاستیں اور عمان واقع ہیں، جنوب میں یمن اور جمہوریہ جنوبی یمن ہیں اور مغرب میں بحر احمر واقع ہے۔

Marfat.com

(۳) بادیۃ الشام (صحرائے شام) مدین، حجاز، عسیر، یمن، حضر موت، عمان اور احساء، یہ وہ حصے ہیں جو جزیرہ نما کے وسیع ساحل پر آباد ہیں اور یہ مذکورہ بالا دائرے کا بیرونی حصہ بناتے ہیں۔ ان میں کچھ حصے خشک اور بنجر پہاڑیوں پر مشتمل ہیں اور کچھ قابل زراعت ہیں اور گھنی آبادی والے حصے ہیں۔ عسیر کی پہاڑیاں، یمن اور حضر موت کا ایک حصہ مل کر قدیم عرب کی تاریخ میں ''عرب فیلکس'' (Arabia Felix) کے نام سے موسوم ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے اور مناسب بارش کی وجہ سے زمین بھی قابل کاشت ہے۔ عمان جزیرہ عرب کا دوسرا قابل کاشت علاقہ ہے جس میں جبل اخضر سے متعدد ندیاں نکلتی ہیں جن کی وجہ سے اس کی زرخیزی میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ ان چند خطوں کو چھوڑ کر صحرا کے باقی حصے میں صرف جگہ جگہ نخلستان ہی ملتے ہیں۔ ان میں سے کچھ نخلستان مثلاً مدینہ منورہ، قسیم، اور احساء کافی زرخیز ہیں۔

عرب کی پیداوار اور مویشی:

عرب کے امیر و غریب سب کی مرغوب غذا کھجور اور اس کے باغات، جزیرہ نما کے اکثر علاقوں میں ملتے ہیں۔ میٹھا ہونے اور مرغوب پھل دینے کے علاوہ کھجور کے درخت کے اور بھی فائدہ تھے، اس کی شاخیں دیہاتوں کے مکانوں میں چھتوں کے چھانے میں کام آتی تھیں۔ گٹھلیوں کو پیس کر اونٹ کی غذا بنائی جاتی، اور چھال کے سخت ریشوں سے رسیاں بنائی جاتیں۔ کھجور کے علاوہ دیگر پھل اور سبزیاں بھی ساحلی علاقوں میں بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہیں۔ یمن میں جو کہ جزیرہ نما کا سب سے زرخیز علاقہ ہے اس میں گیہوں، قہوہ اور دیگر پھل وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔

پالتو جانوروں میں اونٹ (جس کو صحرائی جہاز کے نام سے پکارا جاتا تھا) گھوڑے، بھیڑ اور بکریاں عام طور سے ملتی تھیں۔ اونٹ نہ صرف بار برداری کے کام آتا بلکہ اس کا گوشت اور دودھ بھی قابل منفعت ہے۔ پرانے زمانے میں بیوی کا مہر، قتل کا خون بہا، جوئے کی بازی میں نفع اور عربی شیوخ کی مالداری اونٹ کی تعداد پر شمار کی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا عرب اسی جگہ خوش حال ہوں گے جہاں کے اونٹ خوشحال ہیں (یعنی جہاں اونٹ کثرت سے پائے جائیں)۔ مسلمانوں کی ابتدائی جنگوں میں اونٹ ایک اہم جنگی جانور تھا۔ منفعت کے اعتبار سے عرب میں اونٹوں کے بعد گھوڑوں کا نمبر آتا تھا، گھوڑے جنگوں میں، کھیل کے میدانوں میں،

Marfat.com

اور شکار کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ کسی شخص کے یہاں گھوڑے کا ہونا اس کی اعلیٰ حیثیت اور مرتبے کی دلیل تھی۔ عرب اپنی شہسواری کے لیے مشہور تھے، قدیم زمانے میں سرزمین عرب کے گھوڑے بہترین گھوڑے سمجھے جاتے تھے اور انھیں دوسرے ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا۔ بھیڑیں اور بکریاں دیہی علاقوں کے بدوؤں کا خاص سرمایہ تھیں۔

عرب کے شہری اور بدوی:

جزیرۃ العرب میں قدیم اقوام نے قبائل کی شکل میں سکونت اختیار کی تھی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے مستقل رہائش گاہیں شہروں کی شکل میں تعمیر کیں۔ ایسے لوگوں کو جو شہروں میں رہنے لگے ''شہری باشندے'' کہا گیا۔ مکہ مکرمہ کا شمار قدیم ترین شہر میں کیا جاتا ہے جس کا پرانا نام بکہ یا بکا ہے۔ (ملاحظہ ہو قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت نمبر ۹۶)، زبور۔ تیسری کتاب، باب ۸۴، آیت ۶)۔ زیادہ تر لوگ خانہ بدوش قبائل کی شکل میں ہی رہتے تھے جو بھیڑ، بکریوں کے گلوں کو چرانے کے لیے مناسب مقدار میں سبزے کی تلاش میں ادھر ادھر پھرا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو بدوی کہا جاتا تھا، یہ لوگ جب کبھی کسی جگہ قیام کرتے تو وہاں پر خیمے نصب کر دیتے۔ ان کا رہن سہن شہری باشندوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہ لوگ اپنا گزر بسر بھیڑوں اور بکریوں کے دودھ پر کرتے تھے اور زراعت وتجارت نیز صنعت وحرفت سے بالکل ناواقف تھے۔ شہری باشندوں نے زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ تجارت میں کافی ترقی کر لی تھی جب کہ بدویوں کے اندر بہت سی برائیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور کاروانوں پر حملہ کرنا ان کا شیوہ اور آپس میں خون ریز جنگیں لڑنا ان کا شعارِ زندگی بن چکا تھا۔ بدویوں کے بارے میں ایک مشہور عرب شاعر کہتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''ہمارا کام دشمنوں پر حملہ کرنا ہے اور اگر ہم کوئی (دشمن) نہیں پاتے تو پھر پڑوسی اور اپنے بھائی ہی پر حملہ کر دیتے ہیں[1]۔''

بدویوں کا سماجی وسیاسی نظام ''خاندانی'' و ''قبائلی'' تھا۔ ہر خاندان کا ایک مالک اور ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا، جس کو شیخ کہا جاتا تھا۔ ان کی حب الوطنی صرف اپنے قبیلے کی حد تک محدود تھی اور قبیلے کے ہر فرد کی پوری طرح حفاظت کی جاتی۔ اگر کوئی قبیلہ اپنے کسی فرد کی حفاظت کرنے

[1] فلپ ہٹی، History of The Arabs

Marfat.com

سے قاصر رہتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ پھر وہ فرد اس کا فرمانبردار رہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''اپنے قبیلہ کے وفادار رہو کیوں کہ قبیلے کا حق قبیلے والوں پر اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی شخص اپنی بیوی کو بھی چھوڑ سکتا ہے۔'' ❶

غیر ملکی حملوں سے حفاظت:

اپنی مخصوص آب و ہوا اور ریگستانی زمین کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے باشندے غیر ملکی یورش و یلغار سے محفوظ رہے۔ بنجر اور گرم علاقہ ہونے کی وجہ سے سرزمین عرب غیر ملکی اقوام کی دلچسپی کا سامان فراہم نہ کر سکی۔ کیوں کہ کوئی بھی ایک ایسے خطے پر حکومت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے کوئی مالی منفعت نہ ہو اور جو ایسے قبیلوں سے آباد ہو جو ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں فلپ ہٹی تحریر کرتا ہے:

''یہی وجہ ہے جس کے باعث عرب غیر ملکی تسلط سے صدیوں تک محفوظ رہے۔'' ❷

غیر ملکی تسلط سے محفوظ رہنے کی وجہ سے عربوں کے اندر ایک طرف تو آزادی کی روح اور تشخص و انفرادیت برقرار تھی اور دوسری طرف وہ بہت ہی جفاکش و خوددار بھی تھے۔ ان صفات کی وجہ سے ان کے اندر اسلام کی تعلیمات کو جذب کرنے اور اس کے تہذیب و تمدن کو رواج دینے نیز اس کو دنیا کے ایک وسیع حصے میں عام کرنے کی فطری صلاحیت موجود تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ:

رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے جس کا نام زمانۂ قدیم میں بکہ، بائبل میں بکا اور بطلیموس کے یہاں مکوربا ہے۔ اسلام کا یہ مقدس ترین شہر ہے۔ قرآن کریم نے اس کو ''ام القریٰ'' اور ''البلد الامین'' کہا ہے۔ یہ شہر بحر احمر کی مشہور بندرگاہ ''جدہ'' سے ۴۵ میل مشرق کی جانب ہے اور وہاں سے ایک بڑی شاہراہ اس مقدس شہر تک جاتی ہے۔

اسلام سے قبل بھی مکہ مکرمہ مذہبی زیارت گاہ تھا، اس کے علاوہ یہ ایک اہم تجارتی مرکز

---

❶ پروفیسر، کے۔علی، A Study of Islamic History، ص ۱۷

❷ پی۔کے۔ہٹی، حوالہ مذکورہ۔

Marfat.com

بھی تھا۔ رومی اور بازنطینی عہد میں ہندوستان، مشرقی افریقہ اور مشرقِ بعید سے بحر روم کے ممالک میں مشرقی اشیا کافی مقدار میں درآمد کی جاتی تھیں۔ یہ اشیا سمندری راستے سے پہلے عدن لائی جاتی تھیں۔ وہاں سے اونٹوں کے کاروانوں کے ذریعے جزیرۃ العرب اور مصر کے مغربی ساحلوں نیز دمشق اور یورپ کے دیگر ممالک کو لے جائی جاتی تھیں۔ ان کاروانوں کے لیے مکہ مکرمہ ایک اہم منزل کا کام دیتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے زیادہ تر باشندے اس تجارت میں لگے رہتے تھے۔

جغرافیائی اعتبار سے مکہ پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں آباد ہے۔ یہ وادی مشرق سے مغرب تک تقریباً پانچ میل لمبی ہے اور اس کا عرض تقریباً دو میل ہے [1]۔ مکہ کے چاروں طرف مندرجہ ذیل پہاڑ واقع ہیں:

جبل افلج، جبل القیقعان، جبل لعلع، جبل کداد، جبل ابوقبیس اور جبل خندمہ۔

موجودہ دور میں ان پہاڑوں میں سے اکثر پُر آباد ہیں۔ پہاڑوں کی دوسری جانب شہر کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو مکہ مکرمہ کے مرکزی حصہ سے ملانے کی غرض سے کچھ پہاڑوں کو کاٹ کر وسیع وعریض سڑکیں بنا دی گئی ہیں۔ بیت اللہ الحرام اور مسجد حرام شہر کے وسط میں واقع ہیں۔ مکہ مکرمہ کا واحد قدرتی چشمہ ''زمزم'' مسجد حرام کی حدود ہی میں واقع ہے۔ ملکہ زبیدہ نے طائف سے مکہ مکرمہ تک ایک بڑی نہر کھدوائی تھی جس کو نہر زبیدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نہر شہر کی پانی کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ مکہ شہر کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے محبوب صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رکھی تھی۔ انھوں نے کعبہ کی عمارت بھی دوبارہ تعمیر کی تھی جس کے نزدیک ہی زمزم کا مشہور چشمہ ہے جو معجزانہ طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام، جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت وہاں چھوڑ گئے تھے کی پیاس بجھانے کے لیے ظاہر ہوا تھا۔

---

[1] محمد رابع ندوی، حوالہ مذکورہ: ص ۱۷۵

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد

قریش اور قصی:

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ''قریش'' بنواسماعیل میں سے ایک بااثر شخص ''فہر'' کا لقب تھا جو کہ تیسری صدی عیسوی کے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں قریش کی اولاد میں سے ایک شخص ''قصی'' نے قریش کے مختلف قبیلوں کو متحد کیا اور مکہ اور آس پاس کے علاقے کے حکمران مقرر ہوئے [1]۔ وہ کعبہ کے متولی بھی بنے، یہ عہدہ پورے جزیرۃ العرب میں سب سے باعزت عہدہ سمجھا جاتا تھا، قصی ایک لائق منتظم تھے۔ انھوں نے ایک بڑا ہال ''دارالندوۃ'' کے نام سے بنوایا [2] جہاں پر قریش کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کے مشورے کے بعد متنازع فیہ مسائل حل کیے جاتے تھے۔ وہ حج کے دوران حاجیوں کو کھانا اور پانی بہم پہنچاتے تھے [3]۔ انھوں نے مکہ مکرمہ میں بہت سی سیاسی ومعاشرتی اصلاحات بھی کیں۔

عبدمناف:

اپنے انتقال سے قبل (۴۸۰ عیسوی میں) قصی نے سقایہ، رفادہ (حاجیوں کی میزبانی کا

1. محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۶۰ء (۱۳۸۰): ۱/۶۹، ابن خلدون، التاریخ، بیروت ۱۹۶۶ء: ۲/۶۹۰
2. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۵۵ء (۱۳۷۵ھ): ۱/۱۲۵، محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۷۰، ابن خلدون، التاریخ: ۲/۶۹۳
3. علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/۱۶۴

Marfat.com

منصب)، مالیات اور لوایہ (قریش کا جھنڈا) کے مناصب اپنے بڑے لڑکے عبدالدار کے سپرد کیے ❶ لیکن قصی کے انتقال کے بعد قریش کی سرداری و ریاست کا منصب عبد مناف (عبدالدار کے چھوٹے بھائی) کے حصے میں آیا ❷۔ عبد مناف کے بعد ان کے لڑکے ہاشم ان کے جانشین بنے۔ عبدالدار کی اولاد (بنو عبدالدار) ان تمام مناصب کو جن کو قصی نے عبدالدار کو سپرد کیا تھا مکمل طور پر ادا کرنے میں ناکام رہی ❸ اس وجہ سے بنو عبد مناف نے سقایہ و رفادہ کا انتظام بنو عبدالدار سے لے لیا ❹۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق سقایہ اور رفادہ کا منصب عبد شمس بن عبد مناف (جو ہاشم کے بڑے بھائی تھے) کو سپرد کیا گیا تھا لیکن انھوں نے بعد میں اپنی ذمہ داریاں اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کر دیں ❺۔ عبد شمس کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے اُمیہ کے دل میں اپنے چچا ہاشم سے قریش میں مقبول عام ہونے کی بنا پر حسد پیدا ہو گیا۔ امیہ نے کھلم کھلا ہاشم کے اقتدار کو چیلنج کیا ❻ لیکن انھیں شکست ہوئی اور دارالندوہ کے ممبران کے فیصلے سے انھیں دس سال کے لیے مکہ سے جلاوطن کر دیا گیا ❼۔ یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی بنا پر بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان مشہور دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ بعد میں بنو امیہ نے تجارتی کاروبار اپنا لیا اور عرب کے مالدار و مشہور تجار میں شمار کیے جانے لگے۔

ہاشم:

ہاشم اپنے دور میں ایک عقل مند اور نہایت ہی فیاض شخص تھے ❽۔ انھوں نے قریش کے سامان تجارت کو جنوب میں یمن اور شمال میں شام تک فروغ دیا۔ تجارتی قافلے مشرق میں

❶ محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۷۳/۱، ابن ہشام حوالہ مذکورہ: ۱۲۹/۱، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۶۹۳/۲

❷ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۶۹۳/۲، محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۷۴/۱، شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۹۶۳ء (۱۳۸۲ھ): ۶/۱

❸ شاہ معین الدین احمد ندوی، حوالہ مذکورہ، تاریخ اسلام: ۶/۱

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱۳۲/۱، محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۷۷/۱، شاہ معین الدین احمد ندوی، حوالہ مذکورہ: ۶/۱

❺ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۶۸۴/۲ تا ۶۹۵، اکبر شاہ خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، کراچی، ۱۹۷۰ء: ۶۰/۱، حافظ غلام سرور، Muhammad` The Holy Prophet لاہور، ص ۱۴

❻ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱۳۶/۱

❼ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء، (۱۳۸۵ھ) ص ۱۶، ۱۷

❽ محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۷۸/۱

Marfat.com

نجد اور عراق کی طرف بھی جاتے۔ اس طرح مکہ عرب کا ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا اور ہاشم اپنی بہادری و فیاضی کی بنا پر عرب کے مقبول ترین انسان بن گئے۔

ایک مرتبہ ہاشم یثرب (مدینہ منورہ) آئے اور وہاں قبیلۂ بنی نجار کی ایک اعلیٰ مرتبت خاتون سلمٰی سے شادی کر لی [1]۔ سلمٰی کے بطن سے ہاشم کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا [2]۔ ہاشم نے اس لڑکے کو سلمٰی کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ شیبہ بالغ ہونے تک اور ایک قول کے مطابق تقریباً آٹھ سال تک یثرب (مدینہ منورہ) ہی میں رہے [3]۔ ایک بار ہاشم تجارت کی غرض سے شام جا رہے تھے لیکن راستے میں ہی مقام غزہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

عبدالمطلب:

ہاشم کی جلد موت سے ان کی اولاد اور ساتھی کمزور ہو گئے۔ ہاشم کے بعد اُن کے بھائی مطلب قریش کے سردار بنے۔ انھیں شیبہ کی پیدائش کی خبر معلوم تھی۔ چنانچہ وہ مدینہ گئے اور شیبہ کو مکہ لے کر آئے۔ جب مکہ میں شیبہ کو لے کر داخل ہوئے تو لوگوں نے غلطی سے شیبہ کو مطلب کا غلام سمجھا [4] اور شیبہ ''عبدالمطلب'' کے عرف سے مشہور ہو گئے۔ مطلب نے اپنے بھتیجے شیبہ (عرف عبدالمطلب) کی پرورش اپنے حقیقی بیٹے کی طرح کی۔

مطلب کے انتقال کے بعد عبدالمطلب بنو ہاشم کے سردار اور سقایہ و رفادہ کے انچارج و ناظم مقرر ہوئے [5]۔ یہ دیکھ کر حرب بن امیہ (جو ابوسفیان کے باپ تھے) نے عبدالمطلب کا اقتدار ماننے سے انکار کر دیا لیکن پھر ججوں نے ان کے خلاف وہی فیصلہ دیا جو ان کے باپ امیہ کے خلاف دیا تھا [6]۔ اس طرح بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان حسد و رقابت دن بدن بڑھتی گئی۔

اپنے باپ ہاشم کی طرح عبدالمطلب نے بھی اپنی فیاضی اور منصفانہ مزاج کی بنا پر قریش

---

[1]، [2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۳۷، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۷۹، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۶۹۶، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۰ء: ۲/۲۴۶

[3] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/۱۶۶، ۱۶۷

[4] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۲۸، محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۸۳، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۶۹۶

[5] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۵۱، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۴۲، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۸۳، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۶۹۶

[6] اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۴۵، حافظ غلام سرور، حوالہ مذکورہ: ص ۱۶

Marfat.com

کے درمیان ایک مسلم اور باعزت مقام حاصل کر لیا۔ مشہور چشمۂ زمزم (جو کہ پیاسے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے رگڑنے سے بطور معجزہ پھوٹ پڑا تھا جس وقت کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں) ریگستانی گرد وغبار سے بھر گیا تھا❶۔ عبدالمطلب نے اس کو دوبارہ کھدوایا۔ چشمے کو صاف کیا گیا، اس کی دیواروں کی مرمت کرائی گئی اور اس طرح اس سے پھر پانی جاری ہو گیا۔ عبدالمطلب اپنے معاملات میں مدبّر، فیصلوں میں صائب الرائے و زیرک اور اعلیٰ کردار کے حامل تھے۔ ان صفات کی وجہ سے وہ تمام قریش میں ایک معزز شخصیت کے مالک ہوئے اور نصف صدی سے زیادہ (تقریباً ۵۹ سال تک) مکہ کے حکمران بنے رہے۔ انھی کے عہد حکومت میں حبشہ کے عیسائی سپہ سالار نے (جس نے حمیریوں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر لیا تھا) ۵۷۰ عیسوی میں مکہ مکرمہ پر حملہ کیا۔ اس کا ناپاک ارادہ اللہ کے مقدس گھر کعبہ کو ڈھانا تھا۔ اس کے ساتھ ہاتھیوں کا ایک بڑا ہراول دستہ تھا۔ یہ وہ جانور ہیں جن کو اہل مکہ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن ابرہہ اپنے اس حملے میں بری طرح ناکام رہا اور اس کی فوج ایک زبردست طوفان اور کنکریوں کی بارش سے تہس نہس ہو گئی۔ اللہ کی جانب سے بھیجا گیا ابابیلوں کا لشکر اس زبردست تباہی کا سبب بنا (قرآن کریم سورۂ فیل آیت ۱ تا ۵) باقی ماندہ فوج بھاگ گئی، مگر ان پر ایک اور عذاب چیچک ❷ کی شکل میں مسلط کر دیا گیا، اور اس طرح ابرہہ کا تمام لشکر نیست و نابود ہو گیا۔ یہ سال تاریخ اسلام میں ''عام الفیل'' کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ اور آمنہ:

واقعۂ فیل سے پہلے عبدالمطلب نے اپنے سب سے چھوٹے اور محبوب لڑکے عبداللہ کی شادی قبیلہ بنو زہرہ کے سردار وہب کی بیٹی آمنہ سے کی تھی ❸۔ شادی کے بعد صرف تین دن تک عبداللہ آمنہ کے ساتھ اپنے سسرال میں رہے۔ پھر وہاں سے بغرض تجارت شام چلے گئے ❹۔ اپنے

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۴۵، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۸۳، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۰، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۶۹۸

❷ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، دہلی ۱۹۶۱ء (۱۳۸۰ھ): ۳/۳۶۹ (بحوالہ ابن اسحاق)

❸ ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۹۵، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۱۰ تا ۱۵۶، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۸

❹ ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۹۵

Marfat.com

اس تجارتی سفر سے لوٹتے وقت عبداللہ یثرب (مدینہ) میں بیمار پڑ گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا❶۔ انھوں نے اپنے پسماندگان میں اپنی حاملہ بیوی حضرت آمنہ اور ایک لونڈی ام ایمن اور ترکہ میں پانچ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ چھوڑا۔ نوجوان عبداللہ کی اچانک موت سے ان کے خاندان کو سخت صدمہ پہنچا۔ خاص طور سے عبدالمطلب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ انھوں نے عبداللہ کی بیماری کی حالت میں اپنے بڑے بیٹے حارث کو ان کی دیکھ بھال کے لیے یثرب (مدینہ) بھیج دیا تھا۔

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۵۸، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۹۹، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۱۷

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت

بی بی آمنہ کے بطن سے عبداللہ کی موت کے تقریباً دو ماہ بعد فخر موجودات سرور کائنات، نبی نوع انسان کی بزرگ ترین ہستی، اللہ کے آخری نبی و رسول سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اکثر مورخین کے مطابق آپ ﷺ کی پیدائش بروز دوشنبہ بارہ ربیع الاوّل ❶ قمری سال کے اعتبار سے ۱ھ عام الفیل ہوئی۔ شمسی سال کے مطابق یہ تاریخ مارچ / اپریل ۵۷۰ء میں اس صورت میں پڑتی ہے جب کہ ہجری کیلنڈر کے پہلے سال کی یکم محرم کی تاریخ ۱۶/جولائی ۶۲۲ء کو مانی جائے ❷۔ کچھ مورخین کے مطابق مثلاً علامہ شبلی نعمانی وغیرہ کے

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۵۸، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۰۰، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۵۶، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۷

❷ ابو النصر محمد خالدی، تقویم ہجری وعیسوی Comparative Tables of Hijri & Christian Dates. انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۳۹ء (اس تقویم کی نظر ثانی عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر مولوی محمود احمد خان صاحب نے کی تھی اور اس کی بنیاد جرمن ماہر فلکیات Wustenfled Mahler` Sehe کی تقویم پر ہے۔) حبیب الرحمٰن خان صابری، مفتاح التقویم، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی ۱۹۷۷ء ص ۱۶۸، مانٹگمری واٹ (مشہور مستشرق) کے مطابق بھی ہجری کیلنڈر کی شروعات (یعنی یکم محرم ۱ھ ۱۶/جولائی ۶۲۲ء کو ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو: Muhmmad in Mecca ص ۱۴۵، سید امیر علی بھی اس تاریخ سے کافی حد تک متفق ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "اس سال جبکہ یکم سنہ ہجری شروع ہوا ہے یکم محرم ۱۵/ جولائی ۶۲۲ء کو پڑی تھی۔" ملاحظہ ہو: The Spirit of Islam ص ۴۹۔ ایک دوسرا مستشرق ٹورانڈری Torandrae لکھتا ہے: "جہاں تک ہجرت کا سوال ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ ۶۲۲ء میں ہوئی تھی اور آپ ﷺ کی وفات دس سال بعد ۶۳۲ عیسوی میں ہوئی" ==

Marfat.com

نزدیک آپ ﷺ کی ولادت با سعادت ۹/ ربیع الاول کو ہوئی تھی ❶۔ المسعودی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت ۸/ ربیع الاول ہے ❷۔ جہاں تک دن کا سوال ہے اس پر تقریباً تمام مؤرخین متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت کا دن دوشنبہ (یوم الاثنین) تھا۔ بعض مسلم مؤرخین نے آپ ﷺ کی تاریخ ولادت اور دیگر انبیاء کے درمیان کی مدت کا بھی حساب لگایا ہے، چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کے ۶۱۵۵ سال بعد، طوفان نوح کے ۳۸۱۳ سال بعد، ابراہیم علیہ السلام کے تقریباً ۲۸۳۲ سال بعد، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ۲۲۸۷ سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ۵۷۰ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔

"آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے اپنے ایک خواب کے مطابق جس کو انھوں نے آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل دیکھا تھا آپ ﷺ کا نام احمد رکھا ❸ لیکن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔ اس نام سے عرب واقف تھے لیکن عام طور پر اپنے بچوں کا یہ نام نہیں رکھتے تھے ❹۔

= ملاحظہ ہو: Muhammad` The Man & His Faith ص ۳۳۔ بہر حال عیسوی کیلنڈر کے حساب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تاریخ ولادت بتانا ایک مشکل کام ہے۔ جہاں تک سال کا سوال ہے اس کے متعلق زیادہ تر سیرت نگار (بشمول ڈاکٹر محمد حمید اللہ) متفق ہیں کہ یہ ۵۷۰ء کا سال تھا۔ البتہ کچھ سیرت نگار مثلاً علامہ شبلی نعمانی اور محمود پاشا مصری فلکی (جن کی بنیاد پر علامہ شبلی نعمانی نے حساب لگایا ہے) یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سالِ ولادت ۵۷۱ء ہے۔ علامہ شبلی کے مطابق صحیح تاریخ ولادت ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء ہے۔ ملاحظہ ہو: سیرت النبیؐ: ۱/ ۱۷۱ اور ۱۷۲

❶ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ: ۱/ ۱۷۱، محمد خضری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلینؐ، قاہرہ، ۱۳۲۸ھ، ص ۹۔ یہ دونوں حضرات محمود پاشا المصری الفلکی کے حساب سے اتفاق کرتے ہیں جن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹/ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

❷ المسعودی، التاریخ، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ: ۱/ ۳۹۸

❸ ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/ ۹۹ اور ۱۰۴

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/ ۱۵۸، محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ: ص ۲۴۳

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کا خاکہ

قریش (فہر بن مالک)

- حارث
- محارب
- غالب (ولادت ۲۴۱ء)
- تیم
- فلج

غالب (ولادت ۲۴۱ء)
لوئ (ولادت ۲۷۴ء)
کعب (ولادت ۳۰۷ء) — (عدی حضرت عمرؓ کے جد اعلیٰ)
مُرّۃ (ولادت ۳۴۰ء) — (تیم حضرت ابوبکرؓ کے جد اعلیٰ)
کلاب (ولادت ۳۷۳ء)
قُصیّ (ولادت ۴۰۰ء)

- عبد مناف
- عبد الدار
- عبد العزیٰ

عبد مناف:

- نوفل
- عبد شمس — امیہ — حرب — ابوسفیانؓ — معاویہؓ
- ہاشم (۴۶۴ـ۵۰۶ء)
- مطّلب (متوفی ۵۲۰ء)

ہاشم — عبد المطلب یعنی شیبہ (۴۹۷ـ۵۷۹ء)

عبد المطلب:

- ابوطالب
- عبداللہ (۵۴۵ـ۵۷۰ء)
- عباسؓ
- حمزہؓ
- ابولہب
- حارث
- زبیرؓ وغیرہ

عبداللہ ← حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ولادت ۵۷۰ء)

حضرت محمد ﷺ ← فاطمہؓ (صاحبزادی)

ابوطالب:

- جعفرؓ
- عقیلؓ
- حضرت علیؓ

حضرت علیؓ — فاطمہؓ (صاحبزادی):

- حضرت حسینؓ
- حضرت حسنؓ

نوٹ: جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ سر سید نے (قصی تک) ہر پشت کے کے لیے ۳۳ سال کا اوسط لیا ہے۔

Marfat.com

زمانۂ رضاعت اور بچپن:

عربوں کے رواج کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں خالص عربی زبان سکھانے اور شہر سے باہر دیہات کے پُرفضا ماحول سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا گیا۔ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا اس وقت مکہ شہر میں اس قسم کے کسی مالدار بچے کی تلاش میں آئی ہوئی تھیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں (1)۔ چنانچہ وہ یتیم بچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پا کر بہت خوش ہوئیں، گویا کہ یہ چیز ان کے لیے خدا کی جانب سے متعین کر دی گئی ہو۔

دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلۂ ہوازن کے ایک خاندان بنوسعد سے تھا جو اپنی فصیح اللسانی اور خوش گوئی میں مشہور تھے۔ پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو سال تک رہے پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی، چنانچہ پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر وہ چلی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً 6 برس تک بنوسعد کے لڑکوں کے درمیان دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان کا خالص ترین لہجہ سیکھا۔ اسی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان ''بنوسعد کی زبان'' ہے (2)۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بڑی عزت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعزاز و اکرام میں کچھ کمی نہ اٹھا رکھی (3)۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا تو دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد حارث ابن عبدالعزیٰ نے بھی مکہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائیوں کے نام عبداللہ اور حذافہ اور رضاعی بہنوں کے نام انیسہ رضی اللہ عنہا اور شیماء رضی اللہ عنہا تھے (4)۔

---

(1) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۶۲ تا ۶۴، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۵۸، ۱۵۹

(2) ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۷۱، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۶۷

(3) ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۱۴، مزید ملاحظہ ہو: الاصابہ فی تمییز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی

(4) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۶۱، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۱۰

Marfat.com

شق صدر کا معجزہ:

دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کے دوران بہت سے معجزات آپ ﷺ سے رونما ہوئے جن کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ان میں شق صدر کا معجزہ بہت مشہور ہے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی عمر کے چوتھے سال ظہور پذیر ہوا۔ آپ ﷺ ایک دفعہ کھیل رہے تھے، اتنے میں دو سفید پوش فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور انھوں نے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا۔ پھر دل کے بعض کالے حصے کو نکال کر باہر پھینکا اور آپ ﷺ کے دل اور سینۂ مبارک کے اندرونی حصے کو ایسے صاف پانی سے دھویا جس کو وہ سونے کے طشت میں آسمان سے اپنے ساتھ لائے تھے [1]۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی اور آپ ﷺ کے ساتھ دوسرے کھیلنے والے لڑکے ڈر گئے اور وہ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی لیکن دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا جس وقت آپ ﷺ کے پاس پہنچیں تو فرشتے آپ ﷺ کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پورا قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ فرشتوں نے آپ ﷺ کے دل میں ایک نور بھر دیا ہے لیکن آپ ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی ہے۔

اکثر مغربی مؤرخین شق صدر کے معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ ولیم میور نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ (نعوذ باللہ) یہ حضور ﷺ پر کسی بیماری کے اثرات تھے۔ موجودہ عہد کے سیرت نگاروں میں سے محمد حسین ہیکل نے اس واقعے کو بطور معجزہ مانتے ہوئے تذبذب ظاہر کیا ہے [2]۔ وہ کہتے ہیں کہ ”بہت سے مؤرخین نے شق صدر کی روایت کو غیر مستند قرار دیا ہے [3]“ کیوں کہ بعض

---

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۱۳، ابن ہشام حوالہ مذکورہ: ۱/۱۶۶، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۵، المسعودی، حوالہ مذکورہ: ۱/۳۹۹، ابن خلدون، تاریخ: ۲/۷۱۱، محمد الخضری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین: ص ۱۱، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۹۲۸ء (۱۳۴۶ھ) ۳/۴۳۶ تا ۴۵، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تاریخ اسلام، دیوبند (انڈیا) ص ۳۹، شیخ عبداللہ ابن محمد ابن عبدالوہاب، سیرۃ رسول اللہ: ص ۱۳

[2] محمد حسین ہیکل، حیات محمد: ص ۲۴۸ و ۲۴۹

[3] محمد حسین ہیکل، حوالہ مذکورہ: ص ۲۴۹

Marfat.com

مؤرخین مثلاً طبری نے اس واقعے کو آپ ﷺ کی زندگی میں دو مرتبہ بیان کیا ہے۔ سرسید احمد خان نے اس کی تاویل سینے کی شرح (پھیلاؤ) سے کی ہے ❶۔ قرآن کریم میں مذکورہ ''شرح صدر'' (سورۂ الم نشرح، آیت ۱) کو وہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شق صدر کا واقعہ حضور ﷺ کے لیے بطور معجزہ رونما ہوا ہے، اس لیے ہمیں مغربی مؤرخین کی تنقید و تنقیص کی وجہ سے اسے قبول کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔ بعض مسلم مؤرخین نے سیرت اور حدیث کی کتابوں میں بیان کی گئی مختلف روایات کی بنیاد پر شق صدر کے واقعہ کو حضور ﷺ کی زندگی میں پانچ مرتبہ بتایا ہے ❷:

(۱) جب آپ ﷺ تقریباً پانچ برس کے تھے اور اپنی رضاعی ماں حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے تھے۔

(۲) جب آپ ﷺ کی عمر تقریباً دس سال ہو گی۔

(۳) جب آپ ﷺ تقریباً 20 برس کے ہوئے۔

(۴) آپ ﷺ پر وحی کے نزول سے کچھ دن پہلے۔ اور

(۵) معراج کے واقعہ سے قبل لیکن اس سلسلے میں بیان کی گئی بہت سی معتبر روایتوں کے مطابق شق صدر کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔

(۱) اس وقت جب حضور ﷺ کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی اور آپ ﷺ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے تھے۔ سیرت وحدیث کی بہت سی کتابوں میں یہ واقعہ ملتا ہے مثلاً صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، امام بخاری کی تاریخ صغیر، مستدرک حاکم، سنن دارمی، ابن ہشام کی سیرۃ النبی ﷺ، ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ، تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، تاریخ مسعودی، ابونعیم کی دلائل النبوۃ اور بیہقی وغیرہ۔ ان کتابوں میں بیان کی گئی تمام روایتوں میں وہ روایت جس کو امام احمد بن حنبل، امام مسلم، ابن سعد اور ابونعیم نے نقل کیا ہے اور جو حماد بن سلمہ سے منقول ہے سب سے زیادہ مستند ومعتبر ہے ❸۔

(۲) معجزۂ شق صدر کے متعلق دوسری قابل اعتبار اور مستند روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ

---

❶ سرسید احمد خاں، خطبات الاحمدیہ، کراچی ۱۹۶۴ء، ص ۴۶۴ تا ۴۶۸

❷ ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ: ۴۲۶/۳، اور شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی

❸ سید سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ: ۴۴۵/۳

Marfat.com

واقعہ معراج کے وقت رونما ہوا تھا۔ یہ روایت بھی حدیث و سیرت کی بہت سی کتابوں میں منقول ہے۔ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی ❶ وغیرہ۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات نہایت وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شق صدر کا معجزہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دو مرتبہ رونما ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ بچپن میں، اس وقت آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے شیطانی حصہ (مثلاً حسد، بغض، جلن وغیرہ) نکال باہر پھینکا گیا۔ دوسری مرتبہ معراج کی رات میں، اس وقت آپ ﷺ کے قلب کو علم و حکمت سے معمور کیا گیا اور سینہ مبارک کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا۔

حضرت آمنہ کی وفات:

اپنی عمر کے چھٹے سال میں حضرت محمد ﷺ اپنی رضاعی ماں حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے مکہ واپس تشریف لے آئے۔ حضرت آمنہ اپنے اکلوتے اور محبوب بیٹے کو پا کر بہت خوش ہوئیں اور ان کو لے کر (ایک روایت کے مطابق عبدالمطلب بھی ساتھ تھے) آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیالی رشتہ داروں کو دکھانے کے لیے یثرب کے لیے روانہ ہوئیں۔ یثرب میں ان کو اپنے مرحوم شوہر عبداللہ کی قبر کی زیارت بھی کرنی تھی، جو وہاں مدفون تھے۔ ان لوگوں نے وہاں پر تقریباً ایک ماہ قیام کیا، اس دوران حضرت محمد ﷺ نے یثرب (مدینہ) کے ایک تالاب میں تیرنا بھی سیکھا۔

جب بی بی آمنہ یثرب (مدینہ) سے واپس ہو رہی تھیں تو مکے کے راستے میں ایک مقام ابوا پر بیمار پڑیں اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح یتیم محمد ﷺ اب والدہ کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مکہ واپس تشریف لائے، ام ایمن رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ ﷺ کی والدہ کے ساتھ تھیں۔

عبدالمطلب کی کفالت میں:

کم سن محمد ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی سرپرستی میں آ گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بہت ہی محبت و شفقت سے پالا، لیکن ان کی یہ سرپرستی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی اور جب

❶ سید سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ: ۳/۴۴۸

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی عمر 8 سال کی تھی تو آپ ﷺ کے دادا کی بھی وفات ہوگئی۔اپنے انتقال کے وقت عبدالمطلب نے اپنے صاحب زادے ابو طالب کو بلایا اور کم سن محمد ﷺ کو ان کی نگرانی میں دے دیا۔رسول اللہ ﷺ کو اپنے دادا سے بے حد محبت تھی، جب آپ ﷺ کو ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

عبدالمطلب کی وفات سے بنو ہاشم کی بنوامیہ پر فوقیت ختم ہوگئی۔اب قریش کی سرداری (اور حکمرانی) بنوامیہ کے سردار حرب بن امیہ کے ہاتھ میں آ گئی۔صرف سقایہ کا منصب (جس کے تحت حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام کرنا ہوتا تھا) ہی ایسا عہدہ تھا جو بنو ہاشم کو دیا گیا اور عبدالمطلب کے ایک صاحب زادے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس منصب کے لیے منتخب کیا گیا۔

ابو طالب کی سرپرستی:

عبدالمطلب کے دس لڑکے تھے جن میں عبداللہ اور ابو طالب سگے بھائی تھے [1]۔اس طرح ابو طالب حضور ﷺ کے سگے چچا تھے۔انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نہایت ہی شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اپنے حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ محبت و پیار عطا کیا۔رسول اللہ ﷺ نہایت سلیقہ مند، لوگوں میں انتہائی محبوب اور خوش مزاج لڑکے تھے۔ آپ ﷺ کی ان صفات کی بنا پر ابو طالب آپ ﷺ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا کھانا پینا اور سونا بھی انھی کے ساتھ ہوتا۔دوسرے بچوں کی طرح آپ ﷺ ضدی اور ہٹ دھرم نہیں تھے، کیسے ہی نا مساعد حالات کیوں نہ ہوں آپ ﷺ کبھی بھی حوصلہ پست نہیں کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ شروع سے ہی کم گو، خوش طبع و سنجیدہ تھے۔ان تمام صفات کی وجہ سے آپ ﷺ نے سب لوگوں کا دل موہ لیا تھا۔اپنی دل آویزی اور خوش مزاجی کی وجہ سے آپ ﷺ سب کے منظورِ نظر بن گئے تھے۔

ابو طالب ایک مالدار شخص نہیں تھے، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات اپنے گزر اوقات کے لیے کام کرنا پڑتا تھا۔عرب میں مالدار گھرانوں کے بچے بھی بکریوں اور بھیڑوں کے گلے کی نگرانی کرتے تھے۔چونکہ یہی گلے ان کا سرمایہ و مال و متاع تھے اس لیے اس کی نگرانی حقیر و معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی بغیر کسی تامل کے اس کام میں ہاتھ بٹایا اور

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۷۹، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۳۹

Marfat.com

ہمیشہ اسے بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ اپنی نبوت کے زمانے میں ایک مرتبہ آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھربیریوں سے بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو زیادہ سیاہ ہوں انھیں توڑو کیوں کہ وہ زیادہ مزے دار ہوتے ہیں، یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا[1]۔'' درحقیقت نبی کریم ﷺ دوسروں پر بوجھ بننے کے بجائے اپنا کام خود کرنا زیادہ پسند فرماتے تھے۔ بچپن ہی سے آپ ﷺ کی حساس طبیعت غریبوں اور پریشان حال لوگوں کی تکالیف ومصائب سے باخبر تھی۔

اس زمانے میں عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا، اور تجارتی ذہن رکھنے والے قریش اس کام کو ادنیٰ وحقیر سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ امی رہ گئے لیکن بعد میں یہی یتیم اور اُمی لڑکا علم وحکمت کا مخزن بنا۔ آپ ﷺ نے اگرچہ کسی دنیوی استاد سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا لیکن پھر بھی تمام بنی نوع انسان کے معلم ورہنما بنے۔ یہ درحقیقت ایک بہت بڑا معجزہ تھا جس کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

(قرآن کریم، سورہ عراف: آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

''جو لوگ کہ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ ہے) کہ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۲۶

Marfat.com

پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی اُمی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور (نبی) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ (راست) پر آجاؤ۔"

شام کا سفر:

رسول اللہ ﷺ کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی (ابن اثیر اور ابن جریر کے نزدیک آپ ﷺ کی عمر اس وقت ۹ سال کی تھی[1]) کہ ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام کا ارادہ کیا۔ لمبے سفر کی کلفتوں اور مشقتوں کی بنا پر ابو طالب حضور ﷺ کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کو مکہ ہی میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا لیکن آنحضور ﷺ کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ آپ ﷺ ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور ان کے ساتھ جانے پر مُصر ہوئے۔ ابو طالب نے اپنے محبوب بھتیجے کی دل شکنی گوارا نہیں کی اور اس سعید و مبارک بچے کو اپنے ساتھ لے لیا۔

بعض روایتوں کے مطابق اس سفر میں نبی کریم ﷺ جب بُصریٰ پہنچے تو ایک عیسائی راہب "بحیرا" سے ملاقات ہوئی۔ بحیرا آپ ﷺ کو دیکھ کر پہچان گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ کیوں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کارواں کے ساتھ پہاڑ سے اتر رہے تھے اس وقت بادل کا ایک ٹکڑا آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے تھا اور ایک درخت کی شاخیں آپ ﷺ پر جھکی

---

[1] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۷۸، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۲/۳۷

Marfat.com

ہوئی تھیں ❶۔ بحیرا نے کارواں کو (جس کی قیادت ابو طالب کر رہے تھے) کھانے کی دعوت دی۔ دعوت کے بعد اس نے نبی کریم ﷺ کی پیٹھ کا بغور مشاہدہ کیا جہاں اسے گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں فاختہ کے انڈے کی طرح ختم نبوت نظر آئی ❷۔ طبری کے بیان کے مطابق بحیرا نے آپ ﷺ کو دیکھ کر یہ بھی کہا تھا کہ آپ ﷺ رسول رب العالمین، رحمت للعالمین اور سید العالمین ہیں ❸۔

بعض محققین نے اس قسم کی احادیث کو ان کے نزدیک، ان کی اسناد کے غیر مستند ❹ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا ہے اور اس طرح انھوں نے مغربی سیرت نگاروں کے ان الزامات کی تردید کی ہے جو کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر لگائے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سفر میں اس راہب کے ذریعے عیسائیت کی تعلیم حاصل کی، اور بعد میں اس کو اپنی تعلیمات کا جزو بنا کر پیش کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی سیرت نگاروں کے یہ الزامات سراسر لغو اور جھوٹ ہیں اور حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس سفر میں اس راہب سے کسی قسم کا سوال بھی کیا بلکہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس راہب نے آپ ﷺ کو آخری رسول کی حیثیت سے پہچانا اور پھر دوسرے لوگوں کو اس کی اطلاع دی۔ کوئی بھی روایت ہمیں یہ نہیں بتاتی ہے کہ اس راہب نے رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی قسم کی کوئی تعلیم دی تھی۔ مزید برآں یہ یقین کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ایک ۹ سالہ (وہ عمر جو کہ بعض مؤرخین نے اس موقع پر تحریر کی ہے) یا بارہ سالہ لڑکا صرف ایک ملاقات میں کسی مذہب کے فلسفے کو سمجھ گیا ہو اور نہ صرف یہ بلکہ ۳۱ یا ۲۸ سال کے بعد اس کو اپنی

---

❶ ابن جریر طبری: ۲/۲۷۷، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۷، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۲

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۷۱ و ۱۷۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۷۲، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۳۷

❸ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۷۸، مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ

❹ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی تحریر کرتے ہیں: "یہ حدیث حسن و غریب ہے۔ ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔" علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" میں اس پر جرح کرتے ہوئے کیا ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی ضعیف ہے۔ علامہ ابن قیم نے بھی اس حدیث کی سند کو ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد: ۱/۱۸، نیز ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ از علامہ شبلی نعمانی: ۱/۱۸۰ و ۱۸۱

Marfat.com

تعلیمات کے ذریعے ایک مختلف مذہب کی شکل میں پیش کیا ہو۔ ایسا خیال بھی کرنا مہمل اور بعید از قیاس ہے۔ درحقیقت مغربی سیرت نگاروں (مستشرقین) کا مقصد تاریخ اسلام میں ایسی بنیادوں پر شکوک وشبہات ذہنوں میں ڈالنا ہے جن کا خود ان کے نزدیک کوئی وزن نہیں ہے۔

کچھ روایتوں کے مطابق بحیرا نے ابو طالب سے کہا کہ وہ آپ ﷺ کو ملک شام نہ لے جائیں کیوں کہ اس کو ڈر تھا کہ اگر یہودیوں نے آپ ﷺ کو ایک پیغمبر کی حیثیت سے پہچان لیا تو وہ آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کریں گے اس لیے رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کے ہمراہ مکہ واپس تشریف لے آئے [1]۔

حربِ فجار اور حلف الفضول:

اسلام سے قبل عرب کے قبائل کی کوئی مرکزی تنظیم نہیں تھی۔ معمولی سی اشتعال انگیزی سے بھی اُن کی آپسی جنگ نسلاً درنسلٍ جاری رہتی۔ رسول اللہ ﷺ جب چودہ یا پندرہ برس کے ہوئے تو قبیلۂ قیس اور قریش کے درمیان عکاظ کے میلے میں ایک زبردست جنگ چھڑ گئی جو تاریخ میں حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ اس لڑائی کو فجار اس لیے کہتے ہیں کہ ایام حرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں لڑنا ناجائز تھا [2]۔ اس جنگ میں تمام قریشی افواج کا بشمول قبیلۂ کنانہ سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا [3]۔ بنو ہاشم کے قائد زبیر بن عبدالمطلب تھے جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فطری طور پر اس میں شرکت فرمائی لیکن لڑائی میں آپ ﷺ نے بالمشافہ و دوبدو کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ آپ ﷺ صرف دشمن کی جانب سے پھینکے گئے تیروں کو اکٹھا کرتے [4] اور اپنے چچا ابو طالب کو اٹھا کر دیتے تھے۔

مسلسل جنگ کی بنا پر ہزاروں جانیں ضائع ہو چکی تھیں اور کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا۔ عرب میں زندگی غیر محفوظ ہو گئی تھی، ظالم و جابر اشخاص کمزوروں اور غریبوں پر ظلم

---

1. ابن سعد، حوالہ مذکورہ:۱/۱۵۵، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ:۲/۲۷۸، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ:۲/۳۸
2. علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ:۱/۱۸۲
3. ابن ہشام، حوالہ مذکورہ:۱/۱۸۶، ابن سعد، حوالہ مذکورہ:۱/۸۲
4. ابن ہشام، حوالہ مذکورہ:۱/۱۳۶

Marfat.com

کرنے لگے تھے یہاں تک کہ بعض نرم دل انسانوں کو اس کا احساس ہوا اور انھوں نے ایک امن کمیٹی بنانے کی پرزور کوشش کی۔ جنگ فجار کے بعد زبیر بن عبدالمطلب نے ایک پرانے معاہدے کی تجدید کرنے کی تجویز پیش کی جو حلف الفضول ❶ کے نام سے مشہور تھا اور جو کمزوروں، غریبوں اور یتیموں کی حمایت و مدد کے لیے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم زبیر بن عبدالمطلب کی قیادت میں نیز بنو زہرہ و تمیم قبیلے ایک معزز قریشی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ رُوئے زمین پر ہر قسم کے جور و ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے عہد نبوت میں فرمایا کہ ''اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی بلائے تو میں تیار ہوں ❷۔''

امین و صادق:

رسول اللہ ﷺ اپنی معاش کے سلسلے میں کبھی کسی کے اوپر بوجھ نہیں بنے۔ بچپن میں آپ ﷺ نے بھیڑ اور اونٹ کے ریوڑ کی نگہبانی کی اور جب جوان ہوئے تو تجارت شروع کر دی جو عربوں کے نزدیک بہت ہی معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ تجربہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہو گیا تھا جن کا ذریعۂ معاش ایک عرصہ سے تجارت تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی غیر معمولی دیانت داری و ایمان داری نیز حسنِ کارکردگی میں اس وقت کے تمام تاجروں کے برخلاف ایک مثالی شخصیت کے حامل تھے۔ آپ ﷺ بہت سے محاسن و خوبیوں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش اخلاق، مخلص اور شریف نوجوان تھے۔ سچائی کے ساتھ آپ ﷺ کی بے مثال وابستگی اور اپنے معاملات میں مکمل دیانت داری نیز کاموں میں انتہائی عالی حوصلگی کی وجہ سے لوگوں میں آپ کا لقب ''امین'' و ''صادق'' پڑ گیا تھا ❸۔

آپ ﷺ اپنے وعدہ کے اس قدر پکے تھے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی عبداللہ بن ابی

---

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۲۸، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ (مطبوعہ دارالقلم بیروت): ۱/۱۴۰

❷ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۴۱

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ (مطبوعہ قاہرہ): ۱/۱۹۸، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۹۰، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۵۶

Marfat.com

الحسماء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (نبی ہونے سے قبل) کوئی چیز خریدی جس کی کچھ قیمت ادا کرنے سے باقی رہ گئی تھی۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ وہ باقی قیمت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر (کچھ دیر میں) حاضر ہوں گے لیکن وہ اس وعدے کو بھول گئے۔ تیسرے دن ان کو یہ بات یاد آئی تو وہ باقی قیمت لے کر اس جگہ پہنچے جہاں کا وعدہ کیا تھا۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر برہم نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کہا: ''تم نے مجھے بڑی مشقت میں مبتلا کیا۔ میں یہاں پر تین دن سے (اپنا وعدہ پورا کرنے) تمھارا انتظار کر رہا ہوں ❶۔''

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ چند اونٹ فروخت کیے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا کہ ان میں سے ایک اونٹ لنگڑا تھا۔ یہ یاد آنا تھا کہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر اس آدمی کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ اسے پا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو لنگڑے اونٹ کی قیمت لوٹا دی اور اونٹ کو واپس لے لیا۔ ایمان داری اور حسن کارکردگی کی ایسی مثالیں سرزمین عرب میں اس وقت بالکل ناپید تھیں۔ اپنے اسی قابل تقلید و مثالی برتاؤ کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے بہت ہی معزز نوجوان تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تجارت تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک تجارت تھا۔ میں نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معاملات میں بہت زیادہ ایمان دار پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا اور نہ کبھی کوئی غلط بیان ہی دیا ❷۔''

اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان داری اور حسن معاملات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ اعتبار و بھروسہ کیا اور اپنی امانتیں و مال وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور امانت رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تجارت شام، یمن اور دوسرے مقامات کا بھی سفر کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شریک تجارت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت عرب میں دور دور تک پھیل گئی، مکہ میں ایک مالدار و باعزت بیوہ خاتون، خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و دیانت کے بارے میں سن کر انھوں

❶ مشکوٰۃ، باب الوعد، سنن ابوداؤد، کتاب الاداب، باب فی الوعد: ۳۲۶/۲

❷ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۲۵۳/۵

Marfat.com

نے آپ ﷺ کو اپنا شریک تجارت بنانے کی پیش کش کی ❶۔ اپنے چچا سے مشورہ کرنے کے بعد آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر شام تشریف لے گئے۔ اپنی ایمان داری کی بدولت اس سفر میں آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی توقعات سے کہیں زیادہ منافع حاصل کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر اس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی ایمان داری و دیانت کی بڑی تعریف کی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی حسن کارکردگی اور امانت داری نے ان کے دل میں گھر کرلیا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سفر میں آپ ﷺ کو ایک اور عیسائی راہب نسطورا ملا جس نے آپ ﷺ کو نبی آخرالزماں ؐ کی حیثیت سے پہچان لیا ❷۔ اگرچہ یہ حدیث بہت زیادہ مستند نہیں ہے (جیسا کہ بحیرا راہب والی روایت کے سلسلے میں لوگوں نے کہا ہے) تاہم اسی قسم کی دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام علامات جو آخری رسول ﷺ کے بارے میں پچھلی آسمانی کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں وہ سب کی سب رسول اللہ ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ بعد میں اہل کتاب کے علماء نے رسول اللہ ﷺ سے حسد و دشمنی کی بنا پر ان میں سے بعض ایسی علامتوں میں تحریف کردی جو آپ ﷺ کے بارے میں ان کتابوں میں درج تھیں۔

شادی مبارک:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک معزز بیوہ خاتون تھیں جن کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی اور دو لڑکوں اور ایک لڑکی کی ماں تھیں۔ قریش کے بہت سے سرداروں نے آپ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کی پیش کش کی تھی لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے ان کی اس پیش کش کو ہمیشہ ٹھکرا دیا تھا ❸۔ حضرت محمد ﷺ کے اعلیٰ کردار نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت متاثر کیا اور انھوں نے آپ ﷺ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ شام کے کامیاب تجارتی سفر سے واپسی کے

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۷۸، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۳۰

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۸۸، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۵۶ اور ۱۳۰، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۷، طبری نے اس واقعہ کو مختصراً بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: ۲/۱۸۰، نیز الکامل فی التاریخ از ابن اثیر: ۲/۳۹

❸ ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۳۱، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۴۰، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۸۱

Marfat.com

تین مہینے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کرنے کا پیغام بھیجا[1]، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۲۵ سال کی تھی۔ اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے اس تفاوت کے باوجود یہ رشتہ قبول کر لیا۔ ابو طالب نے شادی کا انتظام کیا اور پانچ سو درہم مہر پر نکاح کیا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس مقدس و محترم نوجوان کی شرافت، فطری قابلیت و ذہانت اور اعلیٰ کردار کو پوری طرح پہچان لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالی اوقات کو بغیر کسی خلل و ہرج کے پوری طرح آزادی سے گزارنے کا سامان مہیا کیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فکر و افسردگی کے لمحات میں تسکین کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تجارت پوری طرح سپرد کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے سلسلے میں عرب کے متعدد مقامات، یمن و بحرین کا بھی سفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جو اپنے مالکوں کے ظلم سے تنگ آ چکے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک غلام زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں کی مدد کرتے تھے اور وہ مقروض لوگ جو اپنا قرضہ ادا نہیں کر سکتے ان کا قرضہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے ادا کر دیا کرتے تھے۔

یہ مبارک جوڑا نہایت خوش و خرم اور مثالی ازدواجی زندگی گزار رہا تھا۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بچے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی تھے۔ جہاں تک لڑکیوں کا سوال ہے سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار لڑکیاں تھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ لڑکے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئے ان کی تعداد کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن القیم کی تحقیق کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم رضی اللہ عنہ تھا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام عبد اللہ تھا جو بعثت کے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے ان کو "طیب و طاہر" بھی کہا جاتا تھا[2]۔ ان دونوں

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۷۹، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۳۱ تا ۱۳۳، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۸۰، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۳۹، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۷۲

[2] علامہ ابن القیم، زاد المعاد: ۱/۲۵، ۲۶، مزید ملاحظہ ہو: الروض الانف از امام عبد الرحمٰن سہیلی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حکایات صحابہؓ: ص ۱۴۲

Marfat.com

صاجزادوں کا انتقال بچپن میں ہی مکہ مکرمہ میں ہو گیا تھا۔ (نوٹ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک تیسرے صاجزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے ان کا انتقال بھی بچپن میں ہو گیا تھا۔) صاجزادیوں میں سب سے بڑی صاجزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، ان کے بعد بالترتیب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو:

ایک سال مکہ کے اردگرد پہاڑیوں پر زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے ایک زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا کیوں کہ کعبہ جو کہ مسجد حرام کے اندر بنا ہوا ہے مکہ کی اس وادی کے بیچوں و بیچ تقریباً سب سے نچلے حصے میں واقع ہے جو کہ پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ قریش نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاقاً مکہ کی بندرگاہ (جدہ) پر تاجروں کا ایک بحری جہاز ٹوٹ گیا تھا، اہل مکہ نے اس کے تختے خرید لیے اور اس پاک عمارت کو دوبارہ تعمیر کرنا شروع کیا۔ مختلف قبیلوں نے مل جل کر اس تعمیر میں حصہ لیا۔ جب کعبہ کی عمارت تقریباً مکمل ہو چکی تھی تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر دوبارہ نصب کرنے کے سلسلے میں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ اس مبارک پتھر کو نصب کرنے کا شرف اسی کو حاصل ہو۔ اس جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ معاملے کو حل کرنے کے لیے تلواریں میان سے نکل آئیں۔ یہ دیکھ کر ایک بزرگ قریشی سردار ابوامیہ ابن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح کو جو شخص مسجد حرام میں سب سے پہلے داخل ہو وہ یہ فیصلہ کرے کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔ سب لوگ ان کی اس رائے پر متفق ہو گئے۔ اگلی صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے (1)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب ایک آواز سے چلائے: لو، امین آ گئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے، ہم سب ان پر راضی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پُر امن حل نکال لیا۔ اور فرمایا ایک چادر لاؤ اور اس کے بعد حجر اسود اس پر رکھ دیا اور پھر ہر قبیلے کے سردار کو بلا کر کہا کہ وہ سب مل کر اس چادر کو اٹھائیں یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ جائے جہاں حجر اسود نصب کرنا ہے۔ جب وہ چادر اس مقام تک پہنچ گئی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(1) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۹۷، ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۴۶، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۹۰
ابن اثیر: حوالہ مذکورہ: ۲/۴۵، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۳۷

Marfat.com

نے اس مبارک پتھر کو اٹھا کر اس کی اصل جگہ پر نصب کر دیا۔ اکثر مؤرخین کے مطابق کعبہ کی تعمیرِ نو رسول اللہ ﷺ کی شادی کے بعد ہوئی جبکہ آپ ﷺ کی عمر تقریباً ۳۵ سال کی تھی ❶۔

شرک سے نفرت:

رسول اللہ ﷺ کو بچپن سے ہی شرک سے نفرت تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی بت یا مورتی کے سامنے کوئی قربانی یا نذر پیش نہیں کی ❷۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ قریش نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا لا کر رکھا، یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا، آپ ﷺ نے کھانا کھانے سے انکار کیا ❸۔ وحی آنے سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کی عبادت نہیں کی اور نہ ہی کسی دوسرے جھوٹے خدا کے سامنے سر جھکایا۔

بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ برائیوں اور گناہوں سے بچتے رہے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی ناشائستہ و نازیبا تفریحی پروگرام یا نوجوانوں کی کسی لطف اندوز مجلس میں شرکت نہیں کی۔ ایک یا دو موقعوں پر آپ ﷺ نے کچھ تفریحی پروگراموں میں شرکت کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو ایسے نازیبا کام سے غیبی طور سے بچا لیا۔ جب آپ ﷺ ایک نوجوان لڑکے تھے تو آپ ﷺ کے کچھ دوستوں نے آپ ﷺ کو گپ شپ اور قصہ گوئی میں رات گزارنے کے لیے مدعو کیا لیکن آپ ﷺ کو نیند آ گئی اور جب آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ وہاں نہیں جا سکے۔ ایک مرتبہ کعبہ کی دیواروں کی مرمت کی جا رہی تھی۔ کچھ کم عمر بچوں نے اپنی لنگیاں کندھوں پر رکھ لیں جن پر پتھر رکھ کر وہ لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب (ابن خلدون کے مطابق عباس رضی اللہ عنہ) نے آپ ﷺ کو دوسرے بچوں کی طرح کرنے کی ہدایت دی لیکن آپ ﷺ اس کم عمری میں بھی اتنے باحیا تھے کہ جب آپ ﷺ نے اپنی لنگی اتاری تو آپ ﷺ کو غش آ گیا اور گر پڑے ❹۔

---

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۴۵، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۹۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ: ۲/۲۸۳، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ: ۲/۴۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۳ے

❷ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۹۱

❸ ایضاً

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۸۳، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ: ۲/۱۱ے

Marfat.com

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست مکہ کے نیک اور شریف لوگ تھے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ ❶ وغیرہ۔ اس زمانے میں مکہ میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو شرک کو ناپسند کرتے تھے اور صراط مستقیم کی تلاش میں تھے۔ ان لوگوں میں ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث، عبیداللہ ابن جحش، زید ابن عمرو ابن نوفل کے نام خاص طور پر لیے جاتے ہیں ❷۔ ان لوگوں نے بت پرستی سے پوری طرح منہ موڑ لیا تھا۔ ورقہ ابن نوفل اور عثمان ابن حویرث عیسائی بن گئے تھے۔ زید ابن عمرو کا ایک اللہ کی تلاش میں انتقال ہو گیا جب کہ باقی لوگ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۷۶

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ: ۱/۱۲۳

Marfat.com

آغازِ وحی اور مکہ مکرمہ میں دعوت الی اللہ

غارِ حرا میں مراقبہ:

روز بروز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلچسپی اپنی تجارت میں کم ہوتی گئی۔ مکہ کے قریب ایک پہاڑ میں حراء نام کا ایک مشہور غار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور عرصہ تک وہاں قیام کر کے مراقبہ فرماتے ❶۔ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا مہینہ، خصوصاً ماہ رمضان المبارک، وہاں گزار دیتے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت صرف یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حقیقی خالق اور زندگی کے پُراسرار اور دربستہ رازوں کی حقیقت معلوم کرنے میں مستغرق رہتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کا کچھ سامان بھی اپنے ساتھ لے جاتے، جب وہ ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب بھی نظر آنے لگے تھے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتے تھے بعینہٖ وہی پیش آتا تھا ❷۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بت پرستی اور انسانیت سوز حرکتوں، نیز ان کے دیگر بُرے طور طریقوں سے پوری طرح الگ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر کے چالیسویں سال میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غور وفکر و مراقبہ میں اضافہ کر دیا۔ لوگوں کی بت پرستی اور اخلاقی پستی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن و دماغ پر بہت زیادہ اثر تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح راستے کی تلاش میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا انکشاف کیا ہے:

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ (سورہ الضحیٰ ۹۳:۷)

---

❶ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ا ص ۲، ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۱۴۷ وغیرہ

❷ عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ا، ص ۱۵۳، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۱۹۴، صحیح بخاری، باب بدء الوحی ج ا، ص ۲، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ا ص ۲۹۸۔

Marfat.com

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو (شریعت سے) بے خبر پایا۔ سو آپ ﷺ کو شریعت کا) راستہ بتلا دیا۔''

وحی الٰہی کا ظہور:

تقریباً سات سال تک نبی کریم ﷺ سچے راستہ کی تلاش میں غار حراء میں جا[تے] رہے، اس مدت کے دوران آخری چھ مہینے میں آپ ﷺ کی آمدورفت زیادہ ہوگئی تھی او[ر] آپ ﷺ مسلسل سچے اور پاکیزہ خواب دیکھنے لگے تھے۔

اب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تھی۔ یہ عمر کی وہ منزل ہے جس می[ں] انسان کی عقل و سمجھ پختہ ہو جاتی ہے، حیوانی جذبات ماند پڑ جاتے ہیں، آرزوؤں اور تمناؤں [کی] شدت میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے اور روحانی قوتیں حیوانی جذبات پر غلبہ پانے لگتی ہیں[۔]

رمضان المبارک ۶۱۰ء کا مہینہ تھا (محمد ابن سعد کے مطابق دوشنبہ کا دن اور سترہ تار[یخ] تھی)، رسول اللہ ﷺ غار حراء میں گہرے مراقبہ میں مشغول تھے کہ اچانک آپ ﷺ [نے] جلیل القدر فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے آپ ﷺ کو حکم دیا: ''پڑھو [1]'' آپ ﷺ ''امی'' تھے یعنی آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ سہم گئے او[ر] فرمایا: ''میں پڑھ نہیں سکتا۔'' حضرت جبریل نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا یہاں تک [کہ] آپ ﷺ کو شدید تکلیف محسوس ہوئی پھر آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھو، آپ ﷺ [نے] پھر جواب دیا: ''میں پڑھ نہیں سکتا۔'' فرشتے نے اسی طرح آپ ﷺ کو تین بار دبایا ا[ور] آپ ﷺ سے پڑھنے کو کہا، آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہو[ں]۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے کہا [2]:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ

---

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ ج ا ص ۱۹۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹۸، ۲۹۹۔

[2] صحیح بخاری، باب بدء الوحی ج ا ص ۲، ۳، ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ا ص ۲۳۶، ابن جریر طبری، حو[الہ] مذکورہ، ج ۲ ص ۲۹۹، مزید ملاحظہ ہو: الدرر از ابن عبدالبر، (ص ۳۳، ۳۴)، الروض الانف [از] عبدالرحمٰن سہیلی (ج ا) ص ۱۵۴، اور صحیح مسلم وغیرہ

Marfat.com

يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق ۹۶: ۱ تا ۵)

''آپ ﷺ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ، جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ ﷺ پڑھیے۔ اور آپ ﷺ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی ہے (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔''

اللہ کے آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ پر یہ پہلی وحی تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا ظر آنا رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا، آپ ﷺ اس حالت میں گھر لوٹے کہ کانپ رہے تھے اور اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''مجھے کمبل اڑھا دو۔'' ''مجھے کمبل اڑھا دو'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو کمبل اڑھا دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ڈر جاتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دی: ''خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، دوستوں کی مدد کرتے ہیں، ناتوانوں و کمزوروں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، برائیوں کو دفع کرتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں (لوگوں کی) مدد کرتے ہیں ❶۔''

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں توریت اور انجیل کے عالم تھے۔ انجیل کا عبرانی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔ انھوں نے آنحضور ﷺ سے واقعے کی کیفیت سنی تو کہا: ''اے میرے بھتیجے یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی۔'' رسول اللہ ﷺ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرطِ استعجاب سے پوچھا کہ ''کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟''۔ ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں جب بھی کوئی اللہ کی طرف سے ایسا پیغام لے کر آیا ہے جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں تو اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا

❶ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۲۹، صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱ ص ۳، مزید ملاحظہ ہو الدرر ابن عبد البر (ص ۳۴)، اور صحیح مسلم

Marfat.com

ہے ❶۔ پھر کچھ دنوں کے لیے وحی کا آنا بند ہو گیا اور اسی درمیان ورقہ بن نوفل کی وفات ہوگئی۔

ایک بیوی اپنے شوہر کی کمزوریوں اور بری عادتوں سے نیز اس کی خوبیوں سے پوری طرح واقف ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ کردار کے بارے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ تصدیق آپ ﷺ کے بلند اخلاق اور نمایاں صفات کا بہترین خاکہ پیش کرتی ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ تمام انسانیت کے لیے ایک بہترین نمونہ تھے۔

پہلی وحی آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا یہ ڈر و خوف فطری تھا۔ نبوت کا منصب ایک بڑی ذمہ داری کا منصب ہے اور نزول وحی کی کیفیت ایک مشقت ترین و جاں گداز تجربہ ہے جس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"اور میں نے سخت سردی کی حالت میں آپ ﷺ پر وحی اترتے دیکھی ہے۔ جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا❷۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ اس وقت کا واقعہ بیان کرتی ہیں جب کہ نزول وحی کی کیفیت آپ ﷺ کو پوری طرح تجربہ ہو چکا تھا۔ اس کی روشنی میں نزول وحی کے پہلے تجربے کی شدت سختی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد تقریباً چھ مہینے ❸ تک وحی کا سلسلہ بند رہا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ سخت روحانی تکلیف میں مبتلا رہے ❹۔ پھر اچانک آپ ﷺ کو دوبارہ وہی فرشتہ آسمان زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا جو غار حرا میں آیا تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ ﷺ

❶ عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۱ ص ۱۵۶، صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱، ص ۳، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹۹، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۳۴، ۳۵۔

❷ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ابن سعد، حوالہ مذکورہ ج ۱ ص ۱۹۸۔

❸ جہاں تک فترت الوحی کے زمانے کا تعلق ہے اس کی مدت میں کافی اختلاف ہے، مختلف روایتوں میں یہ مدت ۲۱ دن، ۱۵ دن، ۲۰ دن، ۴۰ دن یہاں تک کہ ڈھائی سال بھی بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو الروض الانف از عبدالرحمٰن سہیلی، ج ۱، ص ۱۶۱، اور الدرر از ابن عبدالبر، ص ۳۵، عبداللہ ابن عباس کے نزدیک یہ زمانہ چھ ماہ کا تھا جیسا کہ الروض الانف میں تحریر ہے (ج ۱، ص ۱۶۱)

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۴۱، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۱۹۶، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۵، صحیح بخاری، کتاب التعبیر (ج ۱، ص ۱۰۳۴)

Marfat.com

خوف زدہ ہو گئے (لیکن پہلی مرتبہ کے مقابلے میں یہ خوف کچھ کم تھا) آپ ﷺ وہاں سے گھبرائے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''مجھے کمبل اڑھا دو۔'' پھر آپ ﷺ پر مندرجہ ذیل وحی نازل ہوئی ❶۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ بالکل جاری رہا اور لمبے عرصہ تک کبھی منقطع نہیں ہوا۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ○ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ﴾ (سورہ مدثر ۷۴: ۱ تا ۵)

''اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو، اور (کافروں کو) ڈراؤ، اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو۔''

ابن ہشام اور کچھ دیگر سیرت نگاروں کے مطابق اس موقع پر (زمانۂ فترت الوحی کے بعد) سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی ❷۔

رسول اللہ ﷺ اللہ کے حکم کی تعمیل میں پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے احکامات کی تبلیغ کی اور ان کو غلط راستے اور برائیوں سے روکا۔ اس طرح دعوت الی اللہ اور اخروی نجات کا یہ عظیم کام جو انسانیت کا نہایت اہم، معزز و معظم اور باعظمت کام ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا انتہائی مشکل و دشوار کام تھا شروع ہو گیا جس کی ٹریننگ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو ۴۰ برس تک دی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام لوگوں کے سامنے اس عظیم ہستی ﷺ کی فوقیت اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی بنا پر آشکارا ہو چکی تھی۔

اب حضرت محمد ﷺ اللہ جل شانہ کے مبعوث کردہ نہ صرف ایک رسول و نبی تھے بلکہ آخری نبی و رسول تھے۔ وہ وحی جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی، اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید

❶ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۵ تا ۳۱۰، مزید ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، الدرر از ابن عبد البر، ص ۳۷، اور صحیح مسلم وغیرہ۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا ص ۲۴۲، محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ ص ۳۰۹، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۳۰۰، حالاں کہ طبری کہتا ہے کہ اس موقع پر سورہ مدثر نازل ہوئی تھی لیکن پھر بھی انھوں نے سورۃ الضحیٰ کے متعلق بھی مختلف اقوال نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ کچھ حضرات کے نزدیک سورۂ علق کے بعد سورۂ ضحیٰ نازل ہوئی تھی۔

Marfat.com

ہے۔ اور آپ ﷺ کے اقوال بھی وحی کا ایک حصہ ہیں یعنی وحی خفی (یا وحی غیر متلو) کیونکہ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم ۵۳:۳،۴)

''اور آپ ﷺ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد صرف وحی ہے جو آپ ﷺ پر بھیجی جاتی ہے۔''

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ رسول اور نبی دونوں ہی پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے لیکن رسول کو ایک نئی شریعت بھی عطا کی جاتی ہے جب کہ نبی اسی شریعت کی تبلیغ کرتا ہے جو کہ اس سے پہلے کسی رسول پر بذریعہ وحی نازل کی جا چکی ہو۔ اس لیے ایک رسول کا نبی ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو[1]۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد اب نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول، ایسے تمام لوگ جنھوں نے آپ ﷺ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کیا ہے یا آئندہ دعویٰ کریں دجال و کاذب ہوں گے، کیونکہ اب نبوت و رسالت کا دروازہ قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے، اس لیے تمام جھوٹے مدعیان نبوت جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کیا ہے یا آئندہ ایسا دعویٰ کریں، یا اپنے اوپر وحی کے نزول کا دعویٰ کریں دائرۂ اسلام سے باہر تصور کیے جائیں گے۔

ابتدائی مسلمانوں میں سابقین اولین:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اب اپنے آپ کو سرزمین عرب کی سب سے خوش قسمت خاتون سمجھا، اپنے شوہر ﷺ کی نبوت کا فوراً اقرار کرلیا۔ اس لیے یہ صدیقہ خاتون وہ سب سے پہلی ہستی تھیں جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی[2] اور حق و باطل میں امتیاز کیا۔ وہ اپنے شوہر کے لیے ایک عظیم سرمایہ ثابت ہوئیں اور ہر قسم کے حالات میں آپ ﷺ کی معین و مددگار رہیں۔

---

[1] ابن منظور، لسان العرب (فصل النون، حرف الھمزہ)، ج ۱ ص ۴۵۷، مولانا محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، مطبوعہ رسالہ برہان (دہلی، مارچ ۱۹۷۶ء) ج ۷۶، شمارہ ۳ ص ۱۳۹۔

[2] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۷، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲ ص ۷۱۵۔

Marfat.com

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والے دوسرے شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ❶۔ آپ رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت گہرے دوست تھے اور مکہ میں ایک باعزت شخصیت کے مالک تھے جیسے ہی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں سنا وہ فوراً ایمان لے آئے کیوں کہ ان کا اعتماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والے سب سے پہلے نوعمر لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تھے۔ (نوٹ: ابن ہشام کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ مردوں میں وہ پہلے شخص تھے جس نے اسلام قبول کیا ❷۔ طبری نے بھی ایسی بہت سی روایتیں بیان کی ہیں جن کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ مردوں میں وہ پہلے شخص تھے جس نے اسلام قبول کیا۔) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر صرف دس سال تھی ❸۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اسلام قبول کرنے والے پہلے غلام ہیں ❹۔ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا پہلی باندی ہیں جنھوں نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت سب سے پہلے اپنے گھر والوں، قریبی لوگوں اور دوستوں میں ہوئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا پہلا امتحان تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے اترے۔ اسلام میں داخل

---

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۱۷۱، و ۱۷۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۵۷، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۴، تا ۳۱۶،

نوٹ: اس نظریے کی تائید کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا حسان رضی اللہ عنہ ابن ثابت اور ابراہیم نخعی کے اقوال سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو الدرر، (ص ۴۰) از ان عبدالبر، صفات الصفوۃ (ج ۱ ص ۷۹) از ابن الجوزی، جیسا کہ الدرر (ص ۴۰) کے حاشیے میں حوالہ دیا گیا ہے۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۴۵۔

❸ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۰، ابن سعد نے بھی اس سلسلے میں ایک روایت نقل کی ہے (ج ۳، ص ۲۱)۔

❹ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۶۔

نوٹ: طبری نے اس سلسلے میں کئی روایتیں نقل کی ہیں جن کے مطابق حضرت زید بن حارثہ مردوں میں وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے اسلام قبول کیا۔

Marfat.com

ہونے والے پہلے پانچ حضرات وہی تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عوامی اور ذاتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کے ہر پہلو سے واقف تھے۔ اس وجہ سے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل اعتماد و یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا شریف اور ایماندار شخص لوگوں کو غلط راستے کی طرف نہیں لے جاسکتا۔ جب کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع دی کہ تمھارا دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ پاگل ہوگیا ہے۔ وہ بت پرستی کے خلاف تبلیغ کررہا ہے اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دے رہا ہے تو اس کو سنتے ہی انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہتے ہیں تو وہ (بات) یقیناً سچ ہے کیوں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قول میں کبھی غلط بیان نہیں پایا۔

شروع میں اسلام کی خفیہ طور پر تبلیغ کی گئی جس کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل حضرات ایمان لائے:

عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ ابن ارت، عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ابن عوف، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، طلحہ رضی اللہ عنہ، ارقم رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ ابن زید، عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود، عثمان رضی اللہ عنہ ابن مظعون، عبیدہ رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ رومی۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان پوشیدہ طور پر نماز پڑھتے تھے۔ اسلام کا یہ خفیہ مشن تقریباً تین سال تک جاری رہا اور اس دوران چالیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا، ابتدائی مسلمان غریب تھے اور ان میں سے ایک بڑی تعداد غلاموں کی تھی، اس طرح ابتدائی دور میں اسلام کی عمارت غریب، کمزور اور ناتواں انسانوں کے کندھوں پر قائم ہوئی۔

نبوت کے تیسرے سال اللہ کا حکم آیا کہ اب علانیہ طور پر تبلیغ کی جائے ❶۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الحجر ۱۵:۹۴)

"غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو صاف صاف سنا دیجیے اور ان مشرکین کی پروہ نہ کیجیے۔"

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء ۲۶:۲۱۴)

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سب سے پہلے) اپنے قریبی اقرباء کو ڈرایئے۔"

اس حکم کے آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے مشہور پہاڑ صفا ❷ پر چڑھے۔

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۶۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۸۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۰، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۹، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۹۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے قریش کو جمع کرنے کے لیے بلند آواز میں پکارا۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر آواز لگاتا تو سب پہاڑی کے دامن میں جمع ہو جاتے تھے۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے لوگوں یعنی بنو عبد مناف کو قریب آنے کو کہا۔ پھر آپ ﷺ نے خطاب کیا: ''اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑی کی دوسری طرف سے دشمن کا ایک بڑا لشکر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے تو کیا تم سب یقین کرو گے [1]۔'' ان سب نے ایک آواز میں کہا بے شک ہم آپ ﷺ کی بات پر یقین کریں گے کیوں کہ ہم نے ہمیشہ آپ ﷺ کو سچا پایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم تمام قریش میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ورنہ (بہ صورتِ دیگر) میں تمھاری مدد نہ دنیا میں کر سکتا ہوں اور نہ آخرت میں۔ اگر تم نے اس بات کو مان لیا (یعنی اللہ کی وحدانیت کو) تو میں اللہ کے سامنے تمھارے لیے شہادت دوں گا، اور تمام عرب و عجم تمھارے ماتحت ہوں گے لیکن اگر تم نے اللہ کے اس پیغام کو قبول نہیں کیا تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا [2]۔ یہ سن کر وہ سب لوگ جو وہاں جمع ہوئے تھے سخت برہم ہوئے اور ان میں سے کچھ نے چلّا کر کہا: ''تم (نعوذ باللہ) پاگل ہو گئے ہو۔'' ابولہب (رسول اللہ ﷺ کے ایک چچا) نے کہا: ''اللہ تمھیں ہلاک کرے، کیا تم نے اسی لیے ہمیں جمع کیا تھا۔'' اس کے بعد سارے لوگ چلے گئے اور جو کچھ ان سے کہا گیا تھا ان میں سے کسی نے اس کی پروا نہیں کی [3]۔

قریش کی مخالفت اور اس کی وجوہات:

کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے کم سن چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنے قریبی رشتے داروں کو ایک دعوت پر مدعو کیا، کھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے اتنا عظیم دین عطا فرمایا ہے جو اس دنیا و آخرت دونوں جگہ

---

[1] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۹۔

[2] نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر قریش کو جو پیغام دیا تھا وہ مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں منقول ہے، ہم نے اس جگہ مندرجہ ذیل کتابوں کی مختلف روایتوں کی بنیاد پر یہ نقل کیا ہے: صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۱۹۹، تا ۲۰۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۸، تا ۳۲۰، شیخ محمد یوسف کاندھلوی حیاۃ الصحابہ، ج ۱، ص ۶۳ و ۶۴۔

[3] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۰، صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔

Marfat.com

تمھاری فلاح کی ضمانت دیتا ہے، میرے اس کام میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا۔ یہ سننا تھا کہ سب پر خاموشی طاری ہوگئی لیکن کم سن علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: اگرچہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں، میرے پاؤں کمزور ہیں اور میں ان تمام میں چھوٹا ہوں جو یہاں موجود ہیں، تب بھی اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا ❶۔ دس سالہ بچے کی یہ بات سن کر قریش کے سردار ہنسے مگر بعد میں تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے قول میں سچے تھے۔

اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس ہوگئی تھی۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور اعلان کیا:

((اشهدان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا عبده ورسوله))

”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

اس کو کعبہ اور قریش کی رسومات کی بے حرمتی سمجھا گیا، اور ایک زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا، ایک مسلمان حارث رضی اللہ عنہ ابن ابی ہالہ رسول اللہ ﷺ کو بچانے کے لیے اپنے گھر سے نکلے مگر وہ شہید کر دیئے گئے۔ یہ تاریخ اسلام میں پہلی شہادت ہے ❷۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے چند متبعین نے اس عظیم کام کو جاری رکھا، اور علانیہ طور پر تبلیغ کی کہ بت نہ تو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر ہی، آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے اور برائی سے بچنے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کفار کے رسم ورواج اور غلط طور طریقوں پر کاری ضرب تھیں۔ اور قریش نے ان کو اپنے نام نہاد مذہب اور آباء واجداد کے طریقوں کی زبردست تذلیل سمجھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی کامیابی قریش کو بالکل نہ بھائی اور انھوں نے نومسلموں کی ہمت پست کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تا کہ آپ ﷺ کی مقبولیت کم ہو اور نیا مذہب نہ پھیل سکے، چوں کہ اسلام کی ترقی میں ان کے سرداروں کو خود اپنے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے مساوات اور آزادیٔ خیال کی تعلیم دی تھی۔ سردارانِ قریش ان تعلیمات کے ساتھ کسی صورت میں مفاہمت کرنے کو تیار نہیں تھے۔

---

❶ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۲۱۔

❷ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۱، مزید ملاحظہ ہو، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تذکرہ حارثؓ ابن ابی ہالہ۔

Marfat.com

قریش کی مخالفت کی سیاسی وجوہات:

مذہبی اور معاشرتی وجوہات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کے اس معاندانہ رویے کے پس پشت کچھ سیاسی وجوہات بھی تھیں۔ فی الواقع قریش جزیرۃ العرب کا سب سے بااثر اور اہم قبیلہ تھا۔ مسجد الحرام اور اللہ کے گھر کعبہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو عرب کے تمام قبائل میں ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی اور قریش اللہ کے گھر کے معزز متولی سمجھے جاتے تھے۔ ایک نئے مذہب کو قبول کرنے کا مطلب ماضی کی تمام رسومات کو ختم کرنا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کا وہ وقار وعظمت جو صدیوں سے چلا آرہا تھا باقی نہیں رہتا۔

مزید برآں قبیلۂ قریش کا وہ خاندان، جس کے ایک فرد رسول اللہ ﷺ تھے یعنی بنو ہاشم، عبدالمطلب کی وفات کے بعد قریش کے اندر اپنا وہ اثر ورسوخ کھو چکا تھا جو اس کو حاصل تھا، جس وقت رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا اور یہ بتایا کہ آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اس وقت قریش کا ایک دوسرا خاندان بنوامیہ مکہ مکرمہ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ بنو ہاشم اور بنوامیہ میں ایک طویل مدت سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مشن کو قبول کر لینے کا مطلب بنو ہاشم کی فوقیت اور بنوامیہ کا زوال تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی قریش کے ان خاندانوں نے بھی مخالفت کی جو اس وقت مکہ مکرمہ میں مختلف عہدوں پر فائز تھے۔ کیوں کہ ان کو بھی آپ ﷺ کی کامیابی میں اپنا زوال نظر آرہا تھا۔ اس سلسلے میں ابوجہل جو ولید بن مغیرہ (قریش کا ایک سردار) کا بھتیجا تھا اور جس کا تعلق بنومخزوم سے تھا، کے الفاظ بھی ایک بین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اخنس بن شریق نے اس سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ ہم (بنومخزوم) اور بنوعبدمناف (یعنی بنو ہاشم) ایک لمبے عرصے سے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ جب انھوں نے بڑی بڑی دعوتیں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ جب انھوں نے قتال کیا تو ہم نے بھی کیا۔ جب انھوں نے سخاوت کی تو ہم ان سے بڑھ کر سخی ثابت ہوئے۔ غرض یہ کہ ہم کسی بھی حالت میں ان سے پیچھے نہیں رہے۔ اب جب کہ بنو ہاشم کے ایک فرد نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر خدا کی جانب سے وحی کا نزول ہوتا ہے تو اس معاملے میں ہم اس کا جواب نہیں پیش کر سکتے۔ خدا کی قسم ہم اس کی نبوت پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے [1]۔

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۳۱۶۔

Marfat.com

قریش کے درمیان مختلف عہدوں کی تقسیم ❶

عہدہ (منصب) کا نام و تفصیل	عہدیدار کا نام	قبیلہ یا خاندان جس سے عہدیدار کا تعلق تھا
① عُقاب (یعنی علم برداری)	ابوسفیان بن حرب	بنواُمیہ
② جنگ کی صورت میں سپہ سالاری	عتبہ بن ربیعہ	بنواُمیہ
③ سقایہ (یعنی حجاج کو پانی پلانے کا انتظام)	عباس بن عبدالمطلب	بنوہاشم
④ رفادہ (یعنی حجاج کی خبرگیری اور عمومی انتظام)	حرث بن عامر	بنونوفل
⑤ شوریٰ (یعنی مشورہ)	یزید بن ربیعۃ الاسود	بنواسد
⑥ دیات (خون بہا کا فیصلہ کرنا)	ابوبکر	بنوتیم
⑦ قُبہ (حج کے دوران خیمہ و چراگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	ولید بن مغیرہ	بنومخزوم
⑧ سفارۃ (یعنی سفیر بن کر جانا)	عمر بن الخطاب	بنوعدی
⑨ حجابہ (کعبہ کی کلید برداری اور تولیت)	عثمان بن طلحہ	

اس وقت قریش کے مندرجہ ذیل سردار تھے:

① ولید ابن مغیرہ۔ یہ قریش کا سب سے بڑا سردار (حکمران) سمجھا جاتا تھا۔

② ابوسفیان ابن حرب۔ (اس کا باپ حرب عبدالمطلب کی وفات کے بعد قریش کا سب

❶ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۲، مزید ملاحظہ ہو: عقد الفرید (ج ۲، ص ۳۱) از ابن عبدالربہ۔

Marfat.com

سے بڑا سردار یعنی حکمران بنا تھا)۔

(۳) عتبہ ابن ربیعہ۔

(۴) عاص بن وائل۔

(۵) ابوجہل (ولید ابن مغیرہ کا بھتیجا)

(۶) ابولہب (رسول اللہ ﷺ کا بڑا چچا)

(۷) اُبی ابن خلف

(۸) نضر ابن حرث

(۹) اخنس ابن شریق

(۱۰) حرث ابن عامر

(۱۱) اسود ابن عبد یغوث

(۱۲) عقبہ ابن ابی معیط

مذکورہ بالا سب کے سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ مرتبے کو قبول کرنے میں ان کو خود اپنی طاقت کا زوال نظر آتا تھا۔ یہ سب کے سب لوگ کافی مالدار تھے اور ان میں سے زیادہ تر کے کئی لڑکے تھے جو اس زمانے میں عرب کے اندر بڑی عزت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس مذکورہ بالا دنیاوی منصبوں میں سے کوئی بھی منصب نہیں تھا جس کی وجہ سے کفار مکہ آپ ﷺ کی عظمت کو تسلیم کرنے میں کافی ہچکچاتے تھے اور کہتے تھے کہ وحی دنیوی اعتبار سے کسی اعلیٰ منصب والے شخص پر نازل ہونی چاہیے تھی۔ قرآن کریم میں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کے اعتراض کو نقل کیا گیا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾

(الزخرف ۴۳:۳۱)

”اور وہ (یعنی کفار مکہ) کہتے ہیں کہ یہ قرآن (یعنی وحی الٰہی) ان دو بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔“

جوزف ہیل (Joseph Hell) اس سلسلے میں کہتا ہے:

Marfat.com

”مکہ کے حکمراں خاندانوں نے اسلام کی نئی تعلیمات کی اتنی زیادہ مخالفت نہیں کی تھی جتنی کہ ان معاشرتی و سیاسی انقلابات کی کی تھی جو ان تعلیمات کے ذریعے سے ہونے والے تھے ❶۔“

اس طرح اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت میں قریش اپنی ہلاکت و بربادی دیکھ رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

دعوت الی اللہ تمام دنیوی نعمتوں سے بیش قیمت ہے:

رسول اللہ ﷺ نے حق کی طرف لوگوں کو دعوت دینا جاری رکھا اور قریش کے سرداروں کی دھمکیوں اور ترش رویوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ بہت سے نیک لوگوں نے ایمان کو قبول کیا اور اس سلسلے میں مشقتیں برداشت کیں۔ کفار نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مٹھی بھر صحابہ رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم ڈھانے کے ہر ممکن طریقے اختیار کی۔ انھوں نے آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے، کوڑا کرکٹ ڈالا، اور جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو وہ آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے آپ ﷺ کے متعلق یہ افواہیں بھی اڑائیں کہ آپ ﷺ نعوذ باللہ ایک مجنون یا کاہن یا شاعر ہیں حالانکہ آپ ﷺ کو ہر طرح سے تنگ کیا گیا اور اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن آپ ﷺ اللہ کے راستے میں ایک چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

جب رسول اللہ ﷺ اپنی تبلیغ سے نہیں رکے تو مکہ کے سرداروں نے یہ طے کیا کہ آپ ﷺ کو حق بات سے روکنے کے لیے آپ ﷺ کے چچا سے ملا جائے۔ چنانچہ ان کے نمائندوں کا ایک وفد ابو طالب سے ملا، اور ان کو خبردار کیا کہ یا تو وہ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روک دیں ورنہ وہ خود بھی اس کے نتائج بھگتنے کو تیار رہیں۔ مکہ کے سرداروں کی متحدہ طاقت دیکھ کر ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ ان کے راستے میں مشکلات کھڑی نہ کریں۔ مگر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ پر پورا یقین تھا اور اس سلسلے میں کسی کی مدد کی پروا نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے کہا: ”چچا جان! میں اس کام سے کبھی نہیں رکوں گا اور راہِ حق کی تبلیغ کبھی نہیں چھوڑوں گا اگرچہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ یا تو مجھے اس کام میں کامیابی

---

❶ جیسا کہ پروفیسر کے۔ علی (K.Ali) نے اپنی کتاب "A Study of Islamic History" میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

عطا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا۔[1]" یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، آپ ﷺ کے ان الفاظ اور آپ ﷺ کے آنسوؤں سے ابوطالب کے محبت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا: "میرے پیارے بھتیجے جاؤ اور جو کچھ تم چاہتے ہو کہو (یعنی تبلیغ کرو) اب کوئی شخص تمھارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔"

اپنے وفد کی ناکامی دیکھ کر قریش نے ایک نئی چال چلی، انھوں نے عرب کے مشہور مدبر عتبہ ابن ربیعہ کو رسول اللہ ﷺ کو قابو میں کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے آپ ﷺ سے کہا:

"محمد اس سرزمین کے لوگوں میں تفرقہ مت ڈالو، قریش کو اپنے پرانے رسم و رواج پر چلنے دو اور اس کے بدلے میں جو تمھاری طبیعت چاہتی ہے لے لو۔ اگر تم مال و دولت چاہتے ہو تو جس قدر چاہو لے سکتے ہو، اگر ایک خوبصورت بیوی چاہتے ہو تو عرب کی سب سے خوبصورت لڑکی کو پسند کرلو، اگر حکمرانی چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں لیکن اپنی باتوں سے باز آجاؤ پھر جو کچھ چاہتے ہو لے سکتے ہو۔[2]"

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کیں جن میں کی ایک آیت یہ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ﴾ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۶)

"آپ ﷺ فرما دیجیے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں، مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اُس (معبود برحق) کی طرف سیدھے ہو جاؤ اور اسی سے معافی مانگو، اور مشرکین کے لیے بڑی خرابی ہے۔"

جب عتبہ نے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا، تو بہت متاثر ہوا، اور واپس جا کر قریش سے کہا: "خدا کی قسم یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہوسکتا، ان کو ان کی راہ پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہوتے

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۲۶، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۴، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۱۹۔

نوٹ: طبرانی، بیہقی اور امام بخاری نے "تاریخ" میں بھی اسی قسم کی روایات نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: حیاۃ الصحابہؓ از شیخ محمد یوسف الکاندھلوی، ج ۱، ص ۲۴۳، ۲۴۴۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۹۳، ۲۹۴، محمد حسین ہیکل، حوالہ مذکورہ، ص ۳۴۱، ۲۴۳۔

Marfat.com

ہیں تو تمھارے لیے باعث عزت و وقار بنیں گے ورنہ ان کی ناکامی خود ان کو اپنے کام سے روک دے گی۔“ مگر قریش نے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔

جب قریش کے سرداروں کو پوری طرح ناکامی ہوئی تو انھوں نے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں اپنی کوششیں دوگنی کر دیں۔ وہ غلام جو مسلمان ہو گئے تھے ان کی ایذا رسانی کا بدترین نشانہ تھے۔ ان کے آقا ان کو بری طرح مارتے پیٹتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ بااثر مسلمان بھی ان کی اذیتوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ہر طرح کی اذیت و تکلیف پہنچائی گئی۔ آپ ﷺ کو پتھروں سے مارا گیا، اور اوباش لڑکوں کو آپ ﷺ کا تمسخر اڑانے کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا گیا۔ ابوجہل رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ ایک دفعہ مسجد حرام میں جب آپ ﷺ نماز میں سجدہ کی حالت میں تھے تو اس نے اونٹ کی اوجھڑی آپ ﷺ کی گردن مبارک پر رکھ دی تاکہ آپ ﷺ سجدہ سے گردن نہ اٹھا سکیں۔ عقبہ ابن ابی معیط نے ایک بار آپ ﷺ کی گردن میں اپنی چادر ڈال کر کھینچا اور گرانے کی کوشش کی، ابوجہل، ابولہب، ولید ابن مغیرہ، امیہ ابن خلف اور عاص ابن وائل خاص طور سے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے اور تکلیف دینے میں پیش پیش تھے [1]

ابتدائی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں قریش کی سنگ دلی و بے رحمی:

مسلمانوں کے ساتھ کفار کا غیر انسانی سلوک اور ظلم و تعدی برابر بڑھتا رہا [2]۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ کے مشن کو کچلنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ جیسے معزز و بااثر حضرات کو بھی نہیں بخشا گیا۔ کچھ غریب مسلمانوں کو پکڑ لیا جاتا اور دوپہر کی سخت گرمی میں مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر زبردستی لٹایا جاتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی مکہ میں ایک

---

1. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲ ص ۷۰ تا ۷۶، شیخ محمد یوسف کاندھلوی حیاۃ الصحابہؓ، ج ۱، ص ۲۴۱ تا ۲۸۶۔

2. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۱۷ تا ۳۲۱، ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ص ۲۰۳، اور ج ۳، (طبقات البدریین)، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۶ تا ۷۰، شیخ محمد یوسف کاندھلوی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۵۹، تا ۲۸۶۔

Marfat.com

کافر کے غلام تھے۔ ان کو دوپہر کے وقت جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا اور سینے پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ وہ ہل نہ سکیں۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کہا جاتا کہ اسلام چھوڑ دو لیکن اس سخت اذیت و تکلیف کے باوجود بھی وہ ''احد''، ''احد'' کہتے رہتے۔ بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی تکالیف کو دیکھ کر ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ کچھ اور مسلمان جن کو سخت ترین جسمانی اذیتیں پہنچائی گئی تھیں یہ ہیں:

حضرت سمیہ، حضرت خباب، حضرت عمار ابن یاسر، حضرت صہیب رومی، ابو فکیہہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ایک دن حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو جلتے ہوئے انگاروں پر چت لٹا دیا گیا اور اس وقت تک نہیں اٹھایا گیا جب تک کہ ان کی کمر کی چربی کے پگھلنے سے وہ انگارے بجھ نہ گئے۔

حبشہ کی جانب پہلی ہجرت:

جب قریش نے اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی اور مکہ میں ان کا رہنا دوبھر ہو گیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے بحر احمر کے دوسری جانب واقع ایک قریبی ملک حبشہ چلے جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرما دی، نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں پندرہ مسلمانوں پر مشتمل (جن میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں) ایک چھوٹا سا قافلہ حبشہ کے لیے روانہ ہوا۔ ان حضرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں [1]:

(۱) حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اور آپ کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا یعنی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی۔

(۲) حضرت ابوحذیفہ ابن عتبہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی سہلہ رضی اللہ عنہا۔

(۳) حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

(۴) حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ۔

(۵) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ۔

(۶) حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۴، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۷، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۲۱ تا ۳۲۳، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۲۹۔

Marfat.com

(۷) حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ۔

(۸) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا بنت حثمہ۔

(۹) حضرت ابوسبرہ ابن ابی رُہم رضی اللہ عنہ۔

(۱۰) حضرت حاطب ابن عمرو رضی اللہ عنہ۔

(۱۱) حضرت سہیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ۔

ابن سعد اور بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود بھی حبشہ کی ہجرت کرنے والے اس پہلے گروہ میں شامل تھے ❶۔ اس طرح اس پہلے گروہ کے مہاجرین کی کل تعداد سولہ ہو جاتی ہے ❷۔ جن میں مردوں کی تعداد بارہ تھی، بعد میں حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ ان لوگوں سے جا ملے۔ ان کے بعد کچھ اور لوگ ❸ بھی ہجرت کر گئے۔ اس دوسرے گروہ کی تعداد جو ہجرت کر کے حبشہ گیا تھا ❹ ۸۰ بتلائی جاتی ہے۔ کچھ دوسرے مؤرخین کے بیان کے مطابق مہاجرین کی کل تعداد ۸۳ تھی ❺۔

حبشہ کے بادشاہ نے مہاجرین کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ قریش کو اس خبر سے ایک جھٹکا سا لگا اور ان کے اندر غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے اپنے دو سفیروں (عمرو ابن العاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ ❻) کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا جنھوں نے اس ب

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۴، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۹۷۔

❷ زیادہ تر مؤرخین حبشہ ہجرت کرنے والے پہلے گروہ میں ۱۲ مرد اور چار عورتیں بتاتے ہیں: ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ (ج ۱، ص ۳۲۶) از محمد زرقانی، اور حاشیہ بر ''الدرر''، ص ۵۰۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۲۳۔

❹ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۸، مزید ملاحظہ ہو: مسند احمد فتح الباری، البدایہ، طبرانی، جیسا کہ شیخ محمد یوسف کاندھلوی نے اپنی کتاب حیاۃ الصحابہؓ میں نقل کیا ہے۔ ج ۱، ص ۳۳۷، ۳۳۸۔

❺ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۰، ابن اثیر نے یہ تعداد ۸۲ لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: الکامل التاریخ، ج ۲، ص ۷۸۔

❻ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۲۷، عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۲۱۱، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۶، شیخ محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۲، ابن اثیر کے مطابق دوسرا نام عبداللہ ابن ابی ربیعہ کی جگہ عبداللہ ابن ابی امیہ ہے۔ ملاحظہ ہو: الکامل التاریخ، ج ۲، ص ۷۹۔

Marfat.com

مسلمانوں کو ان کے وطن واپس بھیجنے کی درخواست کی لیکن بادشاہ مسلمانوں کی مرضی بھی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلوایا۔ مسلمانوں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی) کو اپنا نمائندہ بنایا[1]۔ انھوں نے کہا:

''اے بادشاہ! ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم بدکار و جاہل لوگ تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے، برائیاں کرتے، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے، ہم میں سے قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ (یعنی ضعیف پر غالب ہو جاتا تھا) جب ہم اس حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ہم میں سے ہی ایک شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا، جس کے نسب و سچائی، امانت اور پاک دامنی کو ہم سب جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی کہ ہم اس کو یکتا مانیں اور اسی کی عبادت کریں۔ ہم اور ہمارے بزرگوں نے اسے چھوڑ کر پتھروں اور بتوں کی جو پوجا اختیار کر رکھی تھی اسے ترک کر دیں۔ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنے، پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے، حرام باتوں اور قتل و خون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا اور ہمیں برائیاں کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے، اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں اور روزہ رکھیں۔ پس ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور وہ جو کچھ اللہ کی جانب سے لایا ہم نے اس کی پیروی کی، اس نے ہمیں اللہ کی وحی (یعنی) قرآن بھی سکھایا، جب ہم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس کی عمدہ تعلیمات پر عمل کرنا شروع کیا تو ہماری قوم نے ہم پر ظلم و زیادتی کی اور انھوں نے ہمیں اذیتیں پہنچائیں اور دین کے متعلق مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پوجا کی جانب لوٹا دیں اور ہم ان تمام بری چیزوں کو پھر حلال سمجھنے لگیں جنھیں ہم پہلے حلال سمجھتے تھے۔ جب ان لوگوں

[1] عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۲۱۲، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۸۰ و ۸۱، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۳۶، مزید ملاحظہ ہو: مسند احمد اور بیہقی جیسا کہ شیخ محمد یوسف کاندھلوی نے حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم میں نقل کیا ہے: ج۱، ص ۳۳۴ و ۳۳۵۔

Marfat.com

نے ہمیں مجبور کیا، ہمارے اوپر ظلم ڈھائے، ہمارے لیے زندگی کا میدان تنگ کیا، اور دین کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے تو ہم آپ کے ملک کی جانب اپنے نبی ﷺ کی اجازت سے نکل آئے۔''

بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کا کچھ حصہ سنانے کو کہا۔ آپ نے اسے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا ذکر ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت بادشاہ کے دل کی گہرائی تک پہنچ گئی۔ وہ اور بعض عیسائی پادری جو وہاں موجود تھے رونے لگے اور ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ بادشاہ نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ کلام اور بائبل کا کلام ایک ہی روشنی کی مختلف شعاعیں ہیں۔''

اس کے بعد اس نے قریش کے سفیروں سے کہا، کہ وہ ان پناہ گزینوں کو ہرگز ان کے حوالے نہیں کرے گا۔

شاہ حبشہ نجاشی اور جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے درمیان مذکورہ بالا مکالمہ شاید 5 سن نبوی میں ہوا تھا۔ مہاجرین حبشہ کا وہ پہلا گروہ جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شامل نہیں تھے۔ اس لیے یہ کہنا درست ہو گا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب مہاجرین حبشہ کے دوسرے گروہ میں شامل تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''سیرۃ النبی ﷺ'' میں حبشہ کی پہلی ہجرت کے دوران مہاجرین کے دو گروہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اس افواہ سے قبل جس کے نتیجے میں حبشہ کو پہلی ہجرت کرنے والے حضرات مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے تھے مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ۸۳ تھی [1]۔ ابن ہشام نے بھی لکھا ہے کہ پہلے گروہ کے ہجرت کرنے کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بھی مہاجرین کے ساتھ جا ملے اور ان کے بعد بہت سے اور مسلمان بھی ہجرت کر کے حبشہ گئے [2]۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حبشہ کو ''پہلی ہجرت'' کئی گروہوں میں ہوئی تھی۔ ابن ہشام نے ان تمام لوگوں کے بالتفصیل نام دیے ہیں جو ''پہلی ہجرت'' کے موقع پر حبشہ گئے تھے [3]۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج۱، ص۲۴۰۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۳۲۳۔

[3] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۳۲۲ تا ۳۳۰۔

Marfat.com

مہاجرین کی حبشہ سے واپسی:

اس دوران جب کہ مسلمان مہاجرین حبشہ میں تھے کسی نے ان کو یہ غلط اطلاع دی کی قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی تقریباً ۳۰ مہاجرین مکہ مکرمہ واپس آ گئے ❶۔ لیکن جب وہ مکہ پہنچے تو اس افواہ کا جھوٹ ان پر کھل گیا۔ بہر حال ان میں سے کچھ مکہ مکرمہ رکے رہے اور باقی پھر حبشہ چلے گئے۔ (یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کہی جاتی ہے) یہ لوگ پھر وہاں اس وقت تک رکے رہے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت نہ کر لی۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد یہ لوگ آپ ﷺ سے مدینہ منورہ میں جا کر مل گئے۔

وہ واقعہ جس کی وجہ سے قریش کے قبول اسلام کی افواہ پھیلی، مؤرخین کے یہاں ''واقعۂ غرانیق'' کے نام سے مشہور ہے ❷۔ کچھ مؤرخین کے مطابق ایک مرتبہ سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت کچھ التباس ہو گیا جب آپ ﷺ مندرجہ ذیل آیتوں پر پہنچے:

﴿أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى﴾ (النجم ۵۳: ۱۹، ۲۰)

''بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ کے حال میں بھی غور کیا ہے۔''

تو کچھ روایتوں کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے غلطی سے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھ دیئے:

تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجىٰ

''یعنی (یہ بت) معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔''

پھر جب آپ ﷺ پوری سورۂ نجم کی تلاوت کر چکے تو آخر میں سجدۂ تلاوت کیا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر تمام کفار مکہ بھی ''جو اس وقت وہاں موجود تھے'' سجدہ میں گر گئے۔ کفار نے یہ افواہ پھیلا دی کہ محمد ﷺ نے (نعوذ باللہ) ان کے بتوں (کی شفاعت و عظمت) کا اقرار کر لیا ہے۔ دوسرے دن حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر نازل ہوئے اور آپ ﷺ سے پوری

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۹۔

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ اور ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲۔

Marfat.com

سورۂ نجم سنی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس غلطی کی نشاندہی کی جو آپ ﷺ کی زبان سے نکل گئی تھی اور فرمایا کہ یہ وحی الٰہی کا حصہ نہیں ہے۔ پھر یہ آیات کریمہ آپ ﷺ پر نازل ہوئیں:

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۳ تا ۷۵)

''اور یہ (کافر) لوگ آپ ﷺ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے تاکہ آپ ﷺ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں۔ اور ایسی حالت میں آپ ﷺ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ ﷺ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ﷺ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے، اور اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ ﷺ کو حالت حیات میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے۔ پھر آپ ﷺ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاتے۔''

لیکن اکثر محققین نے اس روایت کو موضوع بتلایا ہے [1]۔ علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسین ہیکل نے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے [2]۔ جن حضرات نے اس روایت کو مستند مانا ہے ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ جس وقت سورۂ نجم کی آیتیں تلاوت کر رہے تھے تو شیطان نے یہی الفاظ (یعنی تلک الغرانیق والے الفاظ) ملا کر پڑھ دیے [3] اور سننے والوں (کفار) نے یہ سمجھا کہ آنحضور ﷺ ہی نے ان الفاظ کی تلاوت کی ہے۔

---

1. بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، اور علامہ نووی وغیرہ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ (ج ۱، ص ۴۲۱) میں نقل کیا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۳۸

2. محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمدؐ، ص ۳۵۸ تا ۳۷۲، محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۳۷ ۔ ۳۴۴۔

3. ملاحظہ ہو حاشیہ علیٰ سیرۃ النبویہؐ از ابن ہشام۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء (۱۳۷۵ھ) ج ۱، ص ۳۶۴ عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۲۲۹۔

Marfat.com

زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سورۂ نجم کی اس آیت پر پہنچے ﴿وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى﴾ تو مشرکوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب ان کے معبودوں کی کچھ برائی بیان ہوگی، اس بنا پر انھوں نے جھٹ سے آنحضرت ﷺ کی تلاوت میں یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیئے: ''تلک الغرانیق العُلیٰ وان شفاعتهن لترتجیٰ.'' درحقیقت ان کی یہ عادت تھی کہ وہ قرآن کی آیات کے ساتھ تمسخر اور مذاق کے طور پر اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (حم السجدہ ۴۱:۲۶)

''اور یہ کافر باہم یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو، اور اس کے بیچ میں شور وغل مچا دیا کرو، شاید تم ہی غالب رہو۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''یہاں پر شیطان سے مراد انسانوں میں کے شیطان (یعنی شرارتی لوگ بھی ہو سکتے ہیں (یعنی وہ کفار جو دورانِ تلاوت رسول اللہ ﷺ کے حارج ہوتے تھے)۔''

کچھ مستند روایتوں کے مطابق حبشہ کے مہاجرین مکہ مکرمہ اس غلط اطلاع کی وجہ سے واپس آئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی وجہ سے پورے قبیلۂ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے[1]۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام:

۶ نبوی کا سال تاریخ اسلام میں نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ دن بدن بڑھ رہی تھی لیکن ایسے افراد کی کمی تھی جو قریش اور عرب میں بااثر اور معزز سمجھے جاتے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ایک چچا تھا۔ آپ کا شمار قریش کے بہادروں اور جواں مردوں میں سے تھا۔ ایک دن آپ نے یہ سنا کہ ابوجہل نے جو کہ نبی کریم ﷺ اور دین

---

[1] محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمدؐ، ص ۳۵۸ و ۳۶۴۔

Marfat.com

اسلام کا زبردست دشمن تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی ہے۔ اس پر آپ غصے میں بھر گئے اور پھر سیدھے ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی کمان سے اس کے سر پر ضرب لگائی پھر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا ❶۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ انتہائی دلچسپ ہے جس کی تفصیل احادیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ جوان اور بہت غصہ رکھنے والے شخص تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے عہدیداروں اور سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے دشمن تھے۔ آپ پر قرآن کی مسحور کن آیتوں نے اثر ڈالا جس کی بنا پر اسلام کی فطری و روحانی قوت کا شکار ہو گئے ❷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے اسلام کو ایک نئے انداز میں قوت و طاقت فراہم ہوئی۔ اس سے قبل مسلمان خفیہ طور پر نمازیں ادا کرتے اور پوشیدہ طور پر اپنی مجلسیں منعقد کرتے تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی جرأت مندی و بہادری کا قدم اٹھایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خانہ کعبہ میں علی الاعلان لوگوں کے سامنے نماز پڑھنے کی درخواست کی ❸۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں یہ نماز سب سے پہلی ایسی نماز ہے جو لوگوں کے سامنے علی الاعلان خانہ کعبہ میں ادا کی گئی۔

بنو ہاشم کا بائیکاٹ:

جب قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے تمام وسائل و ذرائع کا استعمال کر چکے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و حمایت کرنے والے بنو ہاشم کا بائیکاٹ اور قطع تعلق کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۷ نبوی میں تمام سردارانِ مکہ نے بنو ہاشم کے خلاف ایک معاہدہ تیار کیا ❹۔ اس معاہدے کے تحت یہ طے پایا کہ بنو ہاشم کا

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۲، محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۹۔

❷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱ ص ۳۴۳، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۴، ۷، وغیرہ

❸ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۲۴۔

❹ ابن سعد (الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۸) کے مطابق اس معاہدے پر یکم محرم ۷ نبوی کو دستخط ہوئے تھے۔ مزید ملاحظہ ہو حاشیہ علی الدرر، ص ۵۶۔

Marfat.com

پوری طرح بائیکاٹ کیا جائے۔ ان سے کوئی شخص کسی قسم کا تعلق نہ رکھے اور نہ کوئی ان کے ہاتھ کھانے پینے کا سامان ہی بیچے ❶ یہاں تک کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) قتل کر دیئے جائیں یا (قتل کے لیے) قریش کے حوالہ کر دیئے جائیں ❷۔ اس معاہدے کو منصور ❸ بن عکرمہ نے لکھا جس پر تمام سردارانِ مکہ کے دستخط ہوئے۔ پھر اس کو کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

چنانچہ ابو طالب اپنے خاندان (جس میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل تھے) کو لے کر شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے جو مکہ سے بالکل الگ تھلگ ایک وادی تھی۔ یہاں بنو ہاشم اور سارے مسلمانوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ گھاٹی کے لیے سامان کی رسد کے تمام وسائل و ذرائع بند کر دیئے گئے تھے۔ خاص طور سے بچوں کی حالت ناگفتہ بہ اور ناقابل رحم تھی، یہاں تک کہ بعض اوقات انھیں جنگلی پودوں کے پتے کھا کر گزارا کرنا پڑا۔ ابو طالب اور ان کے خاندان والوں کو نبی کریم ﷺ کے کارِ نبوت کی خاطر سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی یہ حالت تین سال تک جاری رہی۔ بالآخر مکہ کے کچھ سرداران ہشام عامری، زہیر، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود وغیرہ کو بنو ہاشم پر رحم آیا۔ ان لوگوں نے خانہ کعبہ میں آویزاں معاہدے کو چاک کر ڈالا جس کا ایک حصہ (اللہ کے حکم سے) پہلے ہی دیمک چاٹ چکی تھی ❹۔ پھر وہ لوگ ابو طالب اور حضور ﷺ کے پاس گئے اور ان کو ان کے گھر واپس لائے۔

ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

بنو ہاشم پر سے پابندیاں ہٹنے کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کو ایک بڑا صدمہ پہنچا

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۵۰، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۸ و ۲۰۹، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۴۷، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۵۶، ۵۷۔

❷ الدرر، ص ۵۶، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، برہان ج ۲۷، شمارہ ۶، ص ۳۸۰۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۷، جہاں تک معاہدہ لکھنے والے کے نام کا تعلق ہے سیرت نگاروں میں اختلاف ہے، کچھ سیرت نگار منصور ابن عکرمہ کا نام بتاتے ہیں جب کہ بعض کے نزدیک ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ علی الدرر، ص ۵۹، اور السیرۃ النبویہ از ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۷۷

❹ ابن سعد: حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۹، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۳ تا ۳۸۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ ج ۲ ص ۲۵۷، ابن عبدالبر حوالہ مذکورہ، ص ۵۹

Marfat.com

آپ ﷺ کے محبوب چچا ابو طالب جنھوں نے ہر طرح آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور ہر اعتبار سے آپ ﷺ کی مدد کی، ۱۰ نبوی میں وفات پا گئے۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا اور ان کا مشرکین کے مذہب پر ہی خاتمہ ہوا۔ ابو طالب کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کو ایک اور تکلیف دہ صدمہ پہنچا اور وہ ان کی پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سال کو عام الحزن (رنج والم کا سال) کہا ہے [1]۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک بیوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی کیوں کہ آپ ﷺ کے بچے کم سن تھے اور آپ ﷺ کو ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک تجربہ کار عورت کی ضرورت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپ ﷺ کا نکاح اسی سال ہو گیا تھا مگر رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی۔ کچھ مؤرخین کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح معراج کے بعد ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کا سفر طائف اور دعوت الی اللہ میں آپ ؐ کی سرگرمی:

ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ میں آپ ﷺ کی مخالفت دن بدن بڑھتی گئی، اور دشمنانِ اسلام نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانے میں اپنی کوششیں دوگنی کر دیں۔ ان حالات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ عرب کے دوسرے بڑے شہر طائف [2] کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام

---

[1] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۴۹، محمد الخضری، نور الیقین، ص ۹۰، ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، ص ۱۰۰

[2] نوٹ: طائف مکہ مکرمہ سے تقریباً ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

ملاحظہ ہو "The Battlefields of the Prophet Muhammad" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مضمون عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، رسالہ برہان، ج ۲۷، شمارہ نمبر ۶، ص ۳۷۸۔ لیکن مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان سڑک کا راستہ تقریباً ۸۵ میل ہے کیوں کہ پہاڑی سڑک ہونے کی وجہ سے راستہ لمبا ہو گیا ہے، ملاحظہ ہو: جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی، ج ۱، ص ۲۱۳۔

Marfat.com

کی دعوت دی[1] لیکن اس قبیلے کے تمام سرداروں نے نہ صرف اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بات تک نہیں سنی۔ وہ لوگ آپ ﷺ سے بہت تُرش رُوئی سے پیش آئے اور آپ ﷺ کا تمسخر اڑایا۔ یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ جب وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے اوباش لڑکوں کو لگا دیا جنھوں نے آپ ﷺ پر اس قدر پتھر مارے کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک سے بری طرح خون جاری ہو گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے جوتے خوؔن سے بھر گئے۔ اس دردناک اور انتہائی تکلیف کی حالت میں جب رسول اللہ ﷺ بستی سے باہر آئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

((اللھم الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین، انت رب المستضعفین وانت ربی الیٰ من تکلنی الی بعید یجتھمّنی اَو الی عدوٍّ ملکته امری ان لم یکن بك علیّ غضبٌ فلا ابالی ولکن عافیتك ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت لهُ الظلمت وصلح علیه امر الدنیا والآخرة من ان تنزل بی غضبك اویحل علی سخطك لك العتبیٰ حتی ترضیٰ ولاحول ولاقوة اِلاّ بك))[2]

ترجمہ: ''الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت فریاد کرتا ہوں، تُو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ (اے اللہ) اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، کیوں کہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا و دین کے کام اس سے درست ہو جاتے ہیں۔ میں اس بات سے پناہ مانگتا

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۴۱۹ تا ۴۲۲، ابن عبدالبر، حوالہ مذکورہ، ص ۵۶ تا ۶۸۔ کچھ اور مستند روایتوں کے مطابق طائف کا یہ سفر ۱۰ نبویؐ میں ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو: خاتم النبیین، از شیخ محمد ابو زہرہ ج ا، ص ۵۸۰۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔

Marfat.com

ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو، یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ مجھے تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی درکار ہے۔ اور (نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی) طاقت وقوت تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے آسمان و زمین تھرّ ا اُٹھے اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو السلام علیکم کہا اور فرمایا کہ اللہ رب العالمین اس واقعے سے باخبر ہے جو آپ ﷺ کے اور ان لوگوں کے درمیان پیش آیا اور اس نے پہاڑوں پر متعین فرشتہ [1] آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ اس کو جو حکم دیں وہ بجالائے۔ یہ کہہ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے وہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ ﷺ کے حکم کا منتظر ہوں۔ اگر آپ ﷺ فرمائیں تو اس شہر کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ٹکرا دوں تاکہ ان کے بیچ میں رہنے والے سب لوگ پس کر ہلاک ہو جائیں۔ یا جو بھی آپ ﷺ سزا تجویز فرمائیں وہ کر دوں۔'' لیکن آپ ﷺ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا: ''اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا، مجھے امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک اللہ پر ایمان لائیں گی اور اس کی عبادت کریں گی [2]۔''

طائف کے اس واقعے سے رسول اللہ ﷺ کے نہ صرف اعلیٰ اخلاق اور رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں آپ ﷺ کی گرم جوشی و سرگرمی اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ تمام مخالفین کے درمیان تن تنہا تھے پھر بھی آپ ﷺ نے طائف کے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا نہیں چھوڑا۔

بہت سے معترض مستشرقین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف میں جو تکالیف اور اذیتیں اٹھائیں ان کی وجہ سے آپ ﷺ کا اعلیٰ کردار اور بلند شخصیت اور زیادہ نمایاں ہوگئی۔

مثلاً ولیم میور لکھتا ہے:

''محمد ﷺ کی عظمت ان کے طائف کے سفر میں کھل کر سامنے آجاتی ہے، ایک تنہا

---

[1] الدرر، ص ۶۷، مزید ملاحظہ ہو، صحیح مسلم، جیسا کہ الدرر کے حاشیے پر مذکور ہے۔

[2] صحیح مسلم، عن عائشہؓ ام المومنین۔

Marfat.com

شخص جس کو اس کے اپنے لوگوں نے نہ صرف نفرت سے دیکھا بلکہ شہر سے باہر بھی نکال دیا وہ اللہ کے راستے میں شہر چھوڑتا ہے اور (حضرت) یونس علیہ السلام کی طرح ایک دوسرے مقام کے اجنبی کافروں میں جا کر ان کو دعوت اسلام پیش کرتا ہے۔ اس کی یہ ثابت قدمی اور جرأت اس کے اپنے اس مشن (دعوتی کام) میں کامل یقین (اور صداقت) کو ظاہر کرتی ہے[1]۔"

جِنّوں کا قبولِ اسلام:

رسول اللہ ﷺ اس حالت میں کہ آپ ﷺ تھک کے چور ہو گئے تھے اور آپ ﷺ کے جسم مبارک سے خون جاری تھا، مکہ کی طرف واپس تشریف لائے، آپ ﷺ کے جوتے خون میں لت پت ہو گئے تھے۔ اور آپ ﷺ کو ایک پناہ گاہ کی تلاش تھی، طائف سے مکہ کے راستے پر تقریباً تین میل کے فاصلے پر مکہ کے ایک کافر عتبہ بن ربیعہ کا باغ تھا، رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور اس کی رگِ انسانیت پھڑک اٹھی، اس نے اپنے ایک عیسائی غلام کے ذریعے انگور کا ایک خوشہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا[2]۔ وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

مکہ مکرمہ واپسی پر آپ ﷺ نے مقام نخلہ میں رات گزاری، وہاں آپ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی، جس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت جنوں کا ایک گروہ

---

[1] حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو: محمد الحجاج سالمین "The Holy prophet Muhammad (PBUH)" ص ۸۸۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۱، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۶۶، علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۲۵۱، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۵، و ۳۴۶۔

نوٹ: ابن عبدالبر اور علامہ شبلی نعمانی نے یہ تحریر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ کے باغ پر رُکے، جب کہ ابن اثیر طبری اور ابن ہشام نے یہ لکھا ہے کہ عتبہ نے اپنے غلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انگوروں کا ایک خوشہ پیش کیا لیکن ان تینوں سیرت نگاروں نے باغ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عتبہ کے غلام کے درمیان اس موقع پر جو مکالمہ ہوا وہ سب نے تحریر کیا ہے۔ اس مکالمے کو یہاں پر اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

آپ ﷺ کے پاس سے گزرا❶ ان کی تعداد سات تھی، رسول اللہ ﷺ نماز میں قرآن کی جو تلاوت کررہے تھے اس کو انھوں نے سنا، اور ایمان لے آئے۔ قرآن کریم اس طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ (الجن ۷۲:۱،۲)

''آپ ﷺ (لوگوں سے) کہیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) انھوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست بتاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔''

مطعم بن عدی کی پناہ میں:

متعدد مؤرخین❷ کے مطابق طائف سے واپسی پر نخلہ میں قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ حرا تشریف لائے، اور وہاں سے مطعم ابن عدی کو پیغام بھجوایا کہ اگر آپ ﷺ کو پناہ دے دی جاتی ہے تو آپ ﷺ کی خواہش ہے کہ مکہ واپس آجائیں۔ کافر ہونے کے باوجود مطعم ایک نہایت شریف شخص تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کو نہ صرف پناہ دی بلکہ اپنے لڑکوں کو بلایا جو آپ ﷺ کے ساتھ مسجد حرام تک گئے اور جب تک آپ ﷺ کعبہ کی زیارت سے فارغ نہیں ہوئے وہ آپ ﷺ کے محافظ بنے رہے۔ اس کے بعد مطعم نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اب اس کی پناہ میں ہیں۔

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۴۲۲، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج۱ ص۲۱۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۳۴۶، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۹۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۲-۷، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا، برہان، ج۲۷، شمارہ۶، ص۳۷۹۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۲۱۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۳۴۷، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۹۲، امام عبدالرحمٰن ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفیٰؐ (اردو ترجمہ سیرت سید الانبیاء) ص۲۶۳۔

Marfat.com

معراج یا اسراء:

مؤرخین کی ایک بڑی تعداد کے مطابق معراج یا اسراء کا واقعہ ہجرت سے 18 مہینے قبل پیش آیا❶۔ معراج کی رات حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اس کے بارے میں آپ ﷺ کو اللہ کے حکم کی اطلاع دی۔ پہلے وہ آپ ﷺ کو بیت المقدس لے گئے اور وہاں سے ساتویں آسمان کے اوپر عرش معلیٰ تک لے گئے جہاں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا❷۔ یہ سب کچھ ایک بہت ہی قلیل وقفہ میں پیش آیا۔ موجودہ عہد میں جب کہ انسان نے اپولو اور دوسرے سیاروں جیسی فضا کے اندر تیز چلنے والی سواریاں بنالی ہیں جو چاند اور دوسرے سیاروں تک پہنچ رہی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا آسمانوں کو پار کر کے عرش معلیٰ تک سفر کرنا کوئی ناممکن بات نہیں۔ جب انسان چاند پر پہنچ سکتا ہے تو اللہ جو کہ خالق کائنات ہے اپنے حکم سے اپنے محبوب بندے کو آسمانوں تک کیوں نہیں لے جا سکتا۔ درحقیقت معراج رسول اللہ ﷺ کے ان اعلیٰ معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو قیامت تک آنے والے زمانے کے لیے آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل فراہم کرتا ہے کیوں کہ اللہ کی طرف سے یہ طے تھا کہ ایک ایسا بھی وقت آئے گا جب کہ انسان چاند پر بھی قدم رکھے گا اور دوسرے سیاروں پر بھی جانے کی کوشش کرے گا، اس لیے اللہ جل شانہ اپنی قدرت کاملہ سے ایک معجزے کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو تمام سیاروں سے آگے آسمانوں سے اوپر عرش تک لے گیا۔

قرآن کریم میں معراج یا اسراء کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾

(بنی اسرائیل ۱:۱۷)

---

❶ نوٹ: جہاں تک اس سال کے تعین کا سوال ہے جس میں معراج کا واقعہ پیش آیا علماء کا اختلاف ہے، سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبیؐ حصہ سوم (ص ۳۵۹ تا ۳۶۴) میں تقریباً تمام اقوال جمع کر دیئے ہیں۔ زیادہ تر مؤرخین بشمول محمد ابن سعد (ج ۱، ص ۲۱۳) کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے غالباً ماہ رجب میں پیش آیا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۵۵ تا ۳۵۸ اور الروض الانف از عبدالرحمٰن سہیلی۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۶ تا ۴۰۸، محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۱۳۔

Marfat.com

''وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے اردگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

میلوں اور بازاروں میں دعوتِ اسلام:

جزیرۂ عرب کے مختلف حصوں سے لوگ ہر سال ان بڑے میلوں اور بازاروں میں آتے تھے جو مکہ مکرمہ کے مقدس شہر کے اردگرد ہر سال عارضی طور پر لگا کرتے تھے۔ ان میں عکاظ اور مجنہ کے بازار بہت مشہور تھے جہاں عرب بڑی تعداد میں سامان خریدتے اور پھر حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ حج و زیارت کی یہ رسومات ہر سال حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ (جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی تھیں) کی یادگار کے طور پر ادا کی جاتی تھیں۔ مختلف عرب قبیلوں کے لوگوں کا حج کے موقع پر مکہ آنا وہاں کے رہنے والوں کے لیے ایک بڑا ''فضل الٰہی'' تھا، کیوں کہ پورے سال میں یہی ایسے ایام تھے جب کہ اہل مکہ کو اپنے گزر بسر کے لیے کچھ کمانے کا موقع مل جاتا تھا۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل کے لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے تھے [1]۔ ان کو آپ ﷺ نہ صرف شرک سے باز آنے کی دعوت دیتے بلکہ والدین اور بڑوں کی تعظیم و توقیر کرنے، غربت کے ڈر سے بچوں کو قتل نہ کرنے، برائیوں اور زنا سے بچنے وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ ان موقعوں پر اہل عرب تجارت میں نفع نقصان کی گفتگو اور مکہ کے تاجروں کے ساتھ لڑنے اور جھگڑنے کے علاوہ کسی اور بات کے سننے کا عادی نہیں تھے۔ اس لیے جب آپ ﷺ نے ان مواقع پر ان کو اللہ کی طرف سے نازل کیے گئے کلام کو سننے کی دعوت دی تو ان کو عجیب سا محسوس ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ ابولہب اور دوسرے دشمنانِ اسلام مختلف قبائل سے آئے ہوئے عربوں سے یہ بھی کہتے جاتے تھے: ''اس شخص کی طرف توجہ نہ کرو کیوں کہ یہ پاگل ہے۔''

طائف کے سفر سے واپسی پر بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مشن کو جاری رکھا اور میلوں اور بازاروں میں معمول کے مطابق دعوت اسلام دیتے رہے۔

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۵، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۶، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۶، ص ۳۴۸، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۷، محمد خضری، حوالہ مذکورہ، ص ۹۹۔

Marfat.com

اوس اور خزرج کے قبیلوں میں اسلام:

قریش کے سرداروں نے اگرچہ نبی کریم ﷺ کو قبائل کے درمیان صحیح راستے کی تبلیغ کرنے سے ہر ممکن طریقے سے روکنے کی کوشش کی، پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہر سال حج کے موقع پر جزیرۂ عرب کے مختلف گوشوں سے لوگ مکہ آتے (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) یثرب (مدینہ منورہ) سے جو قبائل مکہ آتے ان میں اوس وخزرج کے قبیلے بہت مشہور تھے۔ یہ لوگ یثرب میں کافی عرصے سے آباد تھے اور کھیتی باڑی کرتے تھے۔ یثرب (مدینہ منورہ) کے اردگرد یہودیوں کی چند نو آبادیاں بھی تھیں۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے۔ تجارت اور ناقابل برداشت سود پر قرض دینا ان کا اہم پیشہ تھا۔ آپس میں اکثر جنگ وجدال میں مصروف رہنے والے قبائل اوس وخزرج کے غریب لوگوں کے لیے یہ یہود ان کے آقاؤں کی مانند تھے۔ پچھلی نازل شدہ آسمانی کتابوں کے ذریعے یہودیوں کو پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے آنے کی پیشین گوئیاں دے دی گئی تھیں جس کے متعلق وہ اکثر اپنی مجالس میں گفتگو کرتے تھے۔

ماہ رجب ۱۰ نبوی[1] میں اوس وخزرج کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یثرب کے رہنے والے ان لوگوں سے ملاقات[2] کی اور انھیں عقبہ کے مقام پر اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کی باتوں کو سنا، اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو پسند کیا اور ان کو یہ یقین کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوا کہ آپ ﷺ ہی پیغمبر آخرالزماں ہیں جن کے بارے میں پچھلی آسمانی کتابوں میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ان چھ لوگوں نے جو اس سال یثرب سے آئے تھے اسلام قبول کر لیا[3]۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بن تیہان (۲) ابو اُمامہ اسعد رضی اللہ عنہ بن زُرارہ (۳) رافع رضی اللہ عنہ بن مالک بن عجلان (۴) قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن عدیدہ (۵) جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن رئاب (۶) عوف رضی اللہ عنہ بن حارث۔ ابن ہشام نے ابوالہیثم رضی اللہ عنہ ابن تیہان کی جگہ عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن نابی کا نام لکھا ہے۔ بعض مؤرخین نے عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کا نام بھی لکھا ہے اور کل تعداد آٹھ بتائی ہے[4]۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۶۲۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۸۷۔

[3] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۹، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۹، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۴۔

[4] اس سلسلے میں مختلف روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۶۲ تا ۳۶۷

Marfat.com

پہلی اور دوسری بیعت عقبہ:

اسلام قبول کرنے کے بعد ان سبھی حضرات نے یثرب (مدینہ منورہ) جا کر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نئے دین کے بارے میں بتایا۔ اس کے نتیجے میں یثرب کے رہنے والوں میں کافی جوش و خروش پیدا ہو گیا اور گھر گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا (1)۔ اگلے سال بارہ مزید افراد یثرب سے آئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عقبہ کے مقام پر بیعت کی جس کو بیعتِ عقبہٗ اولیٰ (2) کہتے ہیں۔ اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر اس کے پیٹھ پیچھے یا سامنے بہتان نہیں باندھیں گے۔ اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معروف چیز میں اطاعت کریں گے اور رنج و راحت ہر حال میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار رہیں گے (3)۔"

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام سکھانے کے لیے ایک معلم عطا فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر (4) کو ان کے ہمراہ کر دیا۔

چند ہی ماہ میں یثرب میں اوس و خزرج کے کافی لوگ ایمان لے آئے۔

---

(1) ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ص ۳۵۵۔

(2) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۵، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۲۹۔

نوٹ: کچھ مؤرخین کے مطابق یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے، وہ بیعت عقبہ اولیٰ اس کو بتاتے ہیں جب کہ ۱۰ نبوی میں چھ آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا از پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، برہان، ج ۳، شمارہ ۱، ص ۶ اور ۷۔

(3) ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۰، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۶۔

(4) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳۴، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۰، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۷۔

Marfat.com

۱۲ نبوی میں یثرب سے ۷۲ یا ۷۳ آدمی حج کے موقع پر آئے [1] اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اس دفعہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یثرب لے جانے کی دعوت بھی دی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ایک چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آنحضرت ﷺ سے بے حد محبت کرتے تھے وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے یثرب کے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے خزرج کے لوگو! تم محمد ﷺ کے اس مقام و مرتبہ سے اچھی طرح باخبر ہو جو ان کو ہمارے درمیان حاصل ہے۔ ہم نے محمد ﷺ کی ہر ممکن طریقے سے اپنے لوگوں سے حفاظت کی۔ چنانچہ وہ اپنے لوگوں میں معزز و محترم اور مامون و محفوظ رہے۔ اب تم ان کو اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہو تاکہ وہ تمھارے ساتھ رہیں۔ لہٰذا اگر تم اس وعدہ کو پورا کر سکتے ہو جس کی طرف انھیں بلا رہے ہو اور آپ ﷺ کے مخالفین و معاندین سے ہر حالت میں آپ ﷺ کی پوری طرح حفاظت کرنے کی بیعت کرتے ہو تو بہتر ہے ورنہ اگر تم ان کو دشمن کے حوالے کرنے اور رُسوا کرنے کا خیال رکھتے ہو تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ کیا تم محمد ﷺ کا ساتھ دے کر سارے عرب کی دشمنی و مخالفت مول لینے کو تیار ہو؟''

اہل یثرب رسول اللہ ﷺ کے جواب کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں قرآن کریم کی چند آیتیں سنائیں۔ پھر فرمایا: ''کیا تم یہ بیعت کر رہے ہو کہ میری جانب سے مدافعت اسی طرح کرو گے جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہو۔'' یہ سن کر ان کے امیر حضرت براء رضی اللہ عنہ بن معرور نے رسول اللہ ﷺ کو اہل یثرب کی حفاظت و اعانت کا پوری طرح یقین دلایا۔ اس کے بعد یثرب کے ایک اور سردار ابو الہیثم رضی اللہ عنہ ابن تیہان کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا ''یا رسولؐ اللہ، ہمارے اور یہود کے درمیان تعلقات ہیں اور (بیعت کے بعد) یہ ممکن ہے کہ یہ تعلقات منقطع ہو جائیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر اللہ نے آپ ﷺ کو غلبہ اور کامیابی عطا کی، تو

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۴۱، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۳۱۷، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۶۲۔

نوٹ: ابن سعد اور طبری نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کے مطابق بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ۷۰ آدمی آئے تھے)۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔'' اس کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا: ''تمھارا خون میرا خون ہے، تمھاری حرمت میری حرمت ہے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس سے تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا۔'' اس کے بعد یثرب کے ان تمام لوگوں نے جو وہاں موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ بن معرور وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے ❶۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے انھی لوگوں میں سے ۱۲ نقیب (نگران) منتخب کرنے کو کہا۔ انھوں نے مندرجہ ذیل ۱۲ حضرات کو منتخب کیا ❷۔ ان میں سے ۹ حضرات قبیلۂ خزرج کے اور تین قبیلۂ اوس کے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ حضرات کو ان پر نقیب مقرر فرمایا۔

قبیلۂ خزرج کے نو حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) اسعد رضی اللہ عنہ ابن زرارہ۔

(۲) رافع رضی اللہ عنہ ابن مالک۔

(۳) عبادہ رضی اللہ عنہ ابن صامت۔

(مذکورہ بالا تین حضرات نے بیعت عقبۂ اولیٰ بھی کی تھی)

(۴) سعد رضی اللہ عنہ ابن ربیع۔

---

❶ بیعت عقبہ ثانیہ کی تفصیلات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳۸ تا ۴۴۳، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۱ تا ۲۲۳، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۶۰، تا ۳۶۳، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۸ تا ۱۰۰۔

نوٹ: کچھ مؤرخین کے مطابق یہ بیعت بیعت عقبہ ثالثہ ہے، ان کے مطابق بیعت عقبہ اولیٰ ۱۰ نبوی میں اور بیعت عقبہ ثانیہ ۱۱ نبوی میں ہوئی تھیں۔ ملاحظہ ہو عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا از پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، برہان، ج ۴۳، شمارہ ۱، ص ۶ اور ۷۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۴۳، حاشیہ نمبر ۹۷ میں درج کی گئی بقیہ کتابوں میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ ابن ہشام نے ان سب لوگوں کے بھی نام لکھے ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت عقبہ ثانیہ کی تھی۔

Marfat.com

⑤ منذر رضی اللہ عنہ ابن عمرو۔

⑥ عبد اللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ۔

⑦ براء رضی اللہ عنہ ابن معرور۔

⑧ سعد رضی اللہ عنہ ابن عبادہ۔

⑨ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن عمرو۔

قبیلۂ اوس کے تینوں نقیبوں کے نام یہ ہیں:

⑩ اُسید رضی اللہ عنہ ابن حضیر۔

⑪ سعد رضی اللہ عنہ ابن خیثمہ۔

⑫ رفاعہ رضی اللہ عنہ ابن عبدالمنذر۔

مسلمانوں کی یثرب کی جانب ہجرت:

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یثرب کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، اور خود اللہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ مسلمانوں نے بڑی تعداد میں یثرب ہجرت کرنا شروع کردی۔ کچھ غریب مسلمان جن کو ہجرت کے اسباب مہیا نہیں تھے کچھ وقت کے لیے مکہ میں رکے رہے، مندرجہ ذیل آیت ایسے ہی اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے [1]:

﴿...... وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ (النساء۴:۷۵)

"اور مردوں میں کمزور لوگ، کچھ عورتیں اور کچھ بچے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں۔"

مسلمانوں کی ہجرت نے مکہ کے کفار کو آگ بگولہ کردیا۔ ان کو اس وحی کے متعلق بھی اطلاع ملی جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت دی گئی تھی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ

[1] علامہ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج۱، ص۵۲۵۔

Marfat.com

اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (الحج ۲۲:۳۹،۴۰)

''ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی جا رہی ہے جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے، محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے زور نہ گھٹواتا رہتا، تو (اپنے اپنے زمانے میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے، اور یہود کے عبادت خانے، اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جہاں پر اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے، بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبے والا ہے[1]۔''

یہ آیات ایک سے دوسرے تک بہت تیزی سے پھیل گئیں۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں ایک جماعت فراہم ہو گئی ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے ان سے جا مل رہے ہیں تو انھوں نے جان لیا کہ ان لوگوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کسی محفوظ مقام کو اپنی قیام گاہ بنایا ہے، اب انھیں خوف پیدا ہوا کہ خود ان پر چڑھائی ہو گی، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا مگر آپ ﷺ کو بذریعۂ وحی اس کی اطلاع دے دی گئی:

﴿وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ﴾ (الانفال ۸:۳۰)

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۶۷، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۷۔

نوٹ: بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے سال میں نازل ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو: زاد المعاد از ابن قیم، ج ۱، ص ۳۱۴۔

Marfat.com

''اور جب کفار مکہ آپ ﷺ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ ﷺ کو قید کرلیں یا آپ ﷺ کو قتل کرڈالیں، یا آپ ﷺ کو جلاوطن کردیں، اور وہ تو اپنی تدبیریں کررہے تھے۔اور اللہ اپنی تدبیریں کررہا تھا، اور اللہ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا ہے❶۔''

عظیم ہجرت:

دارالندوہ میں قریش کے سرداروں نے جو منصوبہ بنایا تھا❷ اس کے مطابق تمام اہم قبیلوں کے سرداروں کو مل کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا تھا تاکہ بنو ہاشم ان سب کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہیں۔اس ناپاک ارادے کی تکمیل کے لیے قریش نے ان لوگوں کو متعین کیا تھا:

عتبہ، ابوسفیان، جبیر ابن مطعم، نضر ابن حارث ابن کلدہ، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن اسود ابن مطلب، حکیم ابن حزام، ابوجہل، نبیہ، منبہ، امیہ ابن خلف وغیرہ۔ان لوگوں نے رات میں رسول اللہ ﷺ کا محاصرہ کرلیا اور آپ ﷺ کے باہر آنے کا انتظار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو بذریعۂ وحی نہ صرف اس منصوبے کی اطلاع مل گئی تھی بلکہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ اس رات آپ ﷺ اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر عام طور سے آپ ﷺ آرام فرماتے ہیں❸۔ نیز آپ ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم بھی دے دیا گیا۔آپ ﷺ نے وہ سب امانتیں جو آپ ﷺ کے پاس رکھی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں، اور ان سے کہا کہ وہ آپ ﷺ کے بستر پر آرام کریں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر اس حکم کی بسروچشم تعمیل کی۔ اس مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر جو غیر معمولی اعتماد و یقین تھا اس کا زبردست مظاہرہ ہوتا ہے۔

ان تمام انتظامات کو مکمل کرلینے کے بعد رسول اللہ ﷺ سورۂ یٰس کی پہلی 9 آیتیں

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۴۸۴۔

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۴۸۰ تا ۴۸۵، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۳۷۰ تا ۳۷۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۳۷۔

❸ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۳۷۲، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۴۸۲۔

Marfat.com

پڑھتے ہوئے معجزانہ طور پر اپنے اس مکان سے باہر نکل آئے جس کا محاصرہ قریش کے سرداروں نے کر رکھا تھا اور ان لوگوں کو آپ ﷺ کے باہر نکلنے کا احساس تک نہیں ہو سکا۔ یہ واقعہ اللہ کی ذاتِ عالی پر رسول اللہ ﷺ کے کامل اعتماد و یقین کا زبردست مظہر ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت میں آپ ﷺ اپنے خون کے پیاسے انسانوں کے درمیان بے خوف و خطر نکل کر چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا [1] اور وہ رات بھر آپ ﷺ کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب ان سے صبر نہ ہو سکا تو علی الصبح آپ ﷺ کے مکان میں گھس گئے لیکن قریش کے یہ سردار یہ دیکھ کر انتہائی حیران ہو گئے کہ آنحضور ﷺ کے بستر مبارک پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سو رہے ہیں۔ چنانچہ مایوسی کی حالت میں وہ ناکام لوٹ آئے۔ شکست خوردہ اور ناکام و نامراد قریش نے اب رسول اللہ ﷺ کی سخت تلاش شروع کر دی اور اس مقصد کی خاطر مختلف گروہوں کو چاروں طرف روانہ کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ جو کوئی آپ ﷺ کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔

گھر چھوڑنے کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے اور ان کو اللہ کے حکم کی اطلاع دی [2]۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے سے ہی ہجرت کی خاطر دو اونٹنیاں سواری کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان میں سے ایک کو اپنے لیے منتخب کر لینے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست اس شرط پر قبول کی کہ آپ ﷺ اس کی قیمت ادا کریں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے زادِ راہ تیار کر دیا۔ پھر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ثور نامی ایک غار میں چھپ گئے [3]۔ اس غار میں آپ ﷺ تین دن و رات چھپے رہے۔ کفار نے ہر پہاڑ اور وادی چھان ڈالی، ان کی ایک جماعت اُس غار تک بھی پہنچی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے

[1] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۸۹، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۷۳۔

[2] صحیح بخاری، باب الہجرۃ، ج ۱، ص ۵۵۳، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۳، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۵۔

[3] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۵، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۵، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۷۔

Marfat.com

قدموں کی آہٹ پا کر گھبرا گئے اور رسول اللہ ﷺ کو کفار کے آنے کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ تسلی دی ❶ (جو کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے)

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ ۹: ۴۰)

''آپ غم نہ کریں بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

چوتھے دن یہ حضرات غار ثور سے باہر نکلے اور ایک معتبر غیر مسلم شخص عبداللہ ابن اُریقط ❷ کو مدینہ کے لیے بطور رہبر اجرت پر ساتھ لیا، ان حضرات کا سفر صرف رات میں ہوتا اور دن میں آرام فرماتے اور مدینہ کو جانے والی عام شاہراہ سے ہٹ کر سفر کرتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آرام کا پورا خیال رکھتے تھے۔ اس سفر کے دوران ایک مرتبہ ایک مضبوط اور توانا شخص سراقہ ❸ بن مالک نے سو اونٹ کے انعام کے لالچ میں رسول اللہ ﷺ کو پکڑنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا، پھر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور پیچھا کیا لیکن اس بار بھی گھوڑے کو ٹھوکر لگی لیکن اس نے پیچھا کرنا نہیں چھوڑا۔ اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر رسول اللہ ﷺ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ اس کے گھوڑے کو تیسری بار پھر ٹھوکر لگی اور گھوڑے کے پاؤں ریت میں گھٹنوں تک دھنس گئے۔ سراقہ ایک جھٹکے کے ساتھ زمین سے گر پڑا۔ اس کا ضمیر اندر سے اسے اس بری حرکت پر ملامت کر رہا تھا۔ سراقہ نے اپنے تیر پھینک دیے اور رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگی۔ رحم دل رسول (ﷺ) نے مسکراتے ہوئے سراقہ کی درخواست قبول کر لی، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کو چمڑے کے ایک ٹکڑے ❹ پر معافی نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشین گوئی بھی دی:

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۱، ص ۳۹۵ تا ۴۰۸، الروض الانف، از عبدالرحمٰن سہیلی، ج ۲، ص ۴ اور ۵، صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔

❷ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۰۹، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۷، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (جدید طباعت، دارالقلم بیروت)، ج ۲، ص ۱۳۳۔

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۱، ص ۴۱۷ تا ۴۱۹۔

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۸ تا ۴۹۰، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۳۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۷، مزید ملاحظہ ہو: حاشیہ علی الروض الانف، ج ۲، ص ۶۔

Marfat.com

''سراقہ! تمھارے ہاتھ میں ایک دن فارس کے بادشاہ کے سونے کے کنگن ہوں گے ❶۔'' (یہ پیشین گوئی چوبیس سال کے بعد پوری ہوئی جب کہ مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سلطنت فارس پر قبضہ کیا۔ خلیفہ نے سراقہ کو بلوایا اور اس کے ہاتھ میں کنگن پہنائے ❷)۔ مدینہ منورہ کا یہ سفر تقریباً سات دن میں مکمل ہوا۔

❶ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۴۱۹، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۶۔

❷ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۹۷۔

Marfat.com

ہجرت کا پہلا سال

(ربیع الاول ۱ھ تا ذی الحجہ ۱ھ)

یثرب:

یثرب (جو کہ مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے) سرزمین عرب میں علاقۂ حجاز کا ایک شہر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ۲۷۰ میل کے فاصلے پر اور دمشق سے جنوب مشرق میں تقریباً ۶۵۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے یہ شہر تقریباً دو ہزار پچاس فٹ بلند ہے۔ یہ ایک بڑے میدانی علاقے (جس کا ایک حصہ کوہِ آتش فشاں کے پھٹنے سے بنا ہے) کے مغربی کنارے پر ایک زرخیز نخلستان ہے۔ اس کے مشرق میں پھٹے ہوئے کوہِ آتش فشاں کے مادے سے بنا ہوا ایک میدان ہے جب کہ باقی تین اطراف میں نصف دائرہ کی شکل میں خشک پہاڑیاں ہیں۔ ان میں سب سے اونچا پہاڑ جو نخلستان کی سطح سے بارہ سو فٹ سے زیادہ بلند ہے جبل اُحد ہے۔

یثرب کی ابتدائی تاریخ پوری طرح معلوم نہیں ہے۔ یہاں کے خاص قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ اصل عرب قبیلوں کے علاوہ شہر کے باہری حصوں میں یہودی نوآبادیات بھی تھیں۔ تاریخ سے یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی ہے کہ اس شہر میں یہودیوں کی باقاعدہ آبادکاری کب شروع ہوئی۔ ہوسکتا ہے کچھ یہودی عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بھی یہاں آباد ہوئے ہوں، لیکن تاریخی شواہد کی روشنی میں ان کی پہلی آبادکاری اس وقت ہوئی جب روم کے بادشاہ ہارڈین نے ان کو ۱۳۵ء میں جلا وطن کیا۔ اس وقت قبائل اوس اور خزرج کا اس نخلستانی خطے پر قبضہ تھا۔ یہودیوں کی آبادکاری کے نتیجے میں اوس اور خزرج قبیلے کافی کمزور ہو گئے کیوں کہ یہودی معاشی اعتبار سے ان پر چھا گئے تھے اور انھوں نے شہر کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے تھے۔ ان کی تین طاقتور اور مضبوط نوآبادیاں یہ تھیں: بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر۔

Marfat.com

یثرب کے مشرکین یہودیوں کے (مذہبی) اثرات کی وجہ سے اپنے رسم و رواج میں اعتدال پسند واقع ہوئے تھے اور یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں آنے والی پیشین گوئیوں کی وجہ سے یہ لوگ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ کچھ عربوں نے بھی یہودیت قبول کر لی تھی اور وہ یہودیوں کے ساتھ رہنے لگے تھے، مشہور مؤرخ یعقوبی کے مطابق بنو قریظہ اور بنو نضیر اصلاً عرب تھے جنھوں نے یہودی مذہب کو قبول کر لیا تھا[1]۔ اس سلسلے میں ایک دوسرا مشہور مؤرخ مسعودی اپنی کتاب ''کتاب الاشراف والتنبیہ'' میں ذکر کرتا ہے کہ حجاز کے یہودی اصلاً ''جذام'' سے تھے لیکن عمالقہ اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ملک شام چھوڑ کر حجاز چلے آئے۔ ان کے تین قبیلے تھے: بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر۔ یہ لوگ یثرب کے قرب و جوار میں بس گئے تھے اور مضبوط قلعے تعمیر کر لیے تھے[2]۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۹۲۵، یعقوبی، ج ۲، ص ۴۹ (جیسا کہ سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۲۹۵ پر درج ہے) عبد الرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۲۴۔

[2] علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۵، المسعودی، کتاب الاشراف والتنبیہ، ص ۲۴۷۔

Marfat.com

قبا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ

یثرب کے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ چھوڑنے کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی، چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے❶ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے روزانہ شہر سے باہر آتے۔ آخر کار نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مقام قبا میں پہنچ گئے جو مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔

اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن قبا پہنچے❷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں چند دنوں تک قیام کیا پھر وہاں سے مدینہ کے لیے جمعہ کے دن روانہ ہوئے❸۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں کس تاریخ کو داخل ہوئے اس کے بارے میں مؤرخین کی رائیں قدرے مختلف ہیں۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲/ ربیع الاول❹ کو قبا میں

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱،ص ۲۲۳، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱،ص ۴۹۲، محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج۱،ص ۳۵۰، ابن خلدون، التاریخ، ج۲،ص ۳۷۹۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۴۹۲، عبدالرحمان سہیلی، الروض الانف، ج۲،ص۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۳۵۱ اور ۴۲۰، ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۲۳۳، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج۲،ص ۳۹۷، ابن عبدالبر، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج۱،ص ۱۷، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج۲،ص ۳۸۱، ۳۹۲ اور ۳۹۳، ابن قیم، زاد المعاد، ج۱،ص ۳۱۰، ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج۳،ص ۱۹۰ اور ۱۹۸، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲،ص ۴۰۔

❸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۳۵۲، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج۲،ص ۱۱، ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۴۹۴، ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج۱،ص ۱۷ اور ۱۸، ابن اثیر حوالہ مذکورہ، ج۲،ص ۴۰، ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج۳،ص ۱۸۹۔

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۴۹۲، ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج۱،ص ۱۷، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج۲،ص ۱۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۴۹۲، ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج۱،ص ۱۵، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج۲،ص ۱۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۳۵۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲،ص ۳۸۱، ۳۹۲، ابو برکات دانا پوری اصح السیر ص ۱۰۸۔

Marfat.com

داخل ہوئے لیکن سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کی جدولات کے اعتبار سے ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ جمعہ کو پڑتی ہے ❶۔ لہٰذا اگر ہم قبا میں آپ ﷺ کا دخول دوشنبہ کو مانتے ہیں تو یہ تاریخ ۸ ربیع الاول ہوگی جیسا کہ بعض مؤرخین کی رائے ہے ❷۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے قبا میں چار دن تک قیام کیا ❸۔ پھر جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول ❹ کو یثرب کے لیے روانہ ہوئے۔

۸ ربیع الاول (۱۳ نبوی یا ۱ ہجری) بروز دوشنبہ کی تاریخ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ کو پڑتی ہے جب کہ ۱۲ ربیع الاول (۱۳ نبوی یا ۱ ہجری) بروز جمعہ کی تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء ❺ کو پڑتی ہے۔ یہی وہ دن ہے جب کہ اسلامی کیلنڈر (یعنی ہجری کیلنڈر) کی ابتدا ہوئی ❻۔

---

❶ اے۔ ایم خالدی A.M Khalidi: Comparative Tables of Hijri & Christian Dates انجمن اردو ہندی، دہلی، ۹۳۹، (یہ کتاب دراصل ایورو مہلرز کی کتاب کا ترجمہ ہے جو کہ لیپزگ میں ۱۹۲۶ء میں چھپی تھی)، مفتاح التقویم از حبیب الرحمٰن خاں صابری، اردو ترقی بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء۔

❷ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱ص ۱۷، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱، علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۷۷، قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۸۹۔

❸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۱ تا ۳۸۹، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۹۸، علی ابن برہان الدین حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۱، ص ۹۵۔

❹ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱، ابن حزم (جیسا کہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ میں نقل کیا ہے۔ ج ۱، ص ۳۵۲)، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۱ تا ۳۹۳، قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۸۹۔

❺ اوپر مذکورہ حاشیہ نمبر ۷ میں ذکر کی گئی تقویم ملاحظہ ہو: مستشرق مونٹ گمری واٹ W. Montgomery watt: "Muhammad, Prophet and Statesman" ص ۹۱، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱ھ/۱۳ مئی ۶۲۲ کو پڑتی ہے: Muhammad Rasulullah، ص ۶۰۔

❻ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۲ اور ۳۹۳، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۰۶ اور ۲۰۷، صحیح بخاری (جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے: ج ۳، ص ۲۰۶)۔

Marfat.com

قبا میں ایک ممتاز خاندان کلثوم ابن ہدم کا تھا، جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو قبا میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو نہایت پر جوش اور بلند آواز سے خوشی میں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا۔ ان کی دعوت پر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہاں پر چند روز قیام فرمایا۔ یثرب سے بھی مسلمان رسول اللہ ﷺ سے ملنے جوق در جوق وہاں پہنچنے لگے۔ اسی اثنا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ سے آ ملے۔

قبا میں تاریخ اسلام کی سب سے پہلی مسجد:

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو تاریخ اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ نے مسجد کے لیے زمین دی ❶۔ اس کی تعمیر میں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کیا ❷۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک بڑے صحابی اور مشہور شاعر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اس موقع پر مندرجہ ذیل ابیات پڑھ رہے تھے:

افلح من یعالج المساجدا

ویقرءُ القرآن قائماً وقاعدا

ولا یبیت اللیل عنہ راقدا

''وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔ اور رات کو (اللہ کی عبادت کی خاطر) جاگتا رہتا ہے۔''

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾

(التوبہ ۹:۱۰۸)

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔''

---

❶ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۳۔

❷ نور الدین ابن جمال الدین، وفاء الوفاء، ج ۱، ص ۸۰، عبدالرحمان سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۱۱۔

Marfat.com

مدینہ منورہ، یثرب کا نیا نام

بروز جمعہ ۱۲ رربیع الاول ❶ مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو نبی کریم ﷺ قبا سے یثرب کے لیے روانہ ہوئے۔

راستے میں بنو سالم ❷ کے محلے میں آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز ادا کی۔ یہ تاریخ اسلام

❶ ۱۲ رربیع الاول کی یہ تاریخ اس نظریے کے تحت ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاول بروز دوشنبہ قبا تشریف لائے تھے۔ ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین و سیرت نگاروں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں قیام چار دن رہا تھا اور آپؐ جمعہ کے روز مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج۱، ص۳۵۲، الروض الانف، ج۲، ص۱ الاستیعاب، ج۱، ص۱۷، اور ۱۸ اور السیرۃ النبویۃ (از ابن ہشام، ج۱، ص۴۹۴، وغیرہ۔
لیکن اس سلسلے میں اختلاف رائے بھی ہے، جہاں تک ان دنوں کی تعداد کا سوال ہے جتنے دن آپؐ قیام قبا میں رہا تھا مختلف مؤرخین و سیرت نگاروں نے مختلف تعداد بتائی ہے اور تمام روایتیں جمع کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعداد چار دن سے لے کر بیس دن تک ہے۔ ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج ا ص ۳۵۱ تا ۳۵۳، تاریخ الرسل والملوک (از ابن جریر طبری) ج ۲، ص ۳۸۳، کچھ مؤرخین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے لیے ۲۳ رربیع الاول بروز جمعہ روانہ ہوئے تھے۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۴۹۲، محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج۱، ص۳۵۴، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۴، ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۳۹ ۷، علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۲۷، ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۴۱۔

نوٹ: (۱) ابن ہشام کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ میں جمعہ کی پہلی نماز ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ نے پڑھائی تھی ''السیرۃ النبویہ''، ج۲، ص۲۲، ''السیرۃ النبویہ'' (جدید طباعت، دارالقلم، بیروت) ج۲، ص۷۷
(۲) پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق تاریخ اسلام میں جمعہ کا پہلا خطبہ و نماز حضرت مصعبؓ بن عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے قبل (مدینہ منورہ میں) ادا کی تھی۔ ملاحظہ ہو: Muhammad Rasulullah، ص ۵۷۔

Marfat.com

میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی امامت میں ادا کی گئی آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے والے حاضرین کے سامنے ایک خطبہ دیا جس نے سارے سامعین کا دل موہ لیا۔

جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ یثرب کی طرف بڑھے، اس شہر کا ایک مشہور قبیلہ بنو نجار تھا۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار تھے، بنو نجار کے لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے ہتھیار لگا کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کا شہر میں داخلے کے وقت بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا گویا کہ حکمران ایک عظیم فتح کے بعد اپنے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ کردار اور آپ ﷺ کی تعلیمات نے لوگوں کا دل جیت لیا تھا۔ اس اعتبار سے یقیناً آپ ﷺ ایک عظیم فاتح تھے۔ یثرب کا ہر فرد بے حد فرحاں و شاداں تھا۔ گھر میں رہنے والی عورتیں بھی اپنی چھتوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں (اس وقت تک پردے کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے) اور خوشی کے ترانے گا رہی تھیں:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — مادعی للہ داع[1]

''چاند نکل آیا کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔''

بنو نجار (وہ قبیلہ جس سے رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ ہاشم کی بیوی سلمٰی تھیں) کی چھوٹی بچیاں خوشی میں گیت گا رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار — یا حبذا محمدًا من جار[2]۔

---

[1] نورالدین ابن جمال الدین، وفاء الوفاء، ج۱،ص ۱۸۷، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۳،ص ۸۲، اور ج۱،ص ۳۵۹، علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۲۷۸، ڈاکٹر ماجد علی خان The Last Prophet ص ۳۶، بیہقی۔

نوٹ: کچھ مؤرخین کے مطابق یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں داخل ہوئے تھے۔

[2] نورالدین ابن جمال الدین، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۱۸۷، علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج۱،ص ۲۸۷، بیہقی، بروایت انسؓ ابن مالک (جیسا کہ ابن کثیر نے سیرت میں تحریر کیا ہے: ج ۲،ص ۲۷۴) ڈاکٹر ماجد علی خاں، The last Prophet ص ۳۶۔

Marfat.com

''ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد ﷺ کیا اچھا ہمسایہ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان بچیوں سے پوچھا: ''کیا تم مجھے چاہتی ہو۔'' وہ بولیں: ''ہاں''!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی تم کو چاہتا ہوں ❶۔''

شہر کے ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کے مہمان بنیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کا فیصلہ کرنا انتہائی نازک تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیں اور جہاں اونٹنی ٹھہرے گی اسی قبیلہ میں آپ ﷺ کا قیام ہوگا۔ چنانچہ اونٹنی مالک بن نجار کے محلے میں اس مقام پر ٹھہری جہاں کہ اب مسجد نبویؐ واقع ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کا کجاوا اتارا اور اپنے گھر میں اس کو رکھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں قیام فرمایا۔ جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی جگہ تھی ❷۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ ان کا مکان دومنزلہ تھا جس میں اوپر والی منزل انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیش کی لیکن آپ ﷺ نے زائرین اور ملاقات کرنے والوں کی سہولت کی خاطر نچلی منزل کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو ہر طریقے سے آرام بہم پہنچایا۔ آپ ﷺ ان کے گھر سات مہینے سے زیادہ مقیم رہے۔ نبی کریم ﷺ نے (اپنے متبنیٰ بیٹے) حضرت زید رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیج کر اپنے گھر والوں کو بھی مدینہ بلا لیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی مدینہ پہنچ گئیں۔

جب سے نبی کریم ﷺ نے یثرب میں اقامت اختیار کی اس وقت سے اس شہر کا نام بدل کر ''مدینۃ النبی ﷺ'' (یعنی نبی ﷺ کا شہر) ہوگیا جو مسلمانوں میں عام طور پر ''المدینۃ المنورۃ'' (مدینہ منورہ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے دیگر مشہور نام ''طیبہ ❸'' اور ''طابۃ'' بھی ہیں۔

---

❶ نورالدین ابن جمال الدین، وفاء الوفاء، ج۱، ص ۱۸۷، علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۲۷۸۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۴۹۴ تا ۴۹۶، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۲۳۷، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۹۴، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۶، عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۵۷، ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۴۰۷۔

❸ سیرۃ از ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۷۹۔ نوٹ: کچھ کتابوں میں یہ مدت کم بیان کی گئی ہے۔

Marfat.com

مسجد نبویؐ کی تعمیر:

مسلمانوں کے نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد کی سخت ضرورت تھی۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی توجہ ایک مسجد کی تعمیر کرنے میں مرکوز کر دی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے ایک خالی جگہ تھی، یہ وہی زمین تھی جہاں پر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قبا سے آنے کے بعد بیٹھ گئی تھی۔ یہ زمین دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلایا اور ان سے مسجد کے لیے زمین کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی، وہ دونوں بچے نہ صرف بخوشی راضی ہو گئے بلکہ انھوں نے اس زمین کو بغیر قیمت مسجد کے لیے وقف کر دینے کی رضامندی ظاہر کی لیکن رسول اللہ ﷺ اس پر راضی نہ ہوئے اور آپ ﷺ نے زمین قیمت دے کر خریدی[1]۔ بعض روایات کے مطابق حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زمین کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا[2]۔ اس زمین میں چند کھجور کے درخت اور کچھ قبریں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو ہموار کر دینے کا حکم دیا، درختوں کو کاٹ دیا گیا اور ان کے تنوں کو مسجد کے چھتے ہوئے حصے میں ستونوں کے طور پر استعمال کیا گیا۔

اس طرح مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع ہو گئی، رسول اللہ ﷺ نے خود ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کیا[3]۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کام کرتے جاتے اور ساتھ ساتھ یہ رجزیہ اشعار پڑھتے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے:

اللھم لا عیش الاعیش الآخرۃ   فاغفر الانصار والمھاجرہ[4]

"اے اللہ (اصل) زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔"

---

1. صحیح بخاری، باب الہجرۃ، ج۱، ص ۵۵۵، سنن ابوداؤد، باب فی بناء المسجد، ج۱، ص ۱۵۳، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۶۴، عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۱۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۳۹۶۔ ابن خلدون تاریخ، ج۲، ص ۴۰۷۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۳۹، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۶۴۔
3. محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۶۶، تا ۳۷۸۔
4. سیرۃ از ابن کثیر، ج۲، ۲۵۱، ابن قیم، زاد المعاد، ج۱، ص ۳۱۱۔

Marfat.com

جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا❶: ''یہ جگہ میرا گھر، میری عبادت گاہ اور میری (دائمی) آرام گاہ ہو گی❷۔'' مسجد سے متصل رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجروں کی تعمیر ہوئی❸۔ ابتدا میں صرف دو حجرے تعمیر کیے گئے؛ ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے لیکن بعد میں جب رسول اللہ ﷺ نے اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے شادی کی تو ان کے لیے مزید حجرے بنائے گئے۔ یہ حجرے کچی اینٹوں کے تھے اور ان کی چھت کھجور کے پتوں سے چھائی گئی تھی۔

مسجد نبویؐ ہر قسم کی آلائش و زیبائش اور مصنوعات و تکلفات سے مبرّا تھی۔ یہ درحقیقت اسلام کی سادگی کی ایک مکمل تصویر تھی۔ مدینہ منورہ مذہب اسلام کی ترقی و ترویج کے لیے ایک موزوں ترین مقام ثابت ہوا۔ نماز کی موجودہ جامع ترین صورت مدینہ میں ہی تکمیل پذیر ہوئی اور اسلامی تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا، جس کے دوران اس دین کو پوری طرح مکمل کر لیا گیا۔

نماز باجماعت کی اطلاع کے لیے اذان کا اجرا کیا گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد نبویؐ کے مؤذن مقرر ہوئے❹ شروع میں مسلمان مسجد میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جو کہ پچھلے انبیاء کا قبلہ تھا لیکن بعد میں (۲ ہجری میں) اللہ نے قبلہ تبدیل کر کے کعبہ (یعنی مکہ مکرمہ) کی طرف کر دیا۔ اس بارے میں تفصیلی بحث بعد میں آئے گی۔

صفہ:

مسجد کی ایک جانب ایک بڑا چبوترہ بنایا گیا۔ یہ جگہ نہ صرف اسلامی تعلیم کا مرکز تھی بلکہ

❶ سنن ابی داؤد، باب فی بناء المسجد، ج ا، ص ۱۵۳، صحیح بخاری (باب المسجد)، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ ج ا، ص ۳۶۶، الروض الانف کے حاشیے میں سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: الروض الانف، ج ۲، ص ۱۲ اور ۱۳۔

❷ ''پیامبر'' کا انگریزی ترجمہ، ج ۳، ص ۲۷۔

❸ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۲۴۰، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۳۶۹، اور ۳۷۰، ابن قیم زاد المعاد، ج ا، ص ۳۱۲۔

❹ سنن ابوداؤد، (باب بدء الاذان) ج ا، ص ۱۸۶، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۵۰۸ اور ۵۰۹، زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۳۷۵ تا ۳۸۰، عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۹۔

Marfat.com

غریب مسلمانوں (بالخصوص مکہ کے آئے ہوئے غریب مہاجرین) کی جائے پناہ بھی تھی۔ جو مسلمان وہاں قیام پذیر تھے انھیں ''اصحاب صفہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا[1]۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے کثیر تعداد میں، حدیثیں روایت کی گئی ہیں ''اصحاب صفہ'' ہی میں سے تھے۔

مؤاخاۃ:

اسی اثنا میں مسلم مہاجرین کثیر تعداد میں مدینہ منورہ آتے رہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان غریب و نادار مہاجرین کی طرف مبذول ہوئی، جنھوں نے اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے دین کی خاطر اپنے وطن اور اپنے تمام اثاثے کو چھوڑ دیا تھا۔ اسلام کی یہ تعلیم کہ ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے'' مدینہ منورہ میں پوری طرح آزمائی گئی۔ مکہ کے کفار نے مہاجرین سے ہجرت کے وقت ان کا تمام اثاثہ چھین لیا تھا۔ ان کی اس مصیبت کا صحیح حل اسلامی مؤاخاۃ ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں مدینہ کے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان اور مکہ سے آئے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کے درمیان مؤاخاۃ[2] (بھائی چارہ) کرایا۔ مدنی مسلمانوں کا لقب انصار (مددگار) اور مکی مسلمانوں کا لقب مہاجرین پڑا۔ یہ بھائی چارگی سگے بھائیوں کے رشتے سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے تمام اثاثوں کا حصہ دار بنا لیا[3]۔ اس طرح مکہ کے مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں ایک نیا گھر پایا۔ یہ محبت، مہربانی اور ہمدردی کی نادر مثال تھی جو اسلام نے دو ایسی قوموں کو جو تہذیب و ثقافت اور نسل و خاندان کے اعتبار سے بالکل مختلف تھیں، رشتۂ اتحاد میں منسلک کر کے پیش کی تھی۔ اور ان کو بھائی چارگی و مؤاخاۃ کے راستے پر لا کھڑا کیا تھا۔ مہاجرین نے بھی اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کا پورا مظاہرہ کیا اور اس قسم کی مدد کو حتی الامکان قبول کرنے سے گریز کیا۔ انھوں نے اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دی۔ اس نادر المثال مؤاخاۃ کے بارے میں قرآن کریم مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کرتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ

---

[1] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۰۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۰۷، عبد الرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۸، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۳، ابن خلدون، ج ۲، ص ۴۱۷ اور ۴۴۲، ابن عبد البر، ص ۹۶۔

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح بخاری، باب المواخات۔

Marfat.com

اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾

(الانفال ۸:۷۲)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔“

مذکورہ بالا حکم کی بنیاد پر (جب تک کہ وراثت کے مستقل احکامات نازل نہیں ہوئے اس وقت تک) ایک مہاجر اپنے انصاری بھائی کے ترکہ میں وارث ہوتا تھا جب کہ انصاری کے اپنے رشتے دار اس ترکے میں وراثت سے محروم رہتے تھے [1] لیکن غزوۂ بدر کے بعد جب مہاجرین کو مدد کی ضرورت نہیں رہی تو مذکورہ بالا حکم مندرجہ ذیل آیت سے منسوخ کر دیا گیا:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ﴾ (الانفال ۸:۷۵)

”اور جو رشتے دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حق دار ہیں۔“

مہاجرین نے تجارت کو زیادہ پسند کیا جب کہ انصار کھیتی باڑی کرتے تھے۔ جلد ہی کچھ مہاجرین تجارت میں کافی آگے بڑھ گئے اور بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف وغیرہ۔

بیت المال:

تاریخ میں پہلی مرتبہ لوگوں نے ایک مشترکہ فنڈ قائم کرنے میں حصہ لیا جس کا مقصد عوامی فلاح و بہبود اور ان کی اعانت و مدد تھی۔ اس فنڈ کا نام ”بیت المال“ رکھا گیا۔ غریب مسلمان بشمول ”اصحاب صفہ“ اس سے مستفید ہوتے تھے۔

یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ:

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کی نو آبادیات تھیں۔ یہود

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ج ۲، ص ۶۵۹، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۳۸، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۴، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۹۶، ابن قیم، زاد المعاد، ص ۳۱۲۔

Marfat.com

بڑے تاجر و سوداگر اور سرمایہ دار تھے۔ یہ ناقابل برداشت شرح سود پر قرضہ دیتے تھے اور اپنے قرضے کو واپس لینے میں بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ مدینہ منورہ میں رہنے والے قبیلے اوس و خزرج اسلام سے قبل اکثر برسر پیکار رہتے۔ مشہور جنگ بعاث ان قبیلوں کی وہ آخری جنگ تھی جس نے ان کی طاقت کو پوری طرح برباد کیا تھا۔ مدینہ والوں کی آپسی پھوٹ یہودیوں کے حق میں تھی، وہ کبھی نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ متحد ہوں۔

طلوع اسلام اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آمد آپس میں مسلسل جنگ و جدال میں مبتلا اوس و خزرج کے قبیلوں کے اتحاد کا سبب بنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہنے والے مہاجرین و انصار اور مسلمانوں اور یہودیوں تمام لوگوں میں آپس میں اچھے تعلقات قائم کرانے کی کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر میں امن قائم کرنے کی خاطر اسلام اور یہودیت کے درمیان مشترکہ اقدار کی بنیادیں فراہم کیں اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدے کو انتہائی ضروری قرار دیا۔ معاہدے کی یہ دفعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں [1]۔

معاہدہ کے اہم اقتباسات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ دستاویز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے نبی ہیں، اور اہل یثرب میں سے مومنوں اور مسلموں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔

دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت ہیں، قریش میں سے مہاجرین اسلام سے پہلے کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۰۱ تا ۵۰۴، عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۶ اور ۱۷، مزید ملاحظہ ہو: حیاتِ محمد، ص ۴۸۶ تا ۴۹۱، رحمۃ للعالمین، ص ۱۰۰، اور ۱۰۱، ڈاکٹر ماجد علی خان The Last Prophet ص ۳۸ و ۳۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ Muhammad Rasulullah ص ۶۳ تا ۶۶، اور The First Written Constitution of The World لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱ تا ۶۴، ۱ے گلیوم A. Guillaume, The Life of Muhammad (ابن اسحاق کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انگریزی ترجمہ) ص ۲۳۱ تا ۲۳۳۔

Marfat.com

تا کہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

اور بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تا کہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(اسی طرح بنو ساعدہ، بنو حارث، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف، بنو النبیت اور بنو اوس بھی کریں گے تا کہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو)

کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

متقی اور ایمان دار مسلمان ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے، جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا مؤمنوں میں فساد پھیلائے ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی مومن کسی مومن کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کافر کی امداد کرے گا۔

یہودیوں میں سے جو اتباع کرے گا اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی۔ نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

مومنوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اگر کوئی اللہ کی راہ میں (جہاد کر رہا ہو) تو کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک کہ یہ صلح سب کے لیے برابر نہ ہو۔

اور مومنین اس چیز کا بدلہ لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے۔ اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی فراہم ہو جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام مومنین اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی (دیگر) صورت جائز نہیں ہوگی۔

اور یہودی جب تک مومنین کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے (اس جنگ کے)

Marfat.com

مصارف بھی برداشت کریں گے۔

اور بنو عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں گے، مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل، البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے علاوہ کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے۔ (اسی طرح یہودیوں کے مختلف قبیلوں مثلاً بنو نجار کے یہودی، بنو حارث کے یہودی، بنو ساعدہ کے یہودی، بنو جشم کے یہودی، بنو اوس کے یہودی اور بنو ثعلبہ وغیرہ کے یہودیوں کے بارے میں بھی اوپر دی گئی دفعہ کے مطابق الفاظ درج ہیں)۔ (تمام یہودی قبائل کا ذکر کرنے کے بعد معاہدے میں یہ الفاظ ہیں) وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ ان کو ہیں۔

اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔ زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ جو شخص خون ریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ اس کے ساتھ ہے۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔

جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے تو وہ (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ وفا کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی کا۔

یثرب (مدینہ) کی وادی اس دستور العمل کو ماننے والوں کے نزدیک مقدس ومحترم ہو گی۔ پناہ گزیں سے ویسے ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ اصل شخص (یعنی پناہ دہندہ) سے ہو رہا ہو، نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ہی وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا، کسی عورت کو اس کے کنبہ والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ (کفار) قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو (معاہد فریقوں یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر) ایک دوسرے کی امداد ونصرت لازم ہوگی۔ اگر انہیں صلح کر لینے اور اس میں شرکت کرنے کی

Marfat.com

دعوت دی جائے گی تو یہ اسے قبول کرلیں گے اور شریک ہوں گے اسی طرح جب وہ کسی کو صلح کے لیے بلائیں تو اسے قبول کریں گے۔ اور مسلمانوں پر بھی قبول کرنا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ اس صحیفے میں ہے اس کی سب سے زیادہ تصدیق کرنے والا ہے۔

یہ نوشتہ کسی ظالم اور مجرم کو سزا دینے میں مانع نہیں ہوگا۔

اللہ اس شخص کا حامی ہے جو عہد واقرار میں وفا شعار اور پرہیزگار ہے اور اس کے رسول محمد ﷺ بھی اس کے حامی ہیں۔''

مذکورہ بالا معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

''تاریخ انسانی میں کسی بھی ریاست کے حکمران کا یہ وہ پہلا تحریری دستور العمل ہے جو پیغمبر اسلام (ﷺ) نے جاری کیا تھا، گو کہ یہ ہجرت کے پہلے سال (۶۲۲ء) میں لکھا گیا تھا، لیکن ہم تک یہ پوری طرح اسی انداز میں پہنچا ہے (جس طرح کہ یہ لکھا گیا تھا[1]۔''

معاہدے کے خاص خاص نکات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ مزید تحریر کرتے ہیں:

''مدینہ منورہ میں ایک ایسی متحد ریاست کا بنانا ناگزیر تھا جس کے مختلف حصوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی ہو لیکن (ساتھ ہی ساتھ) نجی طور پر انصاف کی خاطر عدالت قائم کرنے پر پابندی بھی ہو، اور ریاست کے سربراہ کو براہ راست یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپیل سن سکے، نیز اس کو یہ بھی اختیار حاصل ہو کہ کون لوگ کس جنگی مہم میں شرکت کریں۔ اس کے علاوہ وہ جنگ چھیڑنے اور امن قائم کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہو۔ (اس ریاست میں) ہر فرد کے لیے معاشرتی ضمانت ایک مخروطی بنیاد (یعنی معمولی اور قابل برداشت بنیاد) پر قائم کی گئی ہو جن میں خون بہا جیسی بھاری رقم کا بھی اس صورت میں ادا کرنا ممکن ہو جب کہ قاتل کو سزائے موت نہ دی جاسکے، اسی طرح جنگی قیدیوں کی دشمنوں سے آزادی بھی (اسی بنیاد پر) ممکن ہو۔ چنانچہ سب لوگ اسی

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Journal of the Muslim World League, "The First Written Constitution of the World" مکہ مکرمہ، ۱۹۷۴ء (۱۳۹۳ھ) ج ۱، شمارہ نمبر ۲، ص ۴۷۔

معاہدے پر متفق ہو گئے، اس کی دفعات تحریر کی گئیں اور دستور العمل بن گیا، ایک ایسا دستور جو کہ دنیا میں کسی بھی ریاست کے حکمران نے پہلی بار تحریری شکل میں جاری کیا۔ اس دستور کا متن مکمل شکل میں ہم تک پہنچا ہے ❶۔

مستشرق ٹور اینڈری Tor Andrae مندرجہ ذیل الفاظ میں اس معاہدے پر تبصرہ کرتا ہے:

''مدینہ کی امت کے قوانین کسی دینی حکومت کے دستور کی وہ پہلی دستاویز ہیں جس نے بتدریج اسلام کو ایک عالمی مملکت اور عالمی دین بنایا۔ (اس دستور کے مطابق) اگر کوئی بھی مذہبی مقتدر اعلیٰ کے خلاف کام کرتا تو وہ اپنے قریبی رشتے داروں کے ہاتھوں بھی مامون و محفوظ نہیں تھا۔ (اس کے مطابق) اسلام نہ صرف ایک مذہب بلکہ ایک برادری بن گیا تھا جیسا کہ (قرآنی) سورہ نمبر ۴۹ (حجرات) کی آیت نمبر ۱۰ کہتی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾

''مومنین تو سب بھائی ہیں ❷۔''

منافقین:

ایک مختصر عرصے میں یہودیوں کو چھوڑ کر تمام اہل مدینہ نے اسلام قبول کر لیا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دل سے رسول اللہ ﷺ کے اس مشن کی کامیابی نہیں چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ سے قبل عبداللہ ابن ابی جو اس شہر کا حکمران بننے کا خواب دیکھ رہا تھا، ایسے لوگوں کا سرغنہ تھا۔ یہ لوگ صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن اندرونی طور سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے کینہ اور بغض رکھتے تھے ❸۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو ''منافقین'' کہا ہے۔ بعد میں ان لوگوں نے یہودیوں اور دوسرے دشمنان اسلام کے ساتھ تعاون کیا ❹ اور ہمیشہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

---

❶ ڈاکٹر محمد حمید اللہ Muhammad Rasulullah پیراگراف ۱۴۴، ص ۶۳۔

❷ ٹور اینڈری Tor Andree: Muhammad, The Man And His Faith، ص ۱۳۶۔

❸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۶۔

❹ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۰۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۶، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۷۔

Marfat.com

سن ۱ھ میں رونما ہونے والے متفرق واقعات

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی:

رسول اللہ ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مکہ مکرمہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ہی ہو گیا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ بعض روایات [1] کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی شوال ۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی [2]۔ اس زمانے میں عرب کے اندر ۹ سال کی لڑکیاں کافی بڑی اور بالغ ہو جایا کرتی تھیں، اس حقیقت کا اقرار مشہور مستشرق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس کم عمری میں شادی کا زبردست معترض منٹگمری واٹ Montgomery Watt بھی کرتا ہے [3]۔

(۲) ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کی موت:

اسی سال مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمنوں ولید ابن مغیرہ اور عاص ابن وائل کی موت واقع ہوئی [4]۔

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پیدائش:

مسلمانوں کی مدینہ منورہ ہجرت کے بعد کافی عرصہ تک مہاجرین میں سے کسی کے گھر

---

[1] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۸ اور ۳۹۹۔

[2] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۹۔

[3] منٹگمری واٹ W. Montgomery watt: Muhammad, Prophet And Statesman ص ۱۰۲۔

[4] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۸۔

Marfat.com

میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اس پر منافقین نے یہ طنز کیا کہ ایسا یہودیوں کے جادو کے اثر سے ہوا ہے۔ اسی دوران حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی) کے یہاں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) سے عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش سے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ❶۔

④ نماز کی فرض رکعات میں اضافہ:

اب تک ہر نماز میں صرف دو رکعات فرض تھیں۔ ہجرت کے ایک ماہ بعد یعنی ❷ ربیع الآخر میں ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں فرض رکعتوں کی تعداد چار چار ہوگئی۔ البتہ دورانِ سفر ان نمازوں میں وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔

⑤ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کا اسلام:

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے۔ انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سنا تو آپ ﷺ کو پیغمبر آخر الزماں ؑ کی حیثیت سے پہچان لیا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ ان کے اسلام سے یہودیوں کو بڑا دھچکا لگا۔

---

❶ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۱۔

نوٹ: بعض روایات کے مطابق جنھیں طبری نے نقل کیا ہے حضرت عبداللہؓ بن زبیر ہجرت سے تقریباً ۱۴ یا ۲۰ مہینے کے بعد پیدا ہوئے۔ یعنی ۲ھ میں۔

❷ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۴ و ۳۸۵، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۰۔

Marfat.com

ہجرت کا دوسرا سال

مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازش:

اگرچہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کر گئے لیکن قریش نے ان کے اور اسلام کے خلاف اپنی نفرت اور دشمنی نہیں چھوڑی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی بڑھتی ہوئی ہر دل عزیزی اور مقبولیت کو کسی بھی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ میں امن وسکون کے دن بہت کم ثابت ہوئے۔ وہاں پر ان کی بڑھتی ہوئی خوش حالی اور روزافزوں ترقی دیکھ کر قریش کی تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا اور انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اس طاقت اور ان کے اس اثر کو بالکل ختم کر کے رہیں گے۔ اس کام کے لیے ان کو مدینہ میں ایک بہترین آلۂ کار مل گیا۔ اور وہ تھا منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی، جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کا حکمران بننے کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن اب رسول اللہ ﷺ کی حیثیت مدینہ منورہ میں ایک بااثر و باعظمت مقتدر اعلیٰ کی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے عبداللہ بن اُبی کی حیثیت کو گہن لگ گیا تھا حالاں کہ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے وہ وہاں پر ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا[1]۔ اس وجہ سے عبداللہ بن اُبی کے دل میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف حسد، بغض و کینہ کی آگ سلگ رہی تھی۔ چنانچہ یہیں سے فتنے کا آغاز ہوا۔ قریش عبداللہ بن اُبی کے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اس معاندانہ رویے سے پوری طرح واقف تھے، چنانچہ انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اس کی طاقت اور اثرات کو آلۂ کار بنا کر مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے باہر نکلوا دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے عبداللہ بن اُبی کو ایک خط لکھا:

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص ۵۸۴، عبدالرحمن سہیلی، الروض الانف، ج۲، ص ۵۱۔

Marfat.com

''تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا (مدینہ سے) باہر نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تم کو فنا کر کے تمھاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے ❶۔''

جب رسول اللہ ﷺ کو اس خط کی اطلاع ملی تو آپ عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا ''کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف جنگ کرو گے ❷۔'' اس خوف نے کہ مبادا اس کی اپنی قوم کے لوگ اس کے خلاف نہ ہو جائیں عبداللہ بن اُبی کو مسلمانوں کے خلاف کسی کھلی ہوئی سازش اور ریشہ دوانی میں ملوث ہونے سے باز نہ رکھا۔

جب قریش کو اپنی اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو وہ ان قبیلوں کی طرف متوجہ ہوئے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد تھے۔ انھوں نے ان کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا شروع کیا۔

عبداللہ ابن اُبی بھی مدینہ میں ست نہیں بیٹھا رہا۔ خفیہ طور پر اس نے کچھ مخالفین کو ہم نوا بنانے کی کوشش کی۔ جہاں تک یہودیوں کا معاملہ تھا ان کے اوپر بہت زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا جیسا کہ بعد میں توضیح کی جائے گی۔ یہودی رسول اللہ ﷺ کے خلاف بغض و کینہ رکھتے تھے اور کسی بھی لمحے وہ مسلمانوں سے غداری کر سکتے تھے۔ غرض اندرونی و بیرونی دونوں اعتبار سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے دشمن موجود تھے۔ ''اس طرح مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے خلاف تین محاذوں کا سامنا کیا۔ قریش، یہودی اور منافقین جن کا سرغنہ عبداللہ ابن اُبی تھا ❸۔'' یہودیوں کے معاملے پر بعد میں غور کیا جائے گا۔ مسلمان ایک بار پھر ہر طرف سے دشمنانِ اسلام کے نرغے میں تھے۔ ان کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں مدینہ کے باہر سے یا اندر سے ان پر حملہ نہ کر دیا جائے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ ابن کعب نے اس حالت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول الله صلی الله علیه وسلم و اصحابه المدینة وأوتهم الانصار رمتهم العرب عن قوس واحدة و کانوا لایبیتون الا بالسلاح ولایصبحون الافیه"۔

❶ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۳۰۵، مزید ملاحظہ ہو سنن ابوداؤد، باب خبر النضیر۔

❷ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۰۶۔

❸ ڈاکٹر ماجد علی خاں The last Prophet، ص ۳۹۔

Marfat.com

"رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ آئے اور انصار نے انھیں پناہ دی، تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ہتھیار باندھ کر سوتے اور صبح نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ہتھیار بند ہوتے [1]۔"

ایک روایت کے مطابق عین اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کو بذریعۂ وحی دفاع کی خاطر تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾ (البقرۃ ۲:۱۹۰)
"اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں لیکن حد سے آگے نہ بڑھو۔"

رسول اللہ ﷺ کے حفاظتی اقدامات:

وحیِ الٰہی نے ان تمام شکوک وشبہات کو رفع کر دیا جو مسلمانوں کے ذہنوں میں ان کے دشمنوں کے ساتھ معاملے کے سلسلے میں ابھرتے۔ چنانچہ موجودہ حالات کے تحت رسول اللہ ﷺ نے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ حالات بگڑنے سے پہلے ہی دفاعی تدابیر اختیار کر لی جائیں۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

(۱) سب سے پہلے آپ ﷺ نے مدینہ کے اطراف میں قریش کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے اور صحیح معلومات حاصل کرنے نیز ان کی خفیہ تدابیر پر نظر رکھنے کی غرض سے چھوٹے چھوٹے سرایا بھیجے۔ ان سرایا کے بھیجنے کے مقصد کی پوری وضاحت اس خط سے ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو اس وقت دیا تھا جب ان کو ایک جماعت کے ساتھ قریش کے خفیہ پلان جس کے تحت وہ مسلمانوں کو دھوکے میں رکھ کر حملہ کرنا چاہتے تھے، پر نظر رکھنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ واقدی کے مطابق (ملاحظہ ہو: ابن سعد: ۱۰/۲) اس خط کا مضمون یہ تھا: "وادیٔ نخلہ جاؤ اور قریش کی گھات لگاؤ۔" ابن اسحاق نے بھی (جیسا کہ ابن ہشام نے نقل کیا ہے) اس خط کے تقریباً یہی الفاظ نقل کیے ہیں: "مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ جاؤ اور وہاں قریش کی جاسوسی

[1] صحیح بخاری، لباب فی اسباب التنزیل للسیوطی، مسند دارمی، ابوداؤد، حاکم

Marfat.com

کرو اور ان سے متعلق خبریں ہم تک پہنچاؤ‘‘ اس خط سے مغربی سیرت نگاروں کے ان غلط الزامات کی بھی تردید ہوتی ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ پر عائد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس قسم کے سرایا قریش کے قافلوں کی لوٹ مار کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔

(۲) مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے امن معاہدے بھی کیے تاکہ وہ دشمنان اسلام سے نہ مل جائیں۔ اس کے نتیجے میں بہت سے قبیلوں کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے ہوئے لیکن ان معاہدوں کی نوعیت صرف امداد باہمی کی تھی کیوں کہ زیادہ تر معاہدوں کی شرائط یہ تھیں کہ وہ قبیلے مسلمانوں کی اس وقت مدد کریں گے جب مسلمانوں کا کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا اور اسی طرح مسلمان بھی ان کے حملہ آوروں کے مقابلہ میں ان کی مدد کریں گے مثلاً ایک معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:

”ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لبنی ضمرۃ فانھم آمنون علی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی مذرامھم الا ان یحاربوا فی دین اللہ ما بل بحر صوفۃ وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ......الخ“

”یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے بنوضمرۃ کے لیے۔ ان لوگوں کی جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی، بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے مقابلے میں لڑیں اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے، اور نبی ﷺ جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کے لیے آئیں گے [1]۔‘‘

(۳) اس قسم کے سرایا کو بھیجنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ قریش کے اس تجارتی راستے کی بھی نگرانی کی جائے جو مدینہ سے ہو کر شام کی طرف جاتا تھا، تاکہ وہ جنگ کے لیے ہتھیار اور دیگر آلاتِ حرب نہ خرید سکیں۔

اس لیے ان سرایا کا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مختلف مقامات کی جانب بھیجا تھا مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھ کر، ہر قسم کے تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کیا جائے نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر سریہ کو بھیجتے وقت آپ ﷺ نے اس بات کی سخت مخالفت کی تھی کہ مسلمان ازخود کسی سے

[1] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۹۶، عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۵۸۔

Marfat.com

چھیڑ خوانی کریں اور جھگڑا اٹھائیں۔ اس سلسلے میں الحاج محمد علی سالمن اپنی انگریزی کتاب Muhammad` The Holy Prophet میں تحریر کرتے ہیں:

''اس صورت میں اگر قریش جنگ کرتے تو یقیناً ان کا یہ قدم جارحانہ ہوتا یعنی وہ جنگ میں پہل کرنے والے ہوتے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ وہ اپنی حفاظت کی خاطر ان تدابیر اور پیش بندیوں کو اختیار کریں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ انھی کے ذریعے دشمن کے جارحانہ اقدامات کا تدارک ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ دشمنوں کو مدینہ پر یورش و یلغار کرنے سے روکا جائے[1]۔''

رسول اللہ ﷺ کے ذریعے بھیجے گئے مختلف سرایا کے مقاصد پر پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی صاحب نے ایک طویل بحث کی ہے اور محرکات کو بتایا ہے جو ان کے پیچھے تھے۔ یہاں پر ان کے مضمون کے (جو کہ رسالہ ''برہان' میں چھپ چکا ہے) چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

''اب جب کہ آنحضرت ﷺ اندرونی مسائل و معاملات کی تنظیم و ترتیب اور داخلی تحفظات کے انتظام و انصرام سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے وقت کے سب سے اہم مسئلے یا قریش کی طرف توجہ کی، اس سلسلے میں آپؐ کا پہلے سے سوچا اور سمجھا ہوا منصوبہ یہ تھا کہ قریش کی تجارتی لائن کو منقطع کر دیا جائے۔ یہ وہی چیز ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں معاشی اور اقتصادی ناکہ بندی (Economic Blockade) کہتے ہیں۔ قریش کی طاقت وقوت کا دارومدار جو کچھ تھا وہ تجارت اور نہایت وسیع پیمانے پر کاروبار تھا اور شام و ایران وغیرہ جانے کے لیے قریش کے تجارتی قافلوں کا مدینہ کے راستے سے گزرنا ضروری تھا جس پر اب آنحضرت ﷺ کا قبضہ تھا اور اس اقتصادی مزاحمت کا مقصد یہ تھا کہ قریش اس طرح صلح کرنے پر مجبور ہوں گے اور آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف اپنی سخت معاندانہ روش سے باز آجائیں گے اور آزادی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے آپ ﷺ کے حق کو تسلیم کرلیں گے۔

بہرحال اب آنحضرت ﷺ نے ''سرایا'' مقرر کیے۔ سرایا جمع سریہ کی ہے اور اس کا مادہ اشتقاق ''سریٰ'' ہے جس کا معنی رات کو چلنا اور سفر کرنا ہے۔ مورخین سیرت نے

---

[1] اس موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۶، عبدالرحمٰن حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۸۔

Marfat.com

غزوہ اور سریہ کو خلط ملط کر دیا اور سریہ پر بھی بے تکلف غزوہ کے لفظ کا اطلاق کر دیتے ہیں حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ غزوہ کے معنی جنگ ہیں جو دن کے وقت اور دوبدو ہوتی ہے اور اس میں دشمن سے کھلا مقابلہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف سریہ کا کام اور اس کی نقل و حرکت پوشیدہ ہوتی ہے۔ سریہ کا ٹھیٹ ترجمہ اور اس کی حقیقت وہ ہے جو انگریزی میں لفظ Reconnaissance کی ہے اور جسے ہم اردو میں ''گشتی دستہ'' یا ''چھاپہ مار دستہ'' کہہ سکتے ہیں۔ اس دستے کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱) دشمن کی نقل و حرکت کی خبر رکھنا اور ان کی ٹوہ لینا۔
۲) جاسوسی کرنا۔
۳) بے خبری میں دشمن پر چھاپہ مارنا۔
۴) جو لوگ فتنہ انگیزی اور فساد پروری کر رہے ہوں ان کی سرزنش کرنا[1]۔

---

[1] عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا، برہان، دہلی، ج ۷۳، نمبر ۵ (نومبر ۱۹۷۴ء)، ص ۲۳۶۔۲۳۸۔

Marfat.com

غزوۂ بدر سے قبل بھیجے گئے سرایا اور جنگی مہمات

غزوۂ ودّان یا ابواء:

وہ پہلا غزوہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی، غزوۂ ودان یا غزوۂ ابواء کے نام سے مشہور ہے، جو صفر ۲ھ میں ہوا ❶۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے تقریباً ۲۳ میل ❷ کے فاصلے پر ایک جگہ ''ودان'' تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ساتھ ساٹھ حضرات تھے۔ وہاں آپ ﷺ نے بنوضمرۃ سے ایک معاہدہ کیا، اس معاہدہ کا متن اوپر گزر چکا ہے۔ اس غزوہ کا مقصد صرف معاہدہ کرنا ہی تھا۔ علامہ شبلی نعمانی (سیرۃ النبیؐ: ۱/۳۱۱) اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ (Muhammad Rasulullah: ص ۶۷) کے مطابق اس سفر میں رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ مزینہ جو فراء (ابواء کا خاص شہر) میں آباد تھا، سے بھی معاہدہ کیا۔

سریۂ حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب:

ودان سے واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب کو ۳۰ گھوڑ سواروں (جن میں سب کے سب مہاجرین ❸ تھے) کے ساتھ بحر احمر (ا...

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۱، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۳... عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۴، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۳۔

❷ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۳، حاشیہ علی صحیح البخاری از شیخ احمد علی سہارنپوری، ج ۲، ص ۵۶۳

❸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۔

نوٹ: ابن سعد اور دوسرے مؤرخین کے مطابق اس سریے میں انصار میں سے کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ پہلی مہم جس میں انصار موجود تھے غزوہ بدر ہے۔

Marfat.com

راستے پر جس سے مکہ کے قافلے شام جاتے تھے) کی جانب بھیجا تا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائیں کہ قریش کہیں مدینہ پر حملے کا منصوبہ تو نہیں بنا رہے ہیں۔ ساحل سمندر پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے العیس کے مقام پر ابوجہل کی قیادت میں ۳۰۰ گھوڑ سواروں کو دیکھا لیکن کوئی جنگ نہیں ہوئی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہ حفاظت مدینہ منورہ لوٹ آئے ❶۔

بعض مؤرخین (ابن سعد، الطبقات: ۶/۲ وغیرہ) کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے دستوں میں جنگ چھڑ گئی ہوتی اگر مجدی ابن عمرو الجہنی، جس کا دونوں پارٹیوں (مسلمان اور قریش) سے معاہدۂ امن تھا بیچ میں نہ آ گیا ہوتا۔ اس واقعے سے علامہ شبلی نعمانی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ جہینہ سے بھی معاہدۂ امن کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ﷺ: ۱/۲۱۰)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا بھی تقریباً یہی خیال ہے۔ (ملاحظہ ہو Muhammad` Rasulullah ص ۶۷) بعض مؤرخین کے نزدیک یہ سریہ رمضان 1ھ میں پیش آیا تھا❷ لیکن ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ یہ سریہ ربیع الاول 2ھ میں بھیجا گیا تھا❸۔

سریۂ عبیدہ ابن حارث:

قریش کے ممکنہ حملے کی خبر گیری کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے ۶۰ سواروں (جن میں سب مہاجرین تھے) پر مشتمل ایک دوسرا دستہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ ابن حارث کی قیادت میں مکہ کے ایک اور راستے کی طرف بھیجا۔ اس مرتبہ مسلمانوں کا سامنا مکہ کے ۲۰۰ آدمیوں سے ہوا، جس کی قیادت عکرمہ❹ بن ابوجہل کر رہا تھا۔ (ابن سعد کے مطابق یہ دستہ ابوسفیان کی قیادت میں❺ تھا۔) اس مرتبہ بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی، البتہ بعض مؤرخین کے مطابق ان دستوں نے ایک دوسرے پر تیر پھینکے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ''تاریخ اسلام میں سب سے پہلا تیر'' اسی سریہ میں

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۶۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۴۰۴، ابن خلدون، تاریخ، ج۲، ص۴۵۷، ابن عبدالبر، الدرر، ص۱۰۴۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۶۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۵۹۵۔

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکور، ج، ص۵۹۱، ابن عبدالبر، الدرر، ص۱۰۴۔

❺ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۷، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص۳۹۱۔

Marfat.com

حضرت سعد (1) ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے پھینکا گیا تھا۔ واقدی اور ابن سعد کے بیان کے مطابق یہ سریہ شوال ۱ھ میں ہوا تھا (2)۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ کچھ راویوں کے مطابق یہ دستہ اس وقت بھیجا گیا تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ ابواء سے واپس تشریف لا رہے تھے (یعنی صفر یا اوائل ربیع الاول میں)۔

غزوۂ بُواط (یا بَواط)

قریش کے سو آدمیوں کے ایک دستے کی، جو امیہ ابن خلف کی قیادت میں تھا مدافعت کے لیے رسول اللہ ﷺ ربیع الاول (3) (ابن عبدالبر وغیرہ کے مطابق ربیع الآخر) میں (4) دوسو مہاجرین کے ساتھ بواط کی طرف تشریف لے گئے۔ زیادہ تر مؤرخین کے مطابق اس غزوہ میں بھی صرف مہاجرین ہی تھے (5)۔ یہ دستہ (جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک قافلہ تھا جس میں سامان سے لدے ہوئے ۱۵۰ اونٹ تھے) رسول اللہ ﷺ کو نہیں ملا اور ان لوگوں نے اپنا راستہ بدل دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا ارادہ لڑنے کا نہیں ہے تو آپ ﷺ نے ان کا پیچھا نہیں کیا اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسو آدمی تھے اور آپ ﷺ قریش کے اس دستے پر (جس میں ۱۰۰ آدمی تھے) پوری طرح حاوی ہو سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اس کا پیچھا نہیں کیا کیوں کہ آپ ﷺ کا ارادہ جارحانہ حملہ کرنے کا نہیں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ کے اندر قریش کے مختلف دستوں کی مدینہ کے اطراف میں نقل وحرکت کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں جس کے نتیجے میں آپ ﷺ مسلمانوں کے مختلف دستے روانہ کرتے تھے۔

اس سلسلے میں حافظ غلام سرور اپنی انگریزی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

''آپ ﷺ کو یہ کیسے معلوم ہوسکتا تھا (جب کہ آپ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے

---

(1) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲ ص ۴۰۴۔

(2) ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۵۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۴۔

(3) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۸، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۳۔

(4) ابن عبدالبر، الدرر، ص ۴۴۔

(5) محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۴۔

Marfat.com

تھے) کہ (قریش کے) ایسے دستے شام سے واپس آنے والے تجارتی کارواں تھے یا مدینہ پر حملہ کرنے والے فوجی لشکر، اس حقیقت کو معلوم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے لوگوں پر مشتمل دستے بھیجیں جو دشمن کی نقل وحرکت کے سلسلے میں ضروری معلومات حاصل کریں تاکہ وہ لوگ مدینہ منورہ پر بے خبری میں حملہ نہ کردیں۔ اگر آپ ﷺ مدینہ منورہ میں پھولوں کی سیج پر تشریف فرما ہوتے تو یقیناً آپ ﷺ پر اہل مکہ بے خبری میں حملہ کر دیتے جیسا کہ وہ لوگ اکثر کہتے تھے "ہم سب ایک ساتھ مل کر اچانک، (حملہ کریں گے) ❶۔"

غزوۂ عشیرہ:

جمادی الاولیٰ ❷ کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ بنو مدلج میں تشریف لے گئے اور ان سے ایک معاہدہ کیا جیسا کہ اس سے قبل بنو ضمرہ (جو کہ بنو مدلج کے حلیف تھے) سے کیا تھا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو سو حضرات ❸ تھے (جو سب کے سب مہاجرین تھے) مؤرخین کے مطابق حضور اکرم ﷺ کے اس غزوہ کا مقصد بنیادی طور پر ابوسفیان کے اس عظیم کارواں کی تلاش تھی جو مکہ سے شام (بظاہر) ایک تجارتی سفر پر جا رہا تھا۔ (یہ وہی کارواں ہے جو اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد جب شام سے واپس آ رہا تھا تو غزوۂ بدر کا سبب بنا) قبل اس کے کہ رسول اللہ ﷺ اس قافلہ کو روکیں وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ بنو مدلج میں رک گئے اور ان سے ایک معاہدہ کیا ❹۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ جمادی الآخر میں واپس آئے۔ دوسرے مؤرخین کے برخلاف ابن عبدالبر نے یہ صاف صاف لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس غزوہ کا مقصد قریش کے کارواں کی تلاش بالکل نہیں تھا ❺۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی عام مؤرخین کے رائے

---

❶ حافظ غلام سرور، Muhammad The Holy Prophet ص ۱۸۶ اور ۱۸۷۔

❷ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۸، ۵۹۹، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۵، ابن اثیر الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۱۲۔

نوٹ: ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ جمادی الآخر میں پیش آیا تھا۔ ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۔

❸ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۔

❹ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹، اور ۱۰، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۵۔

❺ الدرر، ص ۱۰۵ اور ۱۰۶۔

Marfat.com

کی تردید کی ہے ❶۔ مصنف کے خیال میں بھی رسول اللہ ﷺ اس غزوہ میں صرف بنو مدلج سے معاہدہ کرنے تشریف لے گئے تھے نہ کہ کارواں کا پیچھا کرنے۔

غزوۂ سفوان یا بدر اُولیٰ:

غزوۂ عشیرہ سے واپسی پر آپ ﷺ نے مشکل سے چند روز ہی مدینہ منورہ میں قیام فرمایا تھا (زیادہ تر مؤرخین کے مطابق آپ ﷺ کا قیام دس روز سے بھی کم رہا❷) کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کر دیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پالتو جانور اور بھیڑ بکریاں ہنکا کر لے گیا۔ آپ ﷺ فوراً کرز کے تعاقب میں نکلے اور اپنے پیچھے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مدینہ منورہ کا والی بنایا۔ آپ ﷺ نے کرز کا پیچھا سفوان تک، جو کہ بدر کے قریب ہے، کیا لیکن کرز بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا❸۔

سریۂ سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص:

رسول اللہ ﷺ جب سفوان سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے بیس سواروں پر مشتمل ایک چھوٹا دستہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کی قیادت میں کرز ابن جابر الفہری کا پیچھا کرنے کے لیے روانہ کیا❹ (نوٹ: ابن ہشام کے مطابق یہ سریہ غزوۂ عشیرہ اور غزوۂ بدر اولیٰ کے درمیان کسی تاریخ میں پیش آیا تھا❺۔ ابن عبد البر کے ایک اور قول کے مطابق سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص کا دستہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت روانہ کیا تھا جب کہ آپ ﷺ

---

❶ سیرۃ النبیؐ، ص۳۱۲ (اس سلسلہ میں اس صفحہ کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو) مزید ملاحظہ ہو: ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نمبر ۹/۷۴ (عربی مخطوطات) ص۲۷۔

❷ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۶۰۱، ابن عبد البر، الدرر، ص۴۴۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱ ص۶۰۱، ابن عبد البر، الدرر، ص۴۴۔

❹ ابن عبد البر، الدرر، ص۴۴، ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ آزاد لائبریری علی گڑھ ۹/۷۴، ص۲۷، پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی "عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا" برہان، ج۵۳، شمارہ نمبر۵ (نومبر ۱۹۷۴ء) ص۲۴۲۔

❺ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۶۰۰۔

Marfat.com

غزوۂ بدر اولیٰ کے لیے روانہ ہو رہے تھے ❶۔ واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں کہ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کا یہ دستہ ذی قعدہ میں بھیجا گیا تھا ❷۔ مؤرخین کے ایک اور گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دستہ سریۂ حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے فوراً بعد بھیجا گیا تھا ❸۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کا یہ دستہ ضرار تک تعاقب میں گیا لیکن بغیر کسی لڑائی کے مدینہ منورہ واپس آ گیا (ضرار مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان جحفہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔)

مدینہ منورہ کی چراگاہوں کا کرز بن جابر کا اس طرح لوٹ مار کرنا مسلمانوں کے خلاف قریش کے منصوبے کو پوری طرح عیاں کر دیتا ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کے خلاف قریش کی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں کو نظر انداز کر دینا مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان حالات کی سنگینی کا پوری طرح اندازہ لگا لیا تھا۔ ایک طرف یہودی آپ ﷺ کے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے، دوسری طرف منافقین عبداللہ بن اُبی کی قیادت میں ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے، اور تیسری طرف قریش نے (کرز ابن جابر کو چراگاہوں کی لوٹ کے لیے بھیج کر) بظاہر اعلان جنگ کر دیا تھا۔ مزید برآں قریش کا وہ عظیم کارواں جو ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا اور جس میں اہل مکہ نے اپنی ساری پونجی لگا دی تھی ایک کثیر منافع اور سامان حرب کے ساتھ عنقریب مکہ مکرمہ لوٹنے والا تھا جس کے پہنچنے کے بعد یہ بات یقینی تھی کہ قریش اپنی پوری طاقت سے مدینہ پر حملہ کریں گے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ ایک فوری مگر مدبرانہ اقدام کی ضرورت تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستے اطراف و جوانب میں روانہ کیے تاکہ قریش کے منصوبے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات آپ ﷺ کو حاصل ہو سکیں۔ اس قسم کا ایک دستہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کی سرکردگی میں بھی بھیجا گیا جس کی تفصیلات آگے درج کی جاتی ہیں۔

---

❶ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۴۴۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۳۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۰۔

Marfat.com

سریہ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن جحش

باوجود اس کے کہ نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے خلاف قریش کے منصوبے اور ریشہ دوانیوں سے اچھی طرح باخبر تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے ان کی جانب کوئی جارحانہ اقدام نہیں کیا کیوں کہ آپ ﷺ کسی بھی حالت میں از خود لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔

رجب ۲ھ [1] میں آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو مقام نخلہ میں بارہ آدمیوں (مہاجرین) کے ساتھ اس لیے بھیجا تھا کہ وہ قریش کی نقل و حرکت کا پتہ لگا کر رسول اللہ ﷺ کو اس سے باخبر کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو ایک خط بھی عطا کیا جس کے متعلق انھیں یہ تاکید کر دی کہ وہ اپنے سفر کے دو دن پورا کر لینے کے بعد اس خط کو کھولیں۔ چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے رسول اللہ ﷺ کے حکم و ہدایات کی تعمیل کرتے ہوئے اس خط کو کھولا جس کا مضمون یہ تھا: ''وادیٔ نخلہ جاؤ۔ اور قریش کی گھات میں بیٹھو [2]۔'' ابن اسحاق (جیسا کہ ابن ہشام نے ان کا قول نقل کیا ہے) نے بھی بعینہٖ یہی مضمون اس طرح تحریر کیا ہے: ''مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جاؤ۔ اور قریش کی جاسوسی کر کے ان کے منصوبے اور پلان کی مجھے خبر دو [3]۔'' چنانچہ ان ہدایات پر اسی طرح عمل کیا گیا۔

جس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش قریش کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے تھے اسی دوران قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ شام سے تجارتی سامان لے کر واپس [4] آ رہا تھا۔ وہ قافلہ

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۶۰۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۹۷، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۰، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۰۷۔

[2] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۰۔

[3] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۶۰۲۔

[4] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۳۹۷۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش اور ان کے دستے کے قریب سے گزرا، غلطی سے انھوں نے اس پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ایک معمولی جھڑپ ہوئی اور عمرو بن حضرمی نامی ایک قریشی اس میں مارا گیا نیز اس کے دو ساتھیوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ کافی مال غنیمت لگا جس کو لے کر وہ مدینہ منورہ واپس آئے۔ مدینہ منورہ واپسی پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ آپ ﷺ نے اس کو سن کر ناپسندیدگی (1) کا اظہار کیا اور ناراض ہو کر فرمایا: ''میں نے تمھیں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی تھی (2)۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت کو بھی لینے سے انکار کر دیا (3)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے اس عمل پر ناراض ہوئے۔ قریش کا جو آدمی اس میں مارا گیا تھا اور جو قیدی بنائے گئے تھے وہ قریش کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مقتول عمرو بن حضرمی، عبداللہ حضرمی کا لڑکا تھا جو حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ حرب بن امیہ اس وقت کے حکمران مکہ ابوسفیان کا باپ تھا۔

کفار مکہ نے اس واقعے پر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر ایک اور الزام عائد کیا کہ انھوں نے رجب کے ماہ حرام میں جنگ چھیڑی ہے۔ حالاں کہ یہ بات متحقق طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ یہ لڑائی رجب کے مہینے ہی میں ہوئی تھی کیوں کہ بعض مؤرخین کے مطابق یہ لڑائی اس وقت ہوئی جب ماہ رجب ختم ہو چکا تھا اور ماہ شعبان شروع ہو چکا تھا (4)۔ بہرحال قریش اور ان کے خفیہ حلیفوں یعنی یہود اور منافقین کو مسلمانوں کے خلاف شدید قسم کا پروپیگنڈہ کرنے اور الزامات عائد کرنے کا ایک بہترین موقع ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اس کو ہدف ملامت بنانا اور یہ کہنا شروع کیا: ''دیکھیے یہ ہیں نیک لوگ جو شہر حرام میں بھی خون ریزی کرنے سے باز نہیں آتے۔'' اس موقع پر اللہ رب العزت نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی (5):

---

(1) ابن خلدون، تاریک، ج ۲، ص ۴۷۔

(2) محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۷۔

(3) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۳، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۸۔

(4) ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۲، (طبری کا کہنا ہے کہ کچھ راویوں کے مطابق یہ لڑائی شعبان میں ہوئی تھی)

(5) ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۴، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۸، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۰۸۔

Marfat.com

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرہ۲:۲۱۷)

''لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اس میں (خاص طور پر) قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام، (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جرم عظیم ہے اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ اور یہ کفار تمھارے ساتھ ہمیشہ جنگ جاری ہی رکھیں گے۔ اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمھارے دین (اسلام) سے پھیر دیں۔ اور جو شخص تو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کفر کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''بلاشبہ ماہ حرام میں لڑنا بڑی بری حرکت ہے، مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کے منہ کو زیب نہیں دیتا جنھوں نے ۱۳ برس مسلسل اپنے سیکڑوں بھائیوں پر صرف اس لیے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے۔ پھر ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لیے مسجد حرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا۔ حالاں کہ مسجد حرام کسی کی مملوکہ جائداد نہیں ہے۔ پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو۔ اب جن ظالموں کا نامۂ اعمال ان کرتوتوں سے سیاہ ہے ان کا کیا منہ ہے کہ ایک معمولی سی

Marfat.com

جھڑپ پر اس قدر زور شور سے اعتراضات کریں حالاں کہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اسلامی جماعت کے چند آدمیوں سے ایک غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہو گیا ہے ❶۔

بہر حال مسلمانوں کو اس آیت کے نزول پر نہ صرف اطمینان ہوا بلکہ وہ خوش بھی ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت اور قیدی قبول فرما لیے ❷۔ جو دو قیدی بنائے گئے تھے ان کے نام یہ ہیں: عثمان ابن عبداللہ اور حکم بن کیسان۔ عثمان، مغیرہ کا (جو ولید کا باپ تھا اور مکہ کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا) پوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قیدیوں کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان (جو کہ قریش کے قبضے میں تھے) کے بدلے میں چھوڑ دیا۔ (ان دونوں حضرات کا قریش کے قبضے میں جانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ) سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے دستہ میں شامل تھے لیکن جب وہ نخلہ جا رہے تھے تو راستہ بھول گئے اور نجران کے مقام پر اپنے دستے سے الگ ہو گئے ❸۔ قریش کا ایک دستہ ادھر سے گزر رہا تھا، جب انھوں نے ان دونوں مسلمانوں کو دیکھا تو قید کر لیا۔ یہ واقعہ نخلہ پہنچنے سے پہلے پیش آیا تھا، اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن جحش نے نخلہ میں قریش کے کارواں پر حملہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور عتبہ رضی اللہ عنہ کے قیدی بنا لینے کے بدلہ میں کیا ہو، کیوں کہ ان دونوں کو آزاد کرانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ دو قریشی (کافر) بھی قیدی بنا لیے جائیں۔

نخلہ میں ہونے والے واقعہ نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف نفرت اور زہریلا پروپیگنڈہ پھیلانے کا اچھا موقع فراہم کر دیا، اس سلسلے میں طبری لکھتے ہیں:

"وکان الذی هاج وقع بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلی الله علیه وسلم وبین مشرکی قریش فیما قال عروة بن الزبیر ما کان من قتل واقد بن عبدالله السهمی عمرو بن الحضرمی ❹۔"

"اور وہ واقعہ جس نے بدر کی لڑائی کو ابھارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مشرکین قریش کے

---

❶ تفہیم القرآن، بسلسلہ تفسیر سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۱۷، حاشیہ نمبر ۲۳۲۔

❷ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۴۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۲، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۱۱۔

❹ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۲۰۔

Marfat.com

درمیان دیگر تمام جنگوں کا سبب بنا یہ تھا کہ واقد بن عبداللہ سہمی نے عمرو ابن حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔"

منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) نخلہ کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کارواں کے لٹنے پر ناراضگی اور لڑائی میں مقتول کے خون کا انتقام لینے کے عام مطالبہ کے علاوہ اہل مکہ اس بات پر بھی آگ بگولہ ہو گئے تھے کہ یہ سب واقعہ ان کے ہی قرب و جوار میں پیش آیا۔ مدینہ کے رہنے والے وہ لوگ جو حضرت محمد ﷺ سے زیادہ دوستانہ تعلقات نہیں رکھتے تھے بھی حالات کے اس طرح اور اتنی جلد تبدیل ہونے پر یقیناً حواس باختہ ہوئے ہوں گے۔ بہرحال اہل مکہ پوری طرح برانگیختہ ہو گئے تھے اور انتقام لینے کے درپے تھے ❶۔"

نخلہ کے واقعے کا جو کچھ بھی نتیجہ نکالا جائے (وہ الگ ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اتنا اہم اور اشتعال انگیز نہیں تھا جتنا کہ اس کو بنا دیا گیا تھا، البتہ قریش نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے میں پوری مدد لی اور اسی کے نتیجے میں غزوۂ بدر واقع ہوا۔

غزوۂ بدر کے واقعات بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اولاً رسول اللہ ﷺ کے ان غزوات و سرایا کی جو کہ غزوۂ بدر سے پہلے ہوئے تھے وجوہات کا مبصرانہ جائزہ لیں اور دوم تحویل قبلہ پر (جو کہ بیشتر مؤرخین کے نزدیک رجب 2ھ میں ہوا تھا) یہودیوں کے ردعمل کا بھی مطالعہ کریں۔

(۱) غزوۂ بدر سے قبل پیش آنے والے غزوات و سرایا کی وجوہات کا جائزہ:

رسول اللہ ﷺ کے ان غزوات و سرایا کا یہ جائزہ جو کہ غزوۂ بدر سے پہلے واقع ہوئے تھے ہم موجودہ دور کے ایک مشہور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں جو انھوں نے سیرت پر ایک انگریزی کتاب میں تحریر کیا ہے:

❶ منٹگمری واٹ W. Montgomery watt: Muhammad, Prophet And Statesman، ص ۱۱۱۔

''مدینہ منورہ سے باہر واقع مختلف قبائل کا دورہ کیا۔ خاص طور سے وہ قبائل جو قریش کے ان تجارتی کاروانوں کے راستے میں پڑتے تھے جو عراق شام یا مصر آتے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبیلوں سے دفاعی معاہدے کرنے کی کوشش کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے۔ یہ معاہدے کسی خارجی دشمن کے حملہ کی صورت میں آپس میں تعاون کی بنیاد پر ہوئے تھے۔ مسلمان دستے ان قبیلوں کی حدود میں سے گزر سکتے تھے لیکن دشمنان اسلام کے دستے نہیں۔

ان قبیلوں میں ہمیں خاص طور پر ضمرہ، جہینہ اور مزینہ کے نام ملتے ہیں جو حسب ترتیب مدینہ کے جنوب، شمال اور مغرب میں واقع تھے۔ عموماً بڑے شہر خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش قبائل کی مصنوعات کی مارکیٹ تھے۔ مدینہ کے آس پاس رہنے والے ان قبیلوں کی معاشیات کا انحصار اسی شہر پر تھا جس کا آس پاس کوئی بدل نہیں تھا۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان پڑوسی قبیلوں اور اہل مدینہ کے درمیان قبل از اسلام بھی کچھ معاہدے رہے ہوں، جیسا کہ قبیلہ جہینہ کے ایک سردار کا مندرجہ ذیل واقعہ اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ایک مسلمان دستہ اس قبیلے کی حدود کے اندر ایک مکی کارواں کو روکنے گیا مگر مقامی سردار مجدی بن عمرو نے مداخلت کی اور مسلمان دستہ بغیر کسی لڑائی کے واپس ہو گیا۔ اس مداخلت کی وجہ یہ ہے کہ مجدی بن عمرو ''دونوں پارٹیوں (اہل مکہ اور اہل مدینہ) کا حلیف تھا۔''

جہاں تک قبیلۂ ضمرہ کا سوال ہے یہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا جو ابتدائی مسلمانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اس قبیلے سے دفاعی معاہدے کے سلسلے میں ان کے اثر ورسوخ کو کام میں لایا گیا ہو۔ اس قبیلے سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں صاف طور پر یہ الفاظ درج ہیں کہ اہل ضمرہ اس لڑائی میں نہیں الجھیں گے جو مذہبی بنیادوں پر ہوگی، اس کا یہ مطلب ہے کہ گویا کہ یہ قبیلہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ جذبہ رکھتا تھا لیکن اس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان معاہدوں کے الفاظ جو کہ ضمرہ، غفار، رباع، اور جہینہ کے زُرعا قبیلوں سے ہوئے تھے ہم تک (بذریعہ روایات) پہنچ چکے ہیں لیکن قبیلۂ مدلج کے معاہدے کے الفاظ نہیں پہنچے ہیں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دفعات بھی دوسرے معاہدوں کی طرح ہوں گی۔ قبیلۂ مدلج کے سراقہ کا برتاؤ بہت ہمدردانہ تھا، یہ وہی سراقہ ہے جس نے ہجرت

Marfat.com

کے سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ کو بار بار پریشان کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک کارواں کو روکنے کے لیے عشیرہ تشریف لے گئے تھے تو سراقہ نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے پورے دستے کی ایسی شاندار دعوت کی کہ اس میں آپ ﷺ کا کافی قیمتی وقت صرف ہوگیا اور دشمن کا کارواں نہیں مل سکا۔

ان معاہدوں اور اس قسم کے دیگر معاہدوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے اسلامی حدود کی حفاظت میں روز بروز اضافہ کیا جس سے پرامن آمدورفت میں سہولت ملی اور مذہب اسلام نے ان قبائل کے افراد کے دلوں میں گھر کرنا شروع کیا۔ جلد ہی قبیلۂ ضمرہ سے اسلام کے لیے ایک بہترین سفیر مل گیا اور یہ تھے عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ الضمری جو رسول اللہ ﷺ کے اتنے وفادار تھے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے بعد جیسا کہ ہم آئندہ مطالعہ کریں گے ان کو اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اپنا سفیر بنا کر حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ اہل مکہ کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کیا جاسکے۔

رسول اللہ ﷺ کا (بظاہر) یہ مقصد تھا کہ اس علاقہ کے ان قبائل کو مجتمع کر کے اہل مکہ پر معاشی دباؤ ڈالا جائے جن کے شمال کی طرف جانے والے کارواں اس راستے سے آتے جاتے تھے۔ اس طرح کے اقدام کی تمام بنیادوں (دفاعی واخلاقی وغیرہ) پر پوری گنجائش تھی۔ کفار مکہ نے ان مسلمانوں کی جائیداد وغیرہ پر قبضہ کرلیا تھا جو بھاگ کر مدینہ آگئے تھے پھر ان دونوں (اہل مدینہ اور اہل مکہ) میں حالت جنگ تھی۔ موجودہ دور میں بھی اس حالت میں متعلقہ فریق کو یہ دفاعی حق حاصل ہے کہ وہ دشمنوں کے آدمیوں کو قتل کردے، یا پکڑ لے، یا دشمن کی املاک پر قبضہ کر لے۔ اہل مکہ اپنے تجارتی منافع کو مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ مندرجہ بالا معاہدوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے صرف یہی طلب کیا تھا کہ اہل مکہ اسلامی منطقے (Zone) سے نہ گزریں اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب کہ ان کو یہ ڈر ہو کہ ایسا کرنے پر ان کے کارواں پکڑے جائیں گے اور اگر اسلامی حدود سے نہیں گزرتے انھیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے[1]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مزید تحریر کرتے ہیں: ”مکہ ایک بنجر خطۂ ارض ہے جہاں نہ تو کوئی زراعت ہے اور نہ ہی صنعت وغیرہ۔ اہل مکہ کا واحد ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ یمن اور یورپ کے

[1] ڈاکٹر حمید اللہ Muhammad Rasulullah ص ۶۷ اور ۶۸۔

Marfat.com

درمیان جن تجارتی کاروانوں کی آمدورفت تھی وہ مکہ اور شام سے ہو کر گزرتے تھے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں مکہ سے جانے والے کارواں (ملاحظہ ہو قرآن کریم سورہ قریش، آیت ۲) اہل مکہ کی خوش حالی ودفاع کا سبب تھے۔ اس وقت (تجارتی اغراض سے) یمن کا ایسا سفر بیکار سمجھا جاتا تھا جس میں شام سے وہ اشیا نہ لائی گئی ہوں جن کے تبادلے میں یمنی اشیا خریدی جاسکیں (مدینہ منورہ یمن اور شام کے درمیان تجارتی شاہراہ پر ایک اہم شہر تھا) تجارتی قافلوں کا مدینہ کے علاقے سے نہ گزرنا (قریش کے) اہم تجارتی مفادات کے منافی تھا، اس وجہ سے وہ بزور طاقت اس شاہراہ پر اپنی آمدورفت جاری رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وہ بنیادی اسباب تھے جن کی بنا پر انھوں نے مسلمانوں سے جنگیں چھیڑیں پہلی لڑائی بدر کے مقام پر پھر مدینہ کے اندر (احد وخندق) اور آخری مکہ میں جس کا بہت ہی خوش گوار نتیجہ (مسلمانوں کے حق میں) نکلا۔

ان کو (یعنی قریش کے ان کاروانوں کو) اسلامی علاقے کی حدود سے صرف باز رکھنا ہی کافی نہیں تھا۔ اس لیے جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اطراف میں بسنے والے قبائل سے معاہدے کیے آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے دستے بھی اطراف مدینہ میں بھیجنا شروع کر دیئے تاکہ وہ ایسے (قریشی) کاروانوں کو اسلامی حدود سے باہر رکھنے کی کوشش کریں جو ان حدود میں سے گزر رہے ہوں۔ ایسے لق ودق ریگستانی علاقے میں جہاں آبادی مختصر اور ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہو عرب کاروانوں کو اپنی حدود میں گزرنے سے روکنا ایک انتہائی دشوار کام تھا۔ بالخصوص وہ کارواں جو عموماً رات ہی کو سفر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ کام اور بھی دشوار تھا، اس وجہ سے دس دستی گشتوں میں سے بہ مشکل تمام ایک ہی دشمن کے ایسے کارواں کو روکنے میں کامیاب ہو پاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے کارواں کی صحیح نقل وحرکت کے بارے میں اطلاعات ملنا بھی ضروری تھا۔ شروع میں ایسی اطلاعات کی کمی تھی۔ جب مزید علاقے اسلامی حدود میں شامل ہو گئے تو اسلامی خطہ کافی دور تک پھیل گیا جس سے دشمن کو اپنی نقل وحرکت کے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے جن پر پابندی عائد کرنے کے لیے نہ صرف استقلال بلکہ مسلسل نگرانی کی بھی ضرورت تھی۔

قدرتی طور پر اہل مکہ ان خالات کے سامنے سپر ڈالنے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے عظیم کارواں کا بدر کے قریب پیچھا کیا گیا ہے تو انھوں نے اپنی پوری طاقت کو مجتمع کیا تاکہ وہ (مسلمانوں کو) سبق سکھا سکیں لیکن اس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے[1]۔"

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ Muhammad Rasulullah ص ۶۹۔

Marfat.com

غزوۂ بدر سے قبل پیش آنے والے غزوات و سرایا (نیز خود غزوۂ بدر) کی وجوہات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم تحویل قبلہ پر ردعمل کا مطالعہ کریں گے۔

② تحویل قبلہ اور اُس پر یہودیوں کا ردعمل:

رجب (یا شعبان ❶) 2ھ میں مندرجہ ذیل آیت کی بنا پر مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ (البقرہ۲:۱۴۴)

"آپ ﷺ اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم سب لوگ جہاں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔ اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہے۔"

تحویل قبلہ سے یہودیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی کیوں کہ مذہبی اعتبار سے جو فوقیت و برتری ان کو اہل مدینہ پر حاصل تھی وہ گرتی ہوئی نظر آئی، چناں چہ انھوں نے مسلمانوں کو اس طرح ہدف ملامت بنانا شروع کیا: "محمدؐ ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں، اسی بنا پر انھوں نے قبلہ کو بدل دیا ہے ❷۔ اگر ہم تحویل قبلہ کے واقعے کو خالص سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو

❶ زیادہ تر مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم وسط رجب میں نازل ہوا تھا۔ ملاحظہ: شرح مواہب اللدنیہ، ج۱،ص۴۰۰۔ محمد زرقانی نے اس سلسلے میں صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند احمد، نووی (شرح مسلم) اور طبرانی وغیرہ کی روایات نقل کی ہیں۔ علامہ طبری اور بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق تحویل قبلہ شعبان ۲ھ میں ہوا تھا، ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک ج۲،ص۴۱۶۔

❷ اس سلسلے میں علامہ محمد زرقانی تحریر کرتے ہیں: "دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تحویل چاہتے تھے کیوں کہ یہودی اکثر یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ محمدؐ ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں مانتے ہیں ہمارے قبلہ کو" ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج۱،ص۴۰۱ اور ۴۰۲۔

Marfat.com

بات نہایت ہی اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ وقت اس کام کے لیے بالکل موزوں نہیں تھا، کیوں کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ مدینہ کے مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے۔ نخلہ کا واقعہ ان کے لیے ایک بڑے خطرے کا الارم بن چکا تھا اور ان کو ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں قریش جوش انتقام میں ان پر حملہ نہ کر دیں۔ اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس نازک موقع پر قبلہ تبدیل نہ کرتے، لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ تحویل قبلہ کے سلسلے میں مغربی مصنفین کے الزامات بے بنیاد ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں: ''محمد ﷺ نے (تحویل قبلہ) مدینہ منورہ کے ان قبیلوں کو خوش کرنے کے لیے کیا تھا جو یہودیوں کے مخالف تھے اور جن کی حمایت حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کو ان کی دل جوئی کرنی (ضروری) تھی [1]۔''

بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کی وجہ سے کچھ ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی یہودیوں اور منافقین کے اکسانے سے یہ کہنے لگے تھے: ''ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کبھی یہ لوگ ایک طرف رُخ کر کے (یعنی بیت المقدس کی طرف) نماز پڑھتے ہیں اور کبھی یہ دوسری طرح رخ کر کے (یعنی کعبہ کی طرف) نماز پڑھتے لگتے ہیں [2]۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

(البقرۃ ۲:۱۴۲)

''اب بیوقوف لوگ (ضرور) کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو ان کے (اس) قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے ہٹا دیا۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔''

درحقیقت تحویل قبلہ کے ذریعے مسلمانوں کو ان کا نصب العین بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی امت ہیں جن کا قبلہ کعبہ ہے، جو تمام عالم کا حقیقی روحانی مرکز اور اس کا سرچشمہ ہے، اس لیے ان

1. منٹگمری واٹ W. Montgomery watt: Muhammad, Prophet And Statesman، ص ۱۱۴۔
2. محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۰۳۔

Marfat.com

کو سب سے عظیم چیز خیر و فلاح کی طرف تمام عالم کی امامت کرنا ہے، وہ ایک معمولی امت نہیں ہیں جس کی بنیاد (یہودیوں کی طرح) نسل پر ہو یا رنگ پر بلکہ ایک ایسی امت ہیں جس کا مقصد خیر کا حصول اور اس کی تبلیغ و اشاعت ہے، لہٰذا وہ تمام دنیا کے امام ٹھہرائے گئے۔ چنانچہ قرآن نے مذکورہ بالا آیت (سورہ بقرہ آیت ۱۴۲) کے بعد ہی اس حقیقت کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرہ۲:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک امت وسط (یعنی اعتدال اور عدل والی امت) بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ رہیں اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے اس کو ہم نے اسی لیے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے کون ہیں اور الٹے پاؤں واپس چلے جانے والے کون ہیں اور یہ (حکم) بہت گراں ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جنھیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمھارے ایمان کو بے شک اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے، بڑا مہربان ہے۔''

اس طرح تحویل قبلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عالم کی امامت بنی اسرائیل سے چھین کر مسلمانوں کو عطا کر دی۔ یہی وہ سب سے بڑا انعام ہے جو اللہ کی طرف سے کسی امت کو عطا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو اتمام نعمت سے تعبیر کیا ہے:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ۲:۱۵۰)

''اور آپ جس جگہ سے بھی (سفر یا باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف

Marfat.com

موڑا کریں اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لیا کرو تاکہ لوگوں کو تمھارے مقابلے میں حجت نہ رہ جائے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔ سو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ (صرف) مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کر دوں اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو۔''

اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ یہاں پر یہ فرما رہا ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم دراصل اس منصب پر تمھاری سرفرازی کا نشان ہے، لہٰذا تمھیں اس لیے بھی ہمارے اس حکم کی پیروی کرنی چاہیے کہ ناشکری و نافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ اس کی پیروی کرو گے تو یہ نعمت تم پر مکمل کر دی جائے گی ❶۔''

درحقیقت یہ نعمت حجۃ الوداع کے موقع پر پوری ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل کی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ ۵:۳)

''آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور میں نے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔''

چونکہ اللہ رب العزت نے بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کر کے بنی اسرائیل سے منصب امامت کو واپس لے کر مسلمانوں کی طرف منتقل کر دیا تھا اس لیے یہودی اسلام اور پیغمبر اسلام نیز مسلمانوں سے زیادہ حسد کرنے لگے تھے۔ اس حقیقت کا اظہار اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی ہے:

''یہود ہم سے دو چیزوں کی وجہ سے (زیادہ) حسد کرتے ہیں ایک جمعہ کا دن جس کی تعظیم کا اللہ نے ہمیں حکم دیا اور دوسرا قبلہ جس کی طرف اللہ نے ہمیں ہدایت دی (احمد) ❷۔''

---

❶ تفہیم القرآن، بسلسلہ تفسیر سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۵۰، حاشیہ نمبر ۱۵۱۔

❷ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۰۴۔

Marfat.com

اس حسد کی وجہ سے یہودیوں نے فتنہ وفساد برپا کرنا شروع کر دیا اور اپنی ساری طاقت اسلام کو اس کی ابتدا ہی میں جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے میں صرف کرنا شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک بڑا معترض منٹگمری واٹ یہودیوں کی اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''یہودیوں سے (رسول اللہ ﷺ کے) تعلقات کے انقطاع کی وجہ علمی مخاصمت تھی، یہودی ان خیالات پر حملے کر رہے تھے جن پر محمد ﷺ کے نظریات کی بنیاد قائم تھی۔ انھوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ قرآن نے بعض ایسی باتوں کی تغلیط کی ہے جن کو ان کی پرانی آسمانی کتابیں بتاتی ہیں۔ (ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ) آپ ﷺ کو ایسے آدمیوں کی پوری طرح مدد درکار تھی جو آپ ﷺ کے مشن کے مذہبی پہلو پر پوری طرح یقین رکھتے ہوں جس کے لیے سیاسی اعتبار سے آپ ﷺ کو ان کے (یہودیوں کے) اصولوں کی دن بدن ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہودیوں کی پوری کوشش تھی کہ آپ ﷺ کو ایسے لوگوں کی مدد سے محروم کر دیا جائے اور چونکہ ان کے پاس پرانی آسمانی کتابیں موجود تھیں اس لیے وہ ایک مؤثر رول ادا کر سکتے تھے [1]۔''

مزید برآں یہودی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کا صحیح نمائندہ سمجھتے تھے لیکن جب قرآن نے یہ اعلان کیا کہ اسلام، رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین ہی دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح اور خالص مذہب پر ہیں اور ان سب سے زیادہ قریب ہیں تو یہودیوں نے اسے زیادتی اور جارحانہ کارروائی تصور کیا۔ قرآن میں ہے:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران ۳: ۶۷، ۶۸)

''ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے البتہ طریق مستقیم والے (یعنی) مسلمان (صاحب اسلام) تھے۔ اور مشرکین میں سے (بھی) نہیں تھے۔ بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت)

---

[1] منٹگمری واٹ Muhammad, Prophet And Statesman، ص ۱۱۴ اور ۱۱۵۔

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور نبی (ﷺ) اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ حامی ہے ایمان والوں کا۔''

﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (آل عمران۳:۹۵)

''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا، سو تم ملت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ مشرک نہیں تھے۔''

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (البقرہ۲:۱۳۵)

''اور یہ (یہودی ونصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی ہدایت پا جاؤ گے، آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ ہم تو ملت ابراہیم علیہ السلام (یعنی اسلام) پر رہیں گے جن میں کجی کا نام نہیں اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرک بھی نہیں تھے۔''

اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ درحقیقت اسلام ہی اس مذہب کی خالص اور صحیح شکل ہے جس کی تمام انبیا نے تبلیغ کی۔ اگر یہودیوں یا عیسائیوں میں سے کوئی اس کے خلاف بات بتاتے ہیں تو یہ فرق دراصل انھی لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے:

﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

(البقرہ۲:۱۳۶)

''(مسلمانو) کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا۔ اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا اور (اس حکم اور معجزے پر بھی) جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا۔ اور اس پر بھی جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اور ہم ان (حضرات) میں سے کسی میں بھی تفریق

Marfat.com

نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔“

اسلام کے اس دعویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ اس کی بنیاد مذہب ابراہیم پر ہے منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

”موجودہ دور میں مغربی ممالک کا رہنے والا بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ ”مذہب ابراہیم علیہ السلام کا تصور“ بغیر کسی بنیاد کے قائم نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ معروضی طور پر اسلام اس پر پورا نہ اترتا جس کو ہم مذہب ابراہیم علیہ السلام سمجھتے آئے ہیں لیکن ایک اعتبار سے اسلام کا تعلق یہود و نصاریٰ کی روایت سے ہے۔ یہ روایت دراصل وہی روایت ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ اس طرح اسلام مذہب ابراہیم علیہ السلام ہی کی دوسری شکل ہے، ایک ایسی شکل جو ان لوگوں کے نظریات سے زیادہ مطابقت رکھتی ہو جن کا رہن سہن ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب ہو، بہ نسبت یہود و نصاریٰ کے سواد اعظم کے ❶۔

ان تمام حقائق کے باوجود یہودیوں نے اسلام، رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کے سلسلے میں اپنا معاندانہ رویہ، نہیں بدلا۔ کیوں کہ ان کو عربوں سے (یعنی بنو اسماعیل سے) حسد و بغض تھا ❷۔ وہ مسلمانوں کے خلاف مستقل سازشوں میں مصروف رہے اور خفیہ طور پر رسول اللہ اور مسلمانوں کے مقابلے میں قریش اور منافقین ❸ کی مدد کرتے رہے۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہ سب کچھ اس لیے کر رہے ہیں تا کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے (نعوذ باللہ) اہل مدینہ پر غلبہ حاصل رہے۔

اس سلسلے میں علامہ ابن اسحاق تحریر کرتے ہیں:

”چوں کہ اللہ نے عرب میں رسول کو انتخاب فرما کر ان کو خصوصیت عطا فرمائی اس لیے یہودیوں کے علماء نے مخالفت، حسد اور کینے کے سبب سے رسول اللہ ﷺ کی دشمنی اپنا نصب العین بنا لیا۔ اوس و خزرج کے کچھ لوگ جو منافق تھے وہ اپنی جاہلیت، اپنے باپ دادا کے دین شرک پر اور موت کے بعد کی زندگی کو جھٹلانے پر سختی سے جمے ہوئے

---

❶ منٹگمری واٹ Muhammad, Prophet And Statesman، ص ۱۸۸۔

❷ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۸۵۔

❸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۶۔

Marfat.com

تھے لیکن اسلام نے اپنے غلبے اور خود ان کی قوم کے افراد کے اسلام کی جانب جمع ہو جانے کے سبب سے انھیں مجبور کر دیا تھا، ایسے لوگوں نے بظاہر تو اسلام اختیار کر لیا اور اپنی جان بچانے کے لیے اس کو ایک سپر بنا لیا لیکن وہ باطن میں نفاق رکھتے تھے اور ان کے دل (خواہشیں اور آرزوئیں) یہود کے ساتھ تھے کیوں کہ وہ اسلام کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے۔ یہود کے علماء کی یہ حالت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرتے، سوالات کرتے اور طرح طرح کے شبہات سامنے لاتے کہ حق کو باطل سے مشتبہ کر دیں، قرآنی آیتیں بھی ان کے حالات اور سوالات کے متعلق نازل ہوتی رہتیں، البتہ حلال وحرام کے متعلق چند مسائل مسلمان بھی پوچھتے رہتے [1]۔''

ابن اسحاق نے ان یہودی لیڈروں کی ایک طویل فہرست دی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و دشمنی پر آمادہ تھے اور جنھوں نے منافقین کے ساتھ (درپردہ) سازش کر رکھی تھی۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں [2]: حُیی بن اخطب، سلام بن مشکم، ابو رافع الاعور (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیبر میں قتل کیا تھا، اس کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا)، زید بن اللصیت، سوید بن الحارث، کعب بن راشد، رافع بن حارثہ، نافع بن ابی نافع، عدی بن زید، وہب بن یہودا، اور عمر عمرو بن عوف وغیرہ۔

ابن اسحاق نے ان منافقین کے ناموں کی بھی ایک لمبی فہرست دی ہے جنھوں نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی [3]۔ ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:

جُلاس بن سوید بن صامت، عمیر بن سعد، الحارث بن سوید، بجاد بن عثمان بن عامر، نبتل بن الحارث، ابو حبیبہ بن الازعر، عباد بن حنیف، جاریہ بن عامر بن العطاف، ودیعہ بن ثابت، خذام ابن خالد، عمرو ابن مالک بن الاوس، کعب بن الحارث بن الخزرج، حاطب بن امیہ بن رافع، ابو طعمہ بشیر بن ابیرق، ضحاک بن ثابت، رافع بن ودیعہ، زید بن عمرو، عمر بن قیس، الجِدّ بن قیس، عبداللہ بن اُبی بن سلول (یہ تمام منافقین کا سرغنہ تھا)۔

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص۵۱۳، ابن اسحاق کی سیرت رسول اللہ کا انگریزی ترجمہ از اے گلیوم A. Guillaume ص۲۳۹۔
2. ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۵۲۷ تا ۵۲۹۔
3. ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص۵۱۹ تا ۵۲۷۔

Marfat.com

ابن اسحاق نے ان یہودی علماء کے نام بھی بتائے ہیں جنھوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں [1]:

سعد بن حنیف، زید بن اللصیت، نعمان بن اوفی بن عوف بن عمرو، عثمان بن اوفی، رافع بن حریملہ، رفاعہ بن زید بن التابوت وغیرہ۔

یہ منافقین مسجد میں آتے تھے، مسلمانوں کی باتیں سنتے، ان کا مذاق اڑاتے اور ان کے دین سے تمسخر کرتے تھے۔ ایک دن ان میں سے چند افراد مسجد میں جمع ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیا گیا [2]۔

اسی طرح مؤرخین نے ان منافقین کے بارے میں بالتفصیل لکھا ہے جنھوں نے یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازباز کی تھی۔

یہودیوں کے اس رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے سیرت طیبہ کا ایک مغربی مصنف و تنقید نگار Tor Andrae لکھتا ہے:

''حالاں کہ نبی (ﷺ) خلافِ امید و توقع تمام مومنوں کو ایک متحد اور وفادار و مخلص تنظیم کی شکل میں یک جا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جو جلد ہی ایک بہادر، شجاع اور فدائی فوج ثابت ہوئی، لیکن یہودیوں کو ہموار کرنے کی آپ (ﷺ) کی کوششیں کارآمد نہیں ہو سکیں [3]۔''

ایک اور مغربی مؤرخ فرانسیسکو گیبریلی (Francesco Gabrieli) یہودیوں کی خام خیالی کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

''مذہبی طور پر الگ تھلگ رہنے کی ذہنیت میں گرفتار، آپ ﷺ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے ان تصورات کا تمسخر اڑاتے ہوئے جو آپ ﷺ نے ان کے

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۲۷ تا ۵۲۹۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۲۸، ابن اسحٰق کی سیرت رسول اللہ کا انگریزی ترجمہ از اے گلیوم A.Guillaume، ص ۵۲۷ تا ۵۲۹۔

[3] Tor Andrae: Muhammad, The Man And His Faith, P.137

Marfat.com

اعتقادات کے سلسلے میں پیش کیے تھے، اپنے رہنماؤں اور علماء کے ذریعے عذر خواہانہ، منطقی اور کٹ حجتی سے بھری ہوئی بیکار بحثوں میں تربیت یافتہ یہودی محمد ﷺ کے لیے آپ ﷺ کے نئے گردوپیش (یعنی مدینہ منورہ) میں سب سے بڑا مخالف گروہ ثابت ہوا جس کے نئے مذہب (یعنی اسلام) کے فروغ کی راہ میں فیصلہ کن اثرات پڑے ❶۔"

اس سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تحریر کرتے ہیں ❷:

"نبی ﷺ کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اس نبی ﷺ کے منتظر تھے جس کی پیش گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے یہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی ﷺ کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیۂ کلام یہی تھا کہ "اچھا اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کرے، جب وہ نبی ﷺ آئے گا تو ہم سب ظالموں کو دیکھ لیں گے۔" اہل مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے، اسی لیے جب انھیں نبی ﷺ کے حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا، کہیں یہ یہودی تم سے بازی نہ لے جائیں، چلو پہلے ہم ہی اس نبی ﷺ پر ایمان لے آئیں مگر ان کے لیے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی جو آنے والے نبی ﷺ کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا کہ "وہ اس کو پہچان بھی گئے" تو اس کے متعدد ثبوت اسی زمانے میں مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے، جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ ﷺ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں

❶ Francesco Gabrieli: Muhammad And The Conquest of Islam, P.67

❷ تفہیم القرآن، تفسیر سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۹۰، حاشیہ نمبر ۹۵۔

Marfat.com

سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ﷺ ہے، جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم، ہاں!

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں!

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

(ابن ہشام: ۱۶۵/۲، طبع جدید) (1)۔

قرآن مجید ان حقائق کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ ۲: ۱۴۶)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی توراۃ و انجیل) دی ہے وہ لوگ آپ ﷺ کو (یعنی رسول اللہ ﷺ کو) ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں بعض امر واقعی کو اچھی طرح جاننے کے باوجود چھپاتے ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے تیار کردہ معاہدہ صرف مسلمانوں کو دھوکے میں مبتلا رکھنے کی وجہ سے قبول کیا تھا، ان کے دل اس کو قبول کرنے کے لیے بالکل آمادہ نہیں تھے اور ان کے اندر ہی اندر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ جذبات کی آگ سلگ رہی تھی۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اتحاد سے ان کو کافی تشویش تھی۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں پر فقرے چست کرنا شروع کیے اور نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کا کھلم کھلا مذاق اڑانے لگے اور ان کو گالیاں تک دینے پر آمادہ ہو گئے۔ یہودیوں کی ان حرکات میں منافقین پوری طرح ان کے ساتھ تھے۔ اس سلسلے میں سید اطہر حسین تحریر کرتے ہیں:

''یہودیوں کے قریش مکہ کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے، چنانچہ ان کے ساتھ مل کر وہ اس نئی مملکت (مدینہ) کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے تاکہ اس سے قبل

(1) ہمارے استعمال میں سیرۃ ابن ہشام کا جو نسخہ ہے اس سلسلے میں اس کا حوالہ یہ ہے: ج ۱، ص ۵۱۹۔

Marfat.com

کہ یہ (مملکت) ایک نا قابل تسخیر صورت اختیار کر لے وہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ سربراہ مملکت اور ایک ایسے سپہ سالار کی حیثیت سے جس کا زیادہ تر وقت لگا تار جنگوں میں گھرا رہا، محمد ﷺ لوگوں کے جان و مال کے محافظ و سرپرست تھے اس طرح اس نئی مملکت کا وجود ہی شدید خطرے سے دوچار تھا۔ یہودیوں اور منافقین کے گٹھ جوڑ سے اہل مکہ نے مسلمانوں کو دِق کرنا شروع کر دیا تھا ❶۔"

---

❶ Athar Husain: Prophet Muhammad And His Mission, P.25

Marfat.com

غزوۂ بدر

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوسفیان کے قافلے کی تلاش میں نکلنا:

قریش کا وہ بڑا قافلہ جو کہ جمادی الاولیٰ میں ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا رمضان ۲ھ میں واپس لوٹ رہا تھا❶۔ یہ قریش کے عظیم ترین کاروانوں میں سے ایک تھا۔ جس میں تقریباً پچاس ہزار دینار کی رقم لگائی گئی تھی۔ اس قافلے کے متعلق خود ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ چکا تھا: ''بخدا، قریش کا کوئی مرد وعورت ایسا نہیں بچا ہے جس نے اس قافلے میں اپنی پونجی نہ لگائی ہو❷۔'' اس قافلے کا نفع (مسلمانوں کے خلاف) جنگ پر خرچ کیا جانا تھا❸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی کہ اب ابوسفیان کا قافلہ شام سے مکہ کے لیے واپس لوٹ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو ان کے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر کیے گئے حملے کا جواب دینا چاہتے تھے تاکہ آئندہ قریش کو اس قسم کی دہشت پسندانہ حرکتوں کی ہمت نہ پڑے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا کہ قریش کے اس قافلے کو روکا جائے تاکہ مستقبل میں کسی حماقت کے ارتکاب کرنے سے قبل قریش اس کے انجام کے متعلق خوب غور کرلیں۔ چنانچہ اس قافلے کو روکنے کے ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ❹۔ ۸/رمضان ۲ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ شام سے مکہ کے درمیان تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ قریش کا مفاد اسی میں وابستہ تھا کہ

---

❶ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۴۹۵، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۶۰۶، ابن سعد، حوالہ مذکور، ج ۲، ص ۱۳۱۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۴۱۱۔

❸ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ا، ص ۳۱۵، پروفیسر مولانا سعید احمد اکبرآبادی، عہد نبویؐ کے غزوات سرایا، برہان، دہلی، ج ۷۴، شمارہ نمبر ۲ (فروری ۱۹۷۵ء) ص ۷۶۔

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۶۱۲، ابن حزم، السیرۃ النبویہ (مخطوطہ) ص ۷۵۔

Marfat.com

پرامن زندگی بسر کریں اور اللہ کے راستے پر چلنے والے لوگوں کو خواہ مخواہ تنگ نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی کے سلسلے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ اس طرح روایت کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بُسبُس کو جاسوسی کے لیے بھیجا کہ دیکھ کر آئیں کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ بسبس دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت گھر میں میرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ (راوی کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ بھی کہا تھا کہ گھر میں عورتیں تھیں یا نہیں)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بسبس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں کہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا ہم ایک قافلے کی طلب میں چل رہے ہیں جس کے پاس سواری ہو وہ ہمارے ساتھ سوار ہو جائے۔ بعض لوگوں نے ان سواریوں کے لیے جو عوالیٔ مدینہ میں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، (لیکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں وہی شخص ساتھ چلے گا جس کی سواری یہاں موجود ہو[1]۔''

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس پورے واقعے کی اس طرح روایت کرتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے قافلے کی اطلاع ملی تو ہم مدینہ منورہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ہمیں بتایا اور فرمایا: ''یہ تمھارے لیے اچھا موقع ہے کہ قافلے کی تلاش میں نکلو شاید ہمیں کچھ غنیمت بھی حاصل ہو جائے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ چلنے کو راضی ہو گئے اور سفر شروع کر دیا۔ جب ہم نے ایک یا دو دن کا سفر پورا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی حملہ آور فوج آنے کی اطلاع ملی جیسا کہ دوسری حدیثوں سے واضح ہوتا

= نوٹ: طبری کی ایک روایت کے مطابق یہ رمضان المبارک کی تین تاریخ تھی (تاریخ الرسل والملوک ج ۲، ص ۴۳۱)، ابن الاثیر بھی اسی روایت کی تائید کرتا ہے اور تحریر کرتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کی تین تاریخ تھی (ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۱۸) ابن سعد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ / رمضان المبارک کو مدینہ منورہ سے نکلے، ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۔

[1] اخرج الامام احمد عن انس رضی اللہ عنہ ورواہ مسلم ایضاً کذافی البدایہ ج ۳، ص ۲۷۷، اخرجہ البیہقی (ج ۹، ص ۹۹) ایضاً بطولہ، والحاکم، ج ۳، ص ۴۲۶، مختصراً کذا فی حیاۃ الصحابہ لمحمد یوسف الکاندھلوی، ج ۱، ص ۳۹۹، ۴۰۰۔

Marfat.com

ہے) فرمایا: تم لوگوں کا ان (یعنی قریش) سے جنگ کرنے کے متعلق کیا خیال ہے؟ ہم نے عرض کیا: ’’اللہ کی قسم! ہمارے اندر ان سے لڑنے کی طاقت نہیں (یعنی ہمارا مقصد تو صرف قافلے کا تعاقب کرنا تھا)، یہ سن کر مقداد ابن عمرو رضی اللہ عنہ (انصاری) کھڑے ہوئے اور کہا: ’’یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے ان سے یہ کہا تھا: تم اور تمھارا رب جائیں اور لڑیں۔ ہم یہاں پر انتظار کر رہے ہیں، ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرمائیں گے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برکِ غماد (یمن کے ایک مقام کا نام ہے) تک جانے کو تیار ہیں۔ ہم کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے[1]۔‘‘ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر تمام انصار کی خواہش یہ ہوئی کہ کاش ہم بھی وہی کہتے جو مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یہی وہ وقت تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل کیں:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (الانفال ۸: ۵، ۷)

’’جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بدر کی طرف) روانہ کیا حالاں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا (اپنے بچاؤ کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بطور مشورہ) اس طرح بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ گویا ان کو موت کی طرف ہنکا کر لے جایا جا رہا ہو اور وہ (موت کو) دیکھ رہے ہوں۔ اور تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ آ جائے گی اور تم

---

[1] مقداد بن عمروؓ کی یہ تقریر صحیح مسلم، باب غزوۂ بدر میں موجود ہے، ابن قیم نے یہ تقریر سعدؓ ابن معاذ کے حوالے سے لکھی ہے جس میں برک غماد کی جگہ برک غمدان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۲۔

Marfat.com

اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمھارے ہاتھ آجائے۔
اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے۔''

یہ حدیث ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابو عمران کے الفاظ میں نقل کی ہے [1]۔ بہت سے دیگر مورخین [2] نیز محدثین مثلاً طبرانی وغیرہ نے بھی اسی جیسی حدیثیں نقل کی ہیں۔

کچھ احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے قافلے کی تلاش میں تھے تو راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی فوج کی اطلاع ملی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اس مشورے کے دوران سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جو کہ مہاجرین میں سے تھے) نے مشورہ دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ یہ دیکھ کر انصار کو یہ احساس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دراصل ان کے خیالات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ (جو کہ سرداران انصار میں سے تھے) کی تقریر بھی عام طور پر احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے۔ انھوں نے کہا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کا حکم مانیں گے یہاں تک کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو ہم سمندر میں بھی چھلانگ لگانے کو تیار ہیں [3]۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا۔ روایتوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد نازل ہوئیں تھیں [4]:

---

[1] محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ج۱، ص ۳۹۶۔ بحوالہ البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۳، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۷۳، رواہ البزار بتمامہ، والطبرانی ببعضہ۔

[2] ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۱۳۔

[3] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۳، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۲، البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۲، کذافی حیاۃ الصحابہؓ، ج ۱، ص ۳۹۹۔

[4] البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۴، کذافی حیاۃ الصحابۃ لمولانا محمد یوسف کاندھلوی، ج ۱، ص ۳۹۸، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۹۷، کذافی حیاۃ الصحابۃ۔ مزید ملاحظہ ہو: طبرانی، بزار کذافی حیاۃ الصحابۃ، ج ۱، ص ۳۹۷، مزید ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک از ابن جریر طبری، ج ۲، ص ۴۳۵، الکامل فی التاریخ از ابن الاثیر، ج ۲، ص ۱۲۰۔

Marfat.com

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (الانفال ۸: ۵ تا ۷)

"جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بدر کی طرف) روانہ کیا حالاں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا (اپنے بچاؤ کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بطور مشورہ) اس طرح بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ گویا ان کو موت کی طرف ہنکا کرلے جایا جا رہا ہو اور وہ (موت کو) دیکھ رہے ہوں۔ اور تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمھارے ہاتھ آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے۔"

اس طرح متعدد روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا آیات مدینہ کے باہر اس وقت نازل ہوئی تھیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی اس فوج کے سلسلے میں جو کہ بدر کی طرف آ رہی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تھا۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش کی فوج کے حملے کے بارے میں اس وقت اطلاع ملی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلے کی تلاش میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہوئے تھے [1]۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۱، ص ۴۹۵ تا ۴۹۹۔

Marfat.com

نورہ سے صرف قافلۂ قریش کی تلاش میں ہی نکلے تھے ❶ نہ کہ قریش کی فوج سے مقابلہ کرنے کے لیے کیوں کہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کو قریش کی فوج کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔ یہ ت حمزہ رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب کے مندرجہ ذیل شعر سے بھی ثابت ہو جاتی ہے:

کنا طلبنا العیر لم نبغ غیرھا فساروا الینا فالتقینا علی قدر ❷

''ہمارا مقصد صرف (قریش کے) قافلے کی تلاش تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن وہ لوگ (یعنی قریش کی فوج) ہماری طرف چلے تو ہم دونوں (بغیر کسی ارادے کے) تقدیر کے ٹھہرائے ہوئے مقام پر ایک دوسرے سے مقابل ہو گئے۔ (یعنی لڑنے کے لیے تیار ہو گئے)۔''

یہی وجہ تھی کیوں کہ ان حضرات کے پاس سامان حرب کی کمی تھی۔ جب آپ ﷺ کو یش کے لشکر کی اطلاع ملی تو روحاء ❸ کے مقام پر آپ ﷺ نے جنگ کے سلسلے میں مشورہ کیا، ں وقت آپ ﷺ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ ابن عبدالمنذر کو مدینہ منورہ کا اپنی غیر موجودگی میں حاکم یا اور حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ واپس لوٹ جائیں ❹۔ اب آپ ﷺ کے ذہن میں دو مقاصد ے؛ یا تو آپ ﷺ کو قافلۂ ابوسفیان کو پکڑ لینا تھا یا پھر قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنا تھا۔ اللہ الی نے ان دونوں میں سے ایک کی فتح یابی کی خوشخبری دے دی تھی:

﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (الانفال ۸:۷)

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ غزوۂ بدر، ج ۲، ص ۵۶۴، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۶۰۷، ابن خلدون، تاریخ، ج ۱، ص ۴۱۰، ابن جریر الطبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۳۱، ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۱۶، ابن حزم، السیرۃ النبویۃ مخطوطہ، ص ۷۵۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت، ج ۳، ص ۹۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۶۰۹۔

ٹ: روحاء مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۰ میل دور ہے یعنی مدینہ منورہ اور بدر کے درمیان واقع ہے۔ ملاحظہ ہو شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۱۱۔

❹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۶، ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۷۴۹۔

Marfat.com

''اور تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمھارے ہاتھ آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے۔''

نوٹ: یہ آیت مدینہ منورہ سے باہر غالباً روحاء کے مقام پر نازل ہوئی تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے متعلق مشورہ کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۰)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب ابوسفیان کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلے پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے تو اس نے فوراً ایک شخص کو جس کا نام ضمضم تھا کرایہ پر طے کیا اور اس سے کہا کہ فوراً مکہ مکرمہ جائے اور قریش کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع دے[1]۔ روایتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابوسفیان نے ضمضم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے کوچ کرنے سے قبل ہی مکہ مکرمہ کے لیے روانہ کر دیا تھا[2]۔

---

[1] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۱۔

[2] ابن اسحاق کے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

''جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو وہ ہر ایک سوار سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق) اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کو اس سلسلے میں بہت زیادہ فکر تھی یہاں تک کہ اس کو کچھ سواروں نے (جو کہ اس راستے سے اتفاقاً گزر رہے تھے) یہ اطلاع دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے اس بات کی مدد طلب کی ہے کہ وہ اس کے قافلے کو روک دیں۔ اس خبر سے ابوسفیان ایک زبردست خطرہ سے آگاہ ہو گیا۔ چناں چہ اس نے ضمضم ابن عمرو الغفاری کو کرایہ پر طے کیا اور سیدھا مکہ مکرمہ روانہ کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ قریش کو اپنے مال و دولت کی حفاظت کی خاطر نکل آنے کو کہیں اور ان کو بتا دیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی (یعنی صحابہؓ) قافلے کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چناں چہ ضمضم پوری رفتار کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گیا۔''

(ملاحظہ ہو سیرۃ ابن اسحاق انگریزی ترجمہ از الگلیوم، ص ۲۸۹، ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۱، ص ۶۰۷)

ابن اسحاق کے الفاظ ہیں: ''استنصر اصحابہ لک'' یعنی اس نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کی مدد تمھارے خلاف طلب کی ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم =

Marfat.com

ضمضم سیدھا مسجد حرام گیا، اس نے اپنے اونٹ کی ناک کاٹ ڈالی اور اپنے پالان کو الٹا کر دیا نیز اپنی عبا پھاڑ ڈالی (یہ تمام حرکات اس بات کو بتا رہی تھیں کہ کوئی غیر معمولی اور خطرناک

= اس وقت تک مدینہ منورہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے بلکہ صحابہؓ سے قافلہ کے اوپر حملے کے متعلق مشورہ فرما رہے تھے۔ ابوسفیان کو اس کی اطلاع بروقت مل گئی، چناں چہ اس نے فوراً ضمضم کو مکہ کے لیے روانہ کر دیا۔ غزوۂ بدر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی حملہ آور ٹکڑیوں کی تلاش میں جو مختلف سرایا بھیجے تھے اس کی وجہ سے ابوسفیان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ مسلمان ضرور اس کے قافلے پر حملہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک سوار سے مسلمانوں کی نقل وحرکت کے بارے میں دریافت کرتا تھا۔ طبری نے بھی تقریباً اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۲۷۔

اس سلسلے میں پروفیسر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں: ”جب ابوسفیان کو یہ خبر پہنچی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کاروان تجارت کی جستجو میں مدینہ سے چل پڑے ہیں تو اس نے ضمضم کو اجرت پر لیا اور مکہ روانہ کیا لیکن درحقیقت یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بیان ہے کیوں کہ انھی ارباب سیر کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ر رمضان اور ابن سعد کے بیان کے مطابق ۱۲ر رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور غزوۂ بدر ۱۷ر ۱۹ر یا ۲۱ر رمضان (مطابق ۱۳ر ۱۵ یا ۱۷ر مارچ ۶۲۴ء) کو برپا ہوا۔ اس حساب سے مدینہ سے باہر نکلنے اور غزوہ کے شروع ہو جانے میں اوسطاً چھ سات دن یعنی صرف ایک ہفتہ کا فصل ہوا۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے نکلنے کے بعد ضمضم کو مکہ دوڑایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابوسفیان مقام بدر سے کافی پیچھے تھا اور ضمضم کی روانگی یقیناً جلد سے جلد ۱۰ر رمضان یا ۱۴ر یا ۱۵ر رمضان کو ہی ہوسکتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی پیش نظر رکھیے کہ ابوسفیان جس مقام پر ہے وہاں سے مکہ تک کی یہ سب مسافت کتنی ہے۔ اور پھر ضمضم کے مکہ پہنچتے ہی تو فوراً لشکر قریش روانہ نہیں ہوگیا ہوگا بلکہ تیاری میں کم از کم دو تین دن ضرور لگے ہوں گے۔ ان سب چیزوں کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضمضم کی روانگی اور بدر میں لشکر قریش کی آمد کے درمیان کم از کم بارہ تیرہ دن کا عرصہ ہونا چاہیے۔ حالاں کہ ضمضم کی روانگی کے چار پانچ دن بعد ہی جنگ شروع ہوگئی ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے ضمضم کو اس وقت مکہ بھیجا تھا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ سے باہر نہیں ہوئے تھے اور ضمضم کی چیخ و پکار پر مکہ میں جنگ کی تیاریاں اس وقت شروع ہوئی =

Marfat.com

واقعہ پیش آیا ہے کیوں کہ دورِ جاہلیت میں کسی غیر معمولی واقعے پر یہی کیا جاتا تھا)۔ اس کے بعد اس نے وادی کے نچلے حصے سے گلا پھاڑ کر چلاّنا شروع کیا اور کہا: ''قریش مدد، مدد۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) تمھارے اس مال کی گھات میں (جو کہ ابوسفیان کے ساتھ ہے) لگے ہوئے ہیں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ تم لوگ ان کو اس سے روک سکو گے [1]۔'' اس نے یہ الفاظ اس انداز میں کہے کہ قریش نے فوراً ہی قدم اٹھایا۔ انھوں نے خبر سنتے ہی ایک ہزار مسلح آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف کوچ کر دیا۔

اسی اثنا میں ابوسفیان نے چالاکی سے اپنا راستہ تبدیل کر دیا اور عام راستے کے بجائے مکہ مکرمہ کے لیے ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا لیکن قبل اس کے کہ ابوسفیان اپنے قافلے کے ساتھ مدینہ پہنچتا قریش کا لشکر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ جب کہ قریش مدینہ منورہ کے راستے میں تھے تو ان کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ مکہ مکرمہ واپس آ چکا ہے [2]۔ اس اطلاع کے

= ہیں جب کہ مدینہ میں ابھی جنگ کا سان گمان بھی نہیں ہے اور اس بنا پر ابوجہل ایک لشکر جرار لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے ہی مکہ سے چل پڑا ہے۔'' (برہان، جلد ۷۴، شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۵ء) اس کے علاوہ ابن جریر طبری (ج ۲، ص ۴۲۱) کے اس سلسلے میں یہ الفاظ ہیں: ''فلما سمع ابو سفیان ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم معترضون له بعث الی قریش...'' جس کا عام فہم ترجمہ یہ ہے: ''جب ابوسفیان نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں تو اس نے قریش کو اس کی اطلاع بھیجی۔ یہاں پر ضمضم کے الفاظ بھی قابل غور ہیں جب کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچا تو اس نے کہا: ''اموالکم مع ابی سفیان قد عرض لها محمداً فی اصحابه'' (ابن ہشام، ج ۱، ص ۶۰۹، جیسا کہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے۔) اس کا عام فہم ترجمہ یہ ہے: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی (یعنی صحابہ) تمھارے اس مال کی جو کہ ابوسفیان کے ساتھ ہے گھات میں لگے ہوئے ہیں۔'' (اے گلیوم نے بھی سیرت ابن اسحاق کے انگریزی ترجمے میں تقریباً یہی الفاظ استعمال کیے ہیں: ملاحظہ ہو، لائف آف محمد، انگریزی ترجمہ، سیرت ابن اسحٰق، ص ۲۹۱۔)

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۰۹۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۸، ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۸، ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۲۱، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج، ص ۱۳۔

Marfat.com

ملنے کے بعد قریش کے کچھ سرداروں نے سوچا کہ اب مکہ مکرمہ واپس چلا جائے لیکن ابوجہل اور دوسرے لوگ واپسی کے لیے ہرگز تیار نہیں تھے بلکہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے پر پوری طرح آمادہ تھے۔ انھوں نے عامر ابن حضرمی کو بھی ابھارا جس کا بھائی عمرو ابن حضرمی، عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن جحش کے سریہ میں قتل ہو گیا تھا۔ جب عامر ابن حضرمی نے یہ دیکھا کہ قریش کے کچھ سردار جنگ کو ملتوی کر رہے ہیں کیوں کہ ابوسفیان کا قافلہ بہ حفاظت مکہ مکرمہ پہنچ چکا ہے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑانا شروع کر دی جو اس وقت دشمن کے خلاف غصہ ظاہر کرنے کی ایک علامت سمجھی جاتی تھی) اور چلا چلا کر کہنے لگا: ''ہائے عمرو، ہائے عمرو''۔ اس واقعہ نے قریش کے تمام لشکر کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا، وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئے اور مدینہ منورہ کی طرف کوچ برابر جاری رکھا (تا کہ مسلمانوں سے عمرو ابن حضرمی کے بھائی عامر ابن حضرمی کے قتل کا بدلہ لیں) لیکن قبیلۂ زہرہ اور عدی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ مکہ مکرمہ واپس ہو گئے [1]۔

مندرجہ بالا روایتوں اور بیانات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بدر پر قریش کے حملے کا مقصد عمرو ابن حضرمی کے قتل (جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تھا) کا بدلہ لینا بھی تھا۔ یہ حقیقت یوں بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بدر پر چڑھائی سے پہلے ہی ابوسفیان کا قافلہ بہ حفاظت مکہ مکرمہ پہنچ چکا تھا جس کی قریش کے لشکر کو اطلاع بھی مل چکی تھی۔

(ب) قریش کا بدر پر حملہ:

اب کچھ اس قسم کی حالت تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ، اور قریش اپنے لشکر کے ساتھ دونوں ہی بدر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ بدر ایک گاؤں ہے جو کہ مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر مکہ کی جانب ہے۔ قریش کا سپہ سالار ابوجہل تھا جو کہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ قریش کے لشکر میں ایک ہزار پوری طرح مسلح آدمی تھے۔ اس فوج میں تقریباً تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے [2]۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۹، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۱، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۱۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۲، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۰۱۔

نوٹ: محمد زرقانی نے المواہب میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق لشکر میں گھوڑوں کی تعداد سو اور اونٹوں کی تعداد سات سو تھی۔

Marfat.com

تھی۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ❶۔ مسلمان قریش کی طرح مسلح بھی نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بُسبس ابن عمرو الجہنی اور عدی ابن ابی دغنہ کو پیش قدمی کے طور پر اس سمت روانہ کر دیا تھا جدھر سے قریش کے لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تھی تاکہ وہ ان کی نقل و حرکت کی اطلاع آپ ﷺ کو پہنچائیں ❷۔

قریش کا لشکر بدر پہلے پہنچ گیا اور جنگی نقطۂ نظر سے اچھی جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ جب کہ مسلمانوں کو ایسی جگہ ملی جہاں نہ کوئی کنواں ہی تھا اور نہ چشمہ۔ مزید برآں زمین بہت زیادہ ریتلی تھی جس کی وجہ سے اونٹوں کے پاؤں دھنس رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب ابن منذر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ قریب کے ایک بڑے چشمے پر قبضہ کر لیا جائے۔ ان کا یہ مشورہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمالیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ چشمے پر قبضہ کر لیں ❸ اللہ کے فضل و کرم سے کافی تیز بارش ہوئی جس سے چھوٹے چھوٹے تالاب پانی سے بھر گئے جس کی وجہ سے پانی کے ذخیرے میں کافی اضافہ ہو گیا ❹۔ قرآن کریم نے اس کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ﴾ (الانفال ۸:۱۱)

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۱، ۱۶ اور ۱۹، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۲، ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۷۸،

نوٹ: محمد زرقانی کی ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کے لشکر میں تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ملاحظہ ہو: شرح المواہب، ج ۱، ص ۴۰۸ اور ۴۰۹۔

بخاری کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۳۱۰ سے کچھ زیادہ تھی اور ان کی یہ تعداد طالوتؑ کے ان ساتھیوں کے برابر تھی جنھوں نے نہر کو پار کیا تھا جب کہ جالوت سے وہ لڑنے جا رہے تھے۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب المغازی، قصۂ بدر، ج ۲، ص ۵۶۴، ابن جریر طبری، ج ۲، ص ۴۳۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۰

❷ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۴۹، ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۷۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۱، ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۴۰، ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ، ص ۷۸ اور ۷۹۔

❹ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۱۵، ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۹، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۔

Marfat.com

''اور اس نے آسمان سے پانی برسایا تم کو پاک کرنے کے لیے۔''

حالاں کہ مسلمانوں کا پانی پر پورا کنٹرول تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کا ❶ فیض عام تھا اور آپ ﷺ نے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ رات کو دونوں لشکروں نے بدر میں قیام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوری رات دعا و عبادت میں گزار دی۔ آپ ﷺ اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے تھے اور بار بار یہ دعا فرما رہے تھے:

((اللھم فنصرك الذی وعدتنی، اللھم احنھم الغداة)) ❷

''اے اللہ تو اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ اے اللہ تو ان کو کل ہلاک کر۔''

دوسری روایتوں میں یہ دعا بھی نقل کی گئی ہے:

((اللھم ان تھلك ھذہ العصابة الیوم لاتعبد))

''اے اللہ اگر (تیرے اوپر ایمان رکھنے والوں کی) یہ مختصر سی جماعت آج ختم ہو گئی تو پھر (قیامت تک رُوئے زمین پر) تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہ جائے گا ❸۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فتح کی خوش خبری کے طور پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی ❹:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ (القمر ۵۴: ۴۵)

''عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھائے گی اور پھر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔''

بالآخر بدر کی جنگ ۱۷ رمضان ❺ ۲ھ بروز جمعہ (مارچ ۶۲۴ء) کو ہوئی۔ قریش کے تین سردار شیبہ، عتبہ اور ولید ابن عتبہ سب سے پہلے نکلے اور مبارز طلب کی۔ ان کا یہ چیلنج مسلمانوں

---

❶ ابن ھشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۲، ابن جریر طبری، تاریخ ج ۲، ص ۴۴۱۔

❷ ابن ھشام، مطبوعہ بیروت جدید، ج ۲، ص ۲۷۳۔

❸ ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۶۲۷، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۴۱۹، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۲، ابن جریر طبری، تاریخ، ص ۴۴۸، صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر۔

❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، قصہ بدر، ج ۲، ص ۵۴۶۔

❺ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۱، ابن ھشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۶، ابن حزم، السیرۃ النبویہ مخطوطہ، ص ۷۹، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۳۔

Marfat.com

کے تین نام ور شہ سواروں نے قبول کیا۔ یہ حضرات تھے عبیدہ رضی اللہ عنہ ابن حارث، حمزہ رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب اور علی رضی اللہ عنہ ابن ابو طالب۔ شیبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کا نشانہ بنا اور ولید کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ عتبہ سے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک زخم لگا لیکن بعد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تہ تیغ کر دیا❶۔ اس کے بعد قریش کا ایک اور مشہور جنگجو عبیدہ ابن سعید ابن العاص باہر نکلا اور مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے چیلنج کو قبول کیا اور اس کو نیزہ سے مار ڈالا❷۔ جب اس طرح دست بدست انفرادی حملے ختم ہو گئے تو اس کے بعد قریش نے مسلمانوں پر ایک عمومی حملہ کیا۔ بالآخر اس جنگ میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار یا تو جنگ میں مارے گئے یا قیدی بنا لیے گئے۔ ابوجہل جو کہ قریش کی اس فوج کا سپہ سالار تھا انصار کے دو لڑکوں معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ کے ذریعے مارا گیا❸۔ قریش کی باقی ماندہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور بہت سے لوگوں کو قید کر لیا❹۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس غزوہ میں شہید ہوئے❺۔

غزوۂ بدر کی فتح دراصل نصرت الٰہی کی ایک کھلی ہوئی دلیل تھی۔ حقیقتاً یہ حق کی باطل پر فتح تھی جو اللہ کی مدد سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں اس بارے میں کئی مقامات پر ارشادات خداوندی وارد ہوئے ہیں:

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (آل عمران ۳:۱۳)

"بے شک تمھارے لیے دو گروہوں (کے واقعۂ بدر) میں بڑا نمونہ ہے جو

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۶۲۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۲، ابن جریر طبری، تاریخ ج ۲ ص ۴۴۵۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔

❸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۳۴، ۶۳۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۳۔

❹ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۳۔

❺ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۷۔

Marfat.com

کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے۔ ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتا تھا (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگوں کا تھا۔ یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے (زیادہ) ہیں، کھلی ہوئی آنکھوں سے (دیکھ رہے تھے) اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے۔ بلاشبہ اس واقعے میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو عقل کی آنکھ رکھتے ہیں۔"

ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ (آل عمران ۳: ۱۲۳، ۱۲۴)

"اور بے شک اللہ تعالیٰ بدر میں تمھاری مدد کر چکا تھا حالاں کہ اس وقت تم تھوڑے تھے (اور بے سروسامان تھے) پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو (اور وہ وقت یاد کرو) جب کہ تو (اے محمد ﷺ) مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تین ہزار فرشتوں کو تمھاری مدد کے لیے بھیج دے (جو تمھارے لیے) اتارے جائیں۔"

مؤرخین کے مطابق وہ تین ہزار فرشتے جن کا تذکرہ آیت مذکورہ میں ہے تین جلیل القدر فرشتوں حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ساتھ اترے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہزار فرشتے تھے [1]۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں غزوۂ بدر کی طرف اشارات ملتے ہیں:

سورۂ انفال آیات نمبر ۷ تا ۱۹، سورۂ انفال آیات نمبر ۴۲ تا ۴۷، سورۂ انفال آیات نمبر ۶۷ تا ۶۹، سورۂ انفال آیات نمبر ۷۰ و ۷۱۔

درحقیقت غزوۂ بدر تاریخ اسلام کا ایک اہم اور فیصلہ کن غزوہ ہے۔ اگر مسلمانوں کو اس غزوے میں کامیابی نہ ہوتی تو اسلام ہمیشہ کے لیے روئے زمین سے ختم ہو چکا ہوتا۔ دراصل یہ نورانی طاقتوں کا ظلماتی طاقتوں سے اور حق کا باطل سے معرکہ تھا، یہ غزوہ باطل پر حق اور ظلمات پر

---

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۶۔

Marfat.com

نور کی اللہ کی نصرت سے زبردست فتح ثابت ہوا۔ اس فتح سے مسلمانوں کے جذبات اور زیادہ ابھرے، ان کی ہمتیں بڑھیں اور مستقبل میں مزید کامیابیوں کی امیدیں بندھیں۔

(ج) غزوۂ بدر کے درمیان رونما ہونے والے کچھ معجزانہ واقعات:

غزوۂ بدر میں کامیابی اللہ جل شانہ کی خصوصی نصرت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں چند معجزانہ واقعات جو اس غزوے کے درمیان پیش آئے تھے، نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل سطور میں تحریر کیے جاتے ہیں:

- نزول ملائکہ کے بارے میں خود قرآن کریم کی شہادت کافی ہے۔ جہاں تک انسانی شواہد کا تعلق ہے اس دور کے بہت سے لوگوں نے ملائکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس سلسلے میں ایک چرواہا جس نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور جو غزوۂ بدر کے موقع پر قریب کی پہاڑیوں میں اپنی بھیڑیں چرا رہا تھا کہتا ہے:

  ''میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی سے جنگ کو دیکھ رہا تھا اور اس کا منتظر تھا کہ جو گروہ بھی فتح یاب ہو میں اس کے ساتھ مل جاؤں تاکہ مجھے بھی مال غنیمت میں حصہ ملے۔ اچانک ہم نے بہت بڑا بادل اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جس سے جنگی گھوڑوں کی آوازیں اور جنگ کے بگل بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جیسے ہی وہ بادل قریب آیا فرشتوں کی ٹکڑیاں نکلنا شروع ہوگئیں اور ایک بڑے فرشتے کی دہشت ناک آواز سنائی دی جو اپنی گھوڑی سے کہہ رہا تھا: حیزوم تیز چلو۔ اے حیزوم۔ اس فرشتے کی دہشت ناک آواز سے میرے ساتھی کا دل پھٹ گیا اور وہ اسی جگہ انتقال کر گیا اور میں بھی مرنے کے قریب ہوگیا[1]۔'' نزول ملائکہ کے معجزے کا ذکر قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان کیا گیا جیسا کہ اوپر نقل کی گئی آیات میں بھی ہے۔

- جب جنگ شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا کی اور ایک مٹھی میں کنکریاں بھر کر دشمن کی طرف پھینکیں جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو اندھا کر دے گا[2]۔ اس غزوے میں پیش آنے والا ہر کام دراصل اللہ ہی کا کام تھا اور یہ اسی کے راستے

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج۱، ص ۶۳۳۔

[2] ابن قیم، زاد المعاد، ج۱، ص ۳۴۴۔

Marfat.com

میں اور اسی کے حکم کے تحت ہو رہا تھا۔ چناں چہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کے اس معجزانہ عمل کو بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (الانفال ۸:۱۷)

''اور (اے پیغمبر ﷺ) تو نے وہ مٹھی (کنکریوں) کی نہیں پھینکی جو کہ تو نے پھینکی تھی بلکہ (درحقیقت وہ) اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی (اس میں بہت سے فائدے تھے اور ایک فائدہ یہ تھا) کہ وہ مسلمانوں پر اپنی طرف سے ایک بڑا احسان کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (ان کی دعا) سنتا ہے (ان کا حال) جانتا ہے۔''

- عکاشہ ابن محصن رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے لڑائی کے دوران ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک لکڑی کا ٹکڑا عنایت فرمایا۔ جیسے ہی وہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے لیا وہ ایک تلوار کی شکل میں بدل گیا۔ جس سے انھوں نے جنگ کی۔ اس تلوار کا نام انھوں نے ''العون'' رکھا۔ یہ تلوار ان کے ساتھ آئندہ آنے والے غزوات میں بھی رہی [1]۔
- بہت سی روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر شیطان سراقہ کی شکل میں موجود تھا [2]۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ رہا تھا لیکن قریش نے اس کو روک لیا اور مورد الزام ٹھہرایا۔ قرآن کریم میں اس کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ ہے:

﴿وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال ۸:۴۸)

''اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجیے جب کہ شیطان نے ان (کفار) کو ان

---

1. المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۳۰، ابن حزم، حوالہ مذکورہ، مخطوطہ، ص ۳۰، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۳، ابن قیم، زاد المعاد۔
2. ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۲، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱ ص ۳۴۴۔

Marfat.com

کے اعمال خوش نما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمھارا حامی ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں (کفار و مسلمین کی) ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں (مراد فرشتے)، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

بحیثیت مسلمان ہم کا ان معجزات پر یقین لانا ضروری ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجود میں آتے ہیں اور پیغمبروں کے ذریعے دکھائے جاتے ہیں یا اُن کے ہاتھوں پر رونما ہوتے ہیں۔ اس طرح غزوۂ بدر کی کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و مدد کی وجہ سے ہی ہوئی (نہ کہ مادی اسباب و وسائل کی بنیاد پر)۔

(د) کفار قریش میں سے قتل کیے گئے یا قیدی بنائے گئے لوگ[1]

کفار مکہ میں سے تقریباً ستر آدمی غزوۂ بدر میں قتل ہوئے جن میں سے اہم مقتولین کے نام یہ ہیں:

شیبہ اور عتبہ (یہ دونوں عبد شمس کے پوتے تھے)، ولید، العاص بن سعید، ابوجہل، ابوالبختری، حنظلہ (ابوسفیان کا لڑکا)، الحارث (عبد مناف کا پوتا)، تمیم بن عدی، زمعہ، نوفل بن خویلد، العاص بن ہاشم، منبہ بن الحجاج، معبد، نذیر، عقبہ، امیہ بن خلف، علی بن امیہ وغیرہ۔

اسی طرح تقریباً ستر کفار قریش قید کر لیے گئے تھے۔ قیدیوں میں سے کچھ خاص لوگوں کے نام حسب ذیل ہیں:

نوفل (مطلب کا پوتا)، عاقل (بن ابو طالب)، ابوالعاص، عدی بن الخیار، عمرو (بن ابو سفیان)، ابوعزیر، ولید (مغیرہ کا پوتا)، ابوعزیز (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی) وہب بن عمیر، ابو وداع، سہیل بن عمرو، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، (طبع جدید، بیروت) ج ۲، ص ۳۶۵ تا ۳۷۴ اور ج ۳، ص ۳ تا ۸ نیز: ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ابن خلدون، تاریخ وغیرہ۔

Marfat.com

(ر) دشمنوں (یعنی جنگی قیدیوں) کے ساتھ سلوک:

جنگی قیدیوں سے غیر معمولی رحم دلی کا برتاؤ کیا گیا جس سے اسلام کے اصول جنگ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ان کو عمدہ قسم کا کھانا دیا جاتا جب کہ خود مسلمان معمولی کھجوروں پر گزارا کرتے تھے ❶۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دشمنوں پر بہت مہربان و رحیم تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ کچھ حضرات بہت زیادہ جوشیلے تھے اور انھوں نے مشورہ دیا کہ ان تمام جنگی قیدیوں کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی ❷ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ چوں کہ ان میں سے (زیادہ تر) ہمارے اپنے ہی رشتہ دار اور قریبی لوگ ہیں اس لیے ان کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے ❸۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا حکم دیا لیکن اللہ جل شانہ نے اس کو پسند نہیں فرمایا: چناں چہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی ❹ جس میں اس کے بارے میں تنبیہ کی گئی:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (الانفال ۸: ۶۷، ۶۸)

"نبی کی شان کے لائق (یہ) نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خون ریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست، بڑا حکمت والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کام تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔"

---

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲ ص ۴۶۱، ابن کثیر، سیرت، ج ۲، ص ۴۷۵۔

❷ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۴۱۔

❸ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۷۴، وغیرہ۔

❹ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، ج ۲، ص ۱۰، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۴۱۔

Marfat.com

بہت سی احادیث میں (جن میں سے ایک صحیح مسلم کی بھی روایت ہے) یہ بیان کیا گیا ہے کہ مندرجہ بالا آیات کے نزول پر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت روئے۔ جنگی قیدیوں سے چار ہزار درہم فی کس فدیہ کی رقم مقرر کی گئی۔ جو لوگ غربت کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر سکتے تھے لیکن لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے فی آدمی کے ذمے دس آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا مقرر کیا گیا جس کے بعد وہ بھی آزاد کر دیئے گئے ❶۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا تھا❷۔ ایسے لوگ جو نہ تو فدیہ کی رقم ادا کر سکتے تھے اور نہ لکھنا پڑھنا ہی جانتے تھے بغیر کسی معاوضہ کے ادا کیے رہا کر دیے گئے۔

اس جگہ ایک اہم واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بے مثال عدل و انصاف کا نمونہ پیش کیا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایک کامل ترین انسان تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں یہ واقعہ ❸ اس طرح ہے:

> "آنحضرت (ﷺ) کے داماد ابو العاص بھی اسیران جنگ میں آئے تھے۔ ان کے پاس فدیے کی رقم نہیں تھی۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو (جو کہ ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے زر فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا۔ آپ ﷺ بے اختیار رو پڑے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا۔ ابو العاص رہا ہو کر مکہ واپس آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیا۔"

ولیم میور جیسا معاند دشمن اسلام و رسول ﷺ بھی رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے

---

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۶، مزید ملاحظہ ہو: مسند احمد، ج ۱، ص ۲۴۷۔

❷ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱، ص ۲-۳۰۱۔

❸ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۵۳، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۱، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۶۸، سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، ج ۲، ص ۱۱، علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱ ص ۳۳۳۔

Marfat.com

جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سلوک واحسان پر ان الفاظ کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا:

"محمد (ﷺ) کے حکم کی بجا آوری کے طور پر مدینہ کے رہنے والے مسلمانوں نے اور ان مہاجرین نے جن کے اپنے اپنے مکانات تھے جنگی قیدیوں کے ساتھ بے مثال اور کریمانہ سلوک کیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک نے (اس برتاؤ سے متاثر ہو کر) کہا: مدینہ کے رہنے والوں پر رحم کی بارش ہو، انھوں نے ہمیں سواریوں پر سوار کرایا جب کہ وہ خود پیدل چلتے تھے۔ وہ ہمیں گیہوں کے آٹے کی روٹی کھلاتے تھے جب کہ خود کھجوروں پر گزارا کرتے تھے [1]۔"

جناب سید اطہر حسین اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"موجودہ دور کی ان تمام ترقیات اور روشنی کے باوجود، اور جنگی قیدیوں کے سلسلے میں بین الاقوامی قرارداد اور معاہدات کے باوجود تاریخ اس جیسی کوئی بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جیسا کہ مسلمانوں نے اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ بے مثال سلوک کر کے چودہ سو سال قبل (جنگ کے) اس پہلے مرحلہ پر ہی قائم کی ہے [2]۔"

(ز) غزوۂ بدر کے اثرات:

غزوۂ بدر کی فتح تاریخ اسلام میں نہایت ولولہ انگیز فتح ہے۔ فلپ ہٹی (Philip Hitti) اس عظیم فتح پر مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے:

"فوجی نقطۂ نظر سے یہ جنگ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ غزوۂ بدر نے محمد ﷺ کے دنیوی اقتدار کی بنیاد رکھ دی۔ اسلام میں یہ پہلی فتح تھی۔ اسلامی تاریخ کے اس پہلے معرکے میں نظم اور جان بازی کے بے مثال جوہر کا مظاہرہ کیا گیا جس نے اس کو امتیازی شکل میں بعد میں پیش آنے والی فتوحات میں بھی باقی رکھا۔ اس غزوے سے قبل اسلام مدینہ کی اسٹیٹ میں ایک مذہب کی حیثیت رکھتا تھا لیکن غزوۂ بدر کے بعد اس مذہب کی حیثیت سرکاری مذہب (State Religion) کی ہوگئی [3]۔"

---

[1] ولیم میور، لائف آف محمدؐ (انگریزی) ج ۳، ص ۱۲۲۔

[2] سید اطہر حسین، پرافٹ محمد اینڈ ہز مشن (انگریزی) ص ۲۸۔

[3] Philip K. Hitti: The Near East In History

Marfat.com

جوزف ہیل (Joseph Hell) لکھتا ہے:

''بدر کی فتح سے پیغمبر ﷺ کی طاقت کو یثرب میں استحکام ملا۔ اس کا سب سے اہم نتیجہ خود محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے قریب ترین ساتھیوں کے اندر پیغمبرانہ کام میں یقین کی گہرائی اور پختگی کا پیدا ہونا تھا۔ برسوں کی تکالیف اور مجاہدات کے بعد ایک متحیر کر دینے والی فتح نصیب ہوئی تھی۔ یہ فتح بول بالا کر دینے والی فتح تھی جو ایک قسم کی ناامیدی کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ درحقیقت گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مسلمانوں کو روشنی کی ایک کرن دکھائی دی تھی۔''

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (Encyclopaedia Britanica) کا مقالہ نگار تحریر کرتا ہے:

''بدر کی جنگ مسلمانوں کے اندر نہ صرف سب سے زیادہ مشہور اور معروف ہے بلکہ یہ ایک عظیم تاریخی یادگار بھی ہے۔ اس سے محمد ﷺ کی حیثیت میں بے پایاں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد محمد ﷺ کی کھلم کھلا مخالفت ممکن نہیں رہی [1]۔''

ڈبلیو مونٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) تبصرہ کرتا ہے:

''بدر میں اہل مکہ کی ہزیمت ایک سنگین سانحہ تھا۔ مکہ کے پندرہ یا بیس سب سے زیادہ بااثر، تجربہ کار اور آزمودہ کار اشخاص میں سے تقریباً ایک درجن مارے گئے تھے۔ (قومی) وقار کا نقصان اس سے بھی زیادہ سنگین تھا حالاں کہ اس کے اثرات فی الفور نہیں ہوئے (کیوں کہ) اس جنگ میں نسبتاً کم تعداد میں فوجی قوت استعمال ہوئی تھی اور مدینہ میں نہ تو طاقت ہی تھی اور نہ فوجی مہارت تھی جس کی وجہ سے وہ مکہ کا مقام حاصل کر سکتا اور اسی طرح تجارتی نقطۂ نظر سے بھی وہ مغربی عرب میں مکہ کی مرکزی حیثیت کا حامل نہیں تھا پھر بھی مکہ (یعنی قریش) کے وقار کو زبردست دھچکا لگا تھا [2]۔''

ٹور اینڈری (Tor Andrae) رقم طراز ہے:

''(تاریخ میں) ایسا کم ہی ہوا ہے کہ ایک اتنا حقیر اور چھوٹا معرکہ اتنے دوررس اور اہم نتائج کا حامل ہوا ہو۔ اس کے اخلاقی اثرات، بالخصوص مدینہ میں، مشکل سے بیان

---

1. "Encyclopaedia Britanica", 9th Ed., vol. IV.
2. W. Montgomery watt: Muhammad, The Prophet And Statesman p.124.

Marfat.com

کیے جاسکتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کو ایک ناقابل تردید ثبوت فراہم ہو گیا تھا کہ خدا آپ کے ساتھ ہے❶۔''

غزوۂ بدر کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے سید اطہر حسین تحریر کرتے ہیں:

''غزوۂ بدر کے بہت دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ اس سے قبل مسلمان ایسی اذیت پہنچائی گئی جماعت کی شکل میں تھے جو کسی بڑے جنگی معرکہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس فتح نے ان کے اندر اپنی مادی قوت میں اعتماد پیدا کیا۔ اب وہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کر سکتے تھے۔ جلد ہی وہ ایک طاقت کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے اور چھوٹے چھوٹے قبیلے ان کے خلاف فوجی قوت جمع کرنے سے خبردار ہو گئے۔ (مسلمانوں کی) اس فتح سے قریش کے وقار کو ایک زبردست دھچکا لگا۔ مدینہ اور اس کے اطراف میں آباد یہودی بھی اس نئی طاقت کے ابھرنے سے خبردار ہو گئے۔ شکست کی بے آبروئی اور ذلت نے اہل مکہ کو اور زیادہ درشت اور غضب ناک بنا دیا اور ''بدلے'' کا لفظ بہت سی زبانوں پر آنے لگا❷۔

اس غزوۂ پر غلام سرور مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

''بدر کی جنگ کی فتح، جو کہ اسلام میں پہلی باقاعدہ جنگ تھی، تاریخ اسلام میں ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اس نے مسلمانوں کے اندر وہ جذبات پیدا کر دیے تھے جس کی قیمت مال و دولت کی شکل میں نہیں لگائی جا سکتی۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ تمام مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہیں اسی طرح غزوۂ بدر تمام (اسلامی) جنگوں کے لیے ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب کبھی بھی مسلمان جنگ کریں وہ صرف اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اور حق کو قائم کرنے کے لیے جنگ کریں❸۔''

غزوۂ بدر کے نتیجے میں عرب کے کفار اور یہودیوں کو پہلی بار ایک نئی طاقت کے ابھرنے کا احساس ہوا، ایک ایسی طاقت جس کا نام ''اسلام'' تھا۔ اب انھوں نے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگالیا تھا۔

---

❶ Tor Andrae: Muhammad, The Man And His Faith, P.146.

❷ S. Athar Husain: Prophet Muhammad And His Mission, P.28,29.

❸ H. Ghulam Sarwar, Muhammad, The Holy Prophet, P.216.

Marfat.com

۲ھ کے متفرق واقعات

غزوۂ بنو سُلیم (یا غزوۂ قرقر بمقام کدر):

غزوۂ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں صرف سات رات ❶ قیام کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ بنو سلیم تشریف لے گئے تا کہ بنو سلیم اور بنو غطفان قبیلوں کے جارحانہ حملوں کی مدافعت کریں جن کے متعلق آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں اطلاع ملی تھی۔ وہاں پہنچنے پر آپ ﷺ کو ایک گڈریے نے بتایا کہ کچھ لڑاکا لوگوں کی ایک جماعت تھی جو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی اطلاع سن کر ساحل سمندر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ آپ ﷺ نے وہاں پر تین رات قیام فرمایا اور پانچ سو اونٹوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے جو وہ لوگ وہاں (جلدی میں) چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

نوٹ: ابن سعد کے مطابق یہ غزوۂ محرم ۳ھ میں پیش آیا ❷۔

ابو عفک اور اسماء بنت مروان کا قتل:

ایک بوڑھا یہودی ابو عفک رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا تا کہ لوگوں کو

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۳، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۴۷، ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، ص ۱۰۶، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۴۴۔

نوٹ: شرح المواہب میں اس غزوہ کا نام غزوہ قرقرہ یا کدر ہے جو کہ شوال کے مہینے میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو: ج ۱، ص ۴۵۴۔ ابن ہشام نے جیسا کہ اوپر حوالہ دیا گیا ہے ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اس غزوۂ کا نام "غزوۂ بنی سلیم یا کدر" رکھا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: سیرت ابن اسحاق انگریزی ترجمہ از اے۔ گلیوم، ص ۳۶۰۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۱۔

Marfat.com

آپ ﷺ کے اور اسلام کے خلاف اکسائے۔ اس نے کچھ زہریلے اشعار اللہ کے قانون، اسلام کے خلاف کہے۔ یہ یقیناً اللہ کی حکومت اور نظام اسلام کے خلاف جس کو رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا، بغاوت تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ اس معاہدے کی بھی کھلی ہوئی خلاف ورزی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ اور یہود کے درمیان ہوا تھا۔ اس بغاوت کی سزا قتل تھی۔ قتل کی اس مہم کو حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے شوال کے 1 مہینے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بہ موجب سر کیا۔

ابو عفک جیسی ہی ایک عورت بھی تھی جس کا نام اسماء بنت مروان تھا اور جس کا تعلق مدینہ منورہ کے قبیلۂ اوس سے تھا۔ وہ ایک شاعرہ تھی۔ اس نے بھی اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہجو سے بھرے اشعار کہے۔ غزوۂ بدر کے بعد اس نے کچھ اشعار کہے جن میں لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے اکسایا۔ یہ بھی اللہ کے قانون کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت تھی۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''کون مجھے اس عورت سے نجات دلوائے گا؟ 2۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن عوف نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور اس عورت کو قتل کیا۔ ابن سعد کے مطابق اسماء بنت مروان کا قتل رمضان 2ھ کے آخری ہفتے میں ہوا تھا 3۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن عوف نے اسماء کے بھائیوں کو بھی متنبہ کیا:

''اگر تم نے بھی اسی طرح کی حرکت کی جس طرح کہ تمھاری بہن نے کی تھی تو میں تمھارے پورے خاندان کے ساتھ وہی کروں گا جو کہ میں نے اس عورت کے ساتھ کیا ہے (یعنی تہ تیغ کروں گا)۔'' بعد میں اس خاندان نے اسلام قبول کر لیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرماں بردار بن گئے۔

مذکورہ بالا اشخاص کا قتل (اور اسی طرح بعد میں ہونے والے دیگر کفار کے قتل) کبھی بھی ناانصافی اور ظلم نہیں کہے جا سکتے۔ موجودہ دور میں بھی جس کو تہذیب و تمدن کا دور کہا جاتا ہے، باغیوں اور سرکشوں کی یہی سزا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں لوگوں نے اللہ کے قانون اور اللہ کی حکومت نیز ہیڈ آف اسٹیٹ (حکومت کے سربراہ) کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت اور سرکشی کی تھی۔ قانون کی

1 محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۴۵۴، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۸۔

2 محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۴۵۱ اور ۴۵۲۔

3 ابن سدعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۷۔

Marfat.com

نظر میں یہ ایک نا قابل معافی جرم تھا جس کی سزا قتل تھی اور اس سزا کا نافذ ہونا ہی انصاف کا تقاضا تھا۔ اس زمانے میں پولیس کا وہ نظام نہیں تھا جو کہ موجودہ دور میں نافذ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے قتل کا حکم دے کر دراصل پولیس کا کام لیا تھا۔

غزوۂ بنوقینقاع (شوال ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء)

زیادہ تر سیرت نگاروں اور مؤرخین کے مطابق بشمول ابن جریر طبری، ابن ہشام اور علامہ شبلی نعمانی غزوۂ بنوقینقاع غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے درمیان پیش آیا تھا[1]۔ اس کی تاریخ شوال ۲ھ بتائی جاتی ہے۔ ابن ہشام تحریر کرتے ہیں: ”بنوقینقاع وہ پہلا قبیلہ تھا جس نے اس معاہدے کو توڑا جو رسول اللہ ﷺ اور یہودیوں کے درمیان ہوا تھا[2]۔“ بنوقینقاع نے نہ صرف معاہدے کو توڑا بلکہ اعلان جنگ بھی کیا۔ ایک غیر متوقع واقعہ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان آگ بھڑکانے کا سبب بنا۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان عورت ایک یہودی کی دکان پر کچھ خریدنے کے لیے گئی۔ یہودیوں نے اس سے چھیڑ خانی کی۔ اس کی چیخیں سن کر ایک مسلمان نے جو کہ ادھر سے گزر رہا تھا اس کی حمایت کی۔ چناں چہ یہودیوں اور مسلمان میں لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں ایک یہودی مارا گیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر دیا اور اس کو مار ڈالا۔ جب اس واقعے کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ تحقیق کرنے وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا:

> ”اللہ سے ڈرو مبادا تم پر بھی ویسا ہی عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا کہ بدر میں (قریش پر) نازل ہوا تھا۔“ شرمندہ ہونے کے بجائے یہودیوں نے جواب دیا:
>
> ”ہم قریش نہیں ہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو ہم مزہ چکھا دیں گے۔“ جب انھوں نے صاف صاف اعلان جنگ کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی دفاع کیا۔ یہودیوں نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ مسلمانوں نے ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تقریباً

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۷، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۸، ۲۹، ابن جریر طبری حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۷۲، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۶، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۸۷، شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱، ص ۴۰۳، اور ۴۰۴۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۴۹، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۷۔

Marfat.com

پندرہ دن تک جاری رہا❶۔ جب یہودی محاصرے کے طول سے سخت پریشان ہو گئے تو انھوں نے بغیر کسی شرط کے ہار قبول کر لی اور معاملہ رسول اللہ ﷺ پر چھوڑ دیا کہ جو آپ ﷺ طے فرمائیں وہ اس کو قبول کر لیں گے۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی طرف سے حکم بنا❷۔ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ وہ یہودی مدینہ چھوڑ دیں۔ چناں چہ سات سو یہودی جن کا تعلق بنو قینقاع سے تھا، مدینہ منورہ چھوڑ کر شوال 2ھ میں شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

غزوۂ سویق (ذوالحجہ ۲ھ/مئی، جون ۶۲۴)

غزوۂ بدر میں اپنی شکست کی وجہ سے قریش غم اور شرمندگی میں ڈوب گئے تھے۔ وہ اس ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھے۔ ان کے بہت سے سرداران اس غزوے میں مارے گئے تھے۔ ابوسفیان اب قریش کا سردار تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اس ذلت آمیز شکست کا بدلہ نہ لے لے اس وقت تک نہ تو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوگا اور نہ ہی سر میں تیل لگائے گا۔ اپنی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے وہ دو سو اونٹ سواروں کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر (اچانک) حملہ کرنے کے لیے ذوالحجہ ❸ کے مہینے میں غزوۂ بدر کے تقریباً دو ماہ بعد آیا۔ رات کے اندھیرے میں ''عُریض'' کے مقام پر خفیہ طور پر اس نے کھجور کے ایک باغ میں آگ لگا دی، ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور کچھ مکانات اور بھوسے کے ایک ڈھیر کو بھی نذرِ آتش کیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ملنے پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ ابوسفیان (جلدی میں) سویق (ستو) کے بورے جن کو وہ غذا کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا، چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام ''غزوۂ سویق'' یا ''جنگ سویق'' مشہور ہو گیا۔

---

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۹، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج، ص ۴۵۷۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۸۔

❸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۶، ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ، ص ۱۰۷۔

Marfat.com

حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی (ذوالحجہ ۲ھ/۶۲۴ء)

ذوالحجہ ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی [1]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رشتہ کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرضی معلوم کی، وہ خاموش رہیں۔ اسلامی قانون کے مطابق ان کی خاموشی رضامندی کی علامت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک زرہ، ایک بھیڑ کی کھال اور ایک اوڑھنے کی چادر کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔ انھوں نے زرہ فروخت کر دی اور وہ رقم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بطور مہر ادا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بستر، ایک تکیہ (جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی)، پانی بھرنے کے لیے ایک مشک، ایک پانی کا جگ، دو ہاتھ کی چکیاں (گیہوں اور جو پیسنے کے لیے) اور دو مٹی کے گھڑے دیے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ یہ انبیاء و رسل کے سردار کی لاڈلی صاحبزادی کی شادی تھی۔ جس سادگی کے ساتھ یہ ہوئی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس میں نہ کوئی دکھاوا تھا اور نہ سجاوٹ اور دھوم دھام ہی۔ شادی سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھا۔ شادی کے بعد حضرت حارث رضی اللہ عنہ (جو کہ ایک صاحب جائیداد شخص تھے) نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا اور اس جوڑے کی خدمت میں پیش کیا۔ شادی کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ لابن سعد، اور الاصابہ لابن حجر وغیرہ۔

اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) سے ہوئی۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے قبل حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں لیکن وہ بیمار پڑ گئیں اور غزوۂ بدر کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی، اس لیے ان کو ''ذوالنورین'' (یعنی دو نوروں والا) کا خطاب عطا کیا گیا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی ۳ھ میں ہوئی تھی۔

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۸، ص ۱۹ اور ۲۰، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۔

Marfat.com

رمضان کے روزے اور عید الفطر:

مؤرخین کے مطابق رمضان میں روزے رکھنا ۲ھ میں فرض کیا گیا۔ صدقۃ الفطر کا ادا کرنا بھی اسی سال (پہلی بار) واجب ہوا، نیز پہلی بار عید الفطر کی نماز بھی ادا کی گئی۔

عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی بھی اسی سال یعنی ۲ھ میں واجب کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکرے ذبح کیے اور عید گاہ (یعنی مدینہ کے باہر [1]) نماز عید الاضحیٰ ادا کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

---

[1] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱ ص ۴۶۰۔

Marfat.com

ہجرت کا تیسرا سال

غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں کی غداری:

غزوۂ بنو قینقاع کے سلسلے میں ہم نے یہودیوں کی غداری کے اوپر اچٹتی نظر ڈالی تھی۔ یہاں اس کی مزید تفصیلات تحریر کی جاتی ہیں۔

دراصل غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں نے بڑے پیمانے پر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں جن میں ان کے کئی بڑے بڑے سردار بھی ملوث تھے۔ ان کے کچھ سرداروں پر مشتمل ایک وفد جس میں حی بن اخطب، سلام بن عبدالحقیق، ابو رافع، الربیع بن الربیع بن عبدالحقیق، کعب بن اشرف اور ابو عمار وغیرہ شامل تھے، قریش (مکہ مکرمہ)، بنو غطفان اور بنو قریظہ سے ❶ (یہودیوں کا ایک قبیلہ جو کہ مدینہ کے قریب آباد تھا) ملنے گیا تاکہ ان قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اُکسائے۔ جب یہ مکہ مکرمہ کے مشرکین قریش کے پاس گئے تو قریش کے کچھ سرداروں نے ان سے کہا:

> "آپ لوگ یہودیوں کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں۔ آپ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان اختلافات سے بھی پوری طرح واقف ہیں۔ آپ ہمیں بتائیے کہ کون سا مذہب (یعنی اسلام یا مشرکین کا طریقہ) زیادہ بہتر ہے۔"

یہودیوں نے مشرکین سے کہا:

"تمھارا مذہب محمد ﷺ کے مذہب سے اچھا ہے اور تم لوگ ہدایت یافتہ ہو، وحی کے

---

❶ ملاحظہ ہو: پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا، برہان (دہلی) ج ۷۵، شمارہ نمبر ۳، (ستمبر ۱۹۷۵ء) ص ۱۳۵، (۷)۔

Marfat.com

ذریعے ❶ رسول اللہ ﷺ کو یہودیوں کے اس عناد اور بدباطنی وکینہ پروری کی اطلاع دے دی گئی کہ انھوں نے شرک وکفر کو اللہ کے سچے دین کے مقابلے میں بہتر بتایا ہے حالاں کہ یہ لوگ خود اہل کتاب ہیں (اور اصل حقیقت سے واقف ہیں) قرآن کریم میں ہے:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا﴾ (النساء۴:۵۱، ۵۲)

"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے (پھر باوجود اس کے) وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہیں پاؤ گے۔"

مذکورہ بالا وفد کے کچھ لوگ بہت زیادہ شرارتی اور منحرف تھے۔ انھوں نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ مندرجہ ذیل آیت اس بارے میں نازل ہوئی ❷:

﴿وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَـقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ﴾ (البقرۃ ۲:۱۰۹)

"ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم

---

❶ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا، برہان (دہلی) ج ۷۵، شمارہ نمبر ۳، (ستمبر ۱۹۷۵ء) ص ۱۲۶۔ مزید ملاحظہ ہو: ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن جوزی (جیسا کہ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی صاحب نے حوالہ دیا ہے۔)

❷ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا، برہان (دہلی) ج ۷۵، شمارہ نمبر ۳ (ستمبر ۱۹۷۵ء) ص ۱۳۶۔

Marfat.com

کو تمھارے ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں دھکیل دیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں میں سے (جوش مارتا) ہے (باوجود یہ کہ) حق (ان پر) واضح ہو چکا ہے۔ (خیر اب تو) معاف کرو اور درگزر کرو جب تک حق تعالیٰ اس معاملے کے متعلق اپنا حکم بھیجے۔''

کعب ابن اشرف:

ان دنوں عرب میں کسی کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا بہترین ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء ایسے لوگ تھے جن کے کلام کی وجہ سے مختلف قبائل میں حسد، کینہ، بغض اور نفرت کی آگ بھڑکنے لگتی تھی۔ یہودیوں نے بھی یہ ہتھیار اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ یہودیوں کا ایک مشہور شاعر کعب بن اشرف تھا۔ وہ ایک خوبصورت آدمی تھا اور اپنی اس خوبصورتی اور چرب زبانی و شاعری کی وجہ سے سادہ لوح عورتوں کو ورغلا کر اپنی ہوا و ہوس کا شکار بناتا تھا۔ اس کے قریبی قبائل سے بھی اچھے تعلقات تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف نفرت و کینہ رکھنے کے لیے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر نے اس کی اس نفرت و کینہ میں مزید اضافہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی شاندار فتح سے وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں کا جو وفد مکہ مکرمہ کفار (قریش) کے پاس گیا تھا کعب بن اشرف اس میں شامل تھا۔ اس نے ان کفار پر ماتم کرنے کی غرض سے جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے مرثیے اور ماتمی اشعار لکھے جن کو اس نے قریش کے سامنے پڑھا تاکہ ان کو مسلمانوں کے خلاف مزید مشتعل کرے [1] اور وہ ان لوگوں کا بدلہ لینے کے لیے آمادہ ہو جائیں جو کہ بدر میں مارے گئے تھے۔

مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد اس نے کچھ مسلمان مستورات کے خلاف عاشقانہ اور بیہودہ قسم کی نظمیں لکھنی شروع کیں [2]۔ طبری نے کعب بن اشرف کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں جو اس نے ایک شریف مسلم خاتون ام فضل رضی اللہ عنہا کے خلاف لکھے تھے [3]:

---

[1] ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۸۸، ابن ہشام، سیرت، ج ۲، ص ۵۱ و ۵۲، پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، حوالہ مذکورہ، برہان (دہلی) ج ۵۷، شمارہ ۳، ص ۱۳۸۔

[2] ابن ہشام، سیرت ج ۲، ص ۵۴، ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۸۸۔

[3] ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۸۸۔

Marfat.com

اراحل انت لم تحلل بمنقبة وتارک انت ام الفضل بالحرم

''ہائے (میرے دل) کیا تو چلتا رہے گا اور اس کی (یعنی ام فضلؓ کی) تعریف کرنے کے لیے ٹھہرے گا نہیں؟ کیا تو ام فضل کو چھوڑ دے گا۔''

صفراء رادعة لو تعصر الغصرت من ذی القواریر والحنّاء والکتم

''وہ زعفرانی رنگ کی ہے اور رعنائیوں سے اتنی بھرپور ہے کہ اگر تو اس کو نچوڑے گا تو اس میں سے شراب، حنا اور کتم نکلے گی۔''

یرتج مابین کعبیها ومرفقها اذا تاتت قیاماً ثم لم تقم

''وہ اتنی نازک ہے کہ ٹخنے سے کندھے تک اس کا جسم اس کے چاہنے پر بھی (سیدھا) کھڑا نہیں رہ سکتا۔''

اشباه ام حکیم اذا تواصلنا والحبل منها متین غیر منجزم

''جب ہم ایک دوسرے سے ملے تو میں اس کی وجہ سے (اپنی بیوی) ام حکیم کو بھول گیا گو کہ میرے (اور میری بیوی) کے درمیان بندھا ہوا بندھن اس سے نہیں ٹوٹا۔''

احدی بنی عامر جُنّ الفواد بها ولو تشاء سقت کعباً من السقم

''اے بنی عامر! میرا دل اس کے عشق میں دیوانہ ہے اور اگر وہ چاہے تو کعب کو اس بیماری سے نجات دلا سکتی ہے۔''

فرع النساء وفرع القوم والدها اهل المحلة والایفاءِ بالذمم

''وہ (جمال میں) عورتوں کی شہزادی ہے اور (شرافت میں) اپنی قوم کی سردار ہے اور اس کا والد اپنے قبیلے کا سردار ہے۔ وہ اجنبیوں (اور مسافروں) کی تواضع کرتا ہے اور وعدوں پر قائم رہتا ہے۔''

لم أرَ شمساً بلیل قبلها طلعت حتی تجلت لنا فی لیلة الظّلم

''میں نے رات میں اس وقت تک سورج طلوع ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جب تک کہ وہ ایک تاریک رات میں (اپنی رعنائیوں کے ساتھ) میرے لیے نمودار نہیں ہوئی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے کعب کو اس کی اس بے ہودہ اور گندی شاعری کے خلاف بارہا متنبہ کیا لیکن اس نے اپنی اس عادت کو نہیں بدلا اور مستقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں اور شریف عورتوں کے خلاف بے ہودہ شاعری میں مشغول رہا۔

Marfat.com

کعب بن اشرف کا قتل (ربیع الاول 3ھ)

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے اس زمانے میں مدینہ منورہ میں موجودہ دور کی طرح پولیس فورس نہیں تھی۔ باغیوں اور غداروں کو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بموجب قتل کیا جاتا تھا۔ کعب بن اشرف یہودی نے قریش (اور دیگر قبائل) کو رسول اللہ ﷺ (جو کہ سربراہ مملکت کی حیثیت بھی رکھتے تھے) نیز اسلام، مسلمانوں اور حکومت وقت کے خلاف بھڑکایا تھا اور جنگ کی دعوت دی تھی۔ یہ حکومت اسلامیہ کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت اور سرکشی تھی۔ اپنی اس غداری، مکروفریب اور بغاوت کے لیے اس کو سزا ملنی ضروری تھی اور اس کی سزا ہر تہذیب اور قوم وحکومت میں قتل ہے۔ نیز اس کی یہ غداری اس معاہدے کے بھی خلاف تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ اور یہودیوں کے درمیان ہوا تھا۔ ابن حجر کے مطابق جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' ۱/۷ ۴۰ پر نقل کیا ہے کعب بن اشرف نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش بھی کی تھی[1]۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق کعب بن اشرف نے مسلمان عورتوں کے متعلق عاشقانہ اشعار کہے اور انھیں ایذا پہنچائی[2]۔ اس پر (اور مندرجہ بالا وجوہات کے باعث) عبداللہ بن المغیث بن ابی بُردہ کی روایت کے مطابق، رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا: ''من لی بابن اشرف'' یعنی کعب بن اشرف کی خبر لینے کے لیے کون تیار ہے[3]۔ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جن کا تعلق بنی عبدالاشہل قبیلہ سے تھا، نے کہا:

''یا رسول اللہ ﷺ آپ کی خاطر اس کے لیے تیار ہوں۔ میں اس کو قتل کر ڈالوں گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **فافعل ان قدرت علیٰ ذالک**۔ ''اگر تمھیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو ایسا ہی کرو۔'' یہ ایک سخت کام تھا اس لیے انھوں نے چار آدمی اپنی مدد کے لیے اپنے ساتھ لیے۔ یہ قبیلۂ اوس کے تھے اور ان کے نام اس طرح تھے: ابونائلہ سلکان بن سلامہ (کعبہ بن

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت النبیؐ (از علامہ شبلی نعمانی) ج ۱، ص ۴۰۷، بحوالہ فتح الباری از ابن حجر عسقلانی، ذکر کعب بن اشرف، ج ۱۷، ص ۲۵۹۔

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، الجزء الثالث، ص ۵۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۴۔

Marfat.com

اشرف کا رضاعی بھائی)، حارث بن اوس، عباد بن بشر، اور ابوعبس بن جبر ❶۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت لے لی تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ کچھ ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں جو خلاف واقعہ ہوں ❷۔ پلان کے مطابق ابونائلہ نے کعب بن اشرف سے ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ اس نے اپنا گارڈ (محافظ) ہٹا دیا۔ کعب بن اشرف کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے ابونائلہ نے اسے مدینہ کے مسلمانوں کے فرضی فقر کی شکایتیں کیں اور جھوٹ موٹ بتایا کہ اسلام کی وجہ سے ان کو بڑی تنگ حالی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انھوں نے کعب بن اشرف کو اس پر آمادہ کیا کہ اس کی دشمنوں سے حفاظت کے عوض وہ ان کو اور ان جیسے خیالات رکھنے والے مسلمانوں کو مکان اور کھجوریں دے گا۔ اس مقصد کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا۔ رات کے مقررہ وقت پر ابونائلہ کے علاوہ باقی چاروں حضرات بھی وہاں (غلہ لینے کے بہانے) پہنچ گئے۔ جب باقی لوگ بھی پہنچ گئے تو ابونائلہ نے کعب بن اشرف کو آواز دی کہ وہ اپنی خواب گاہ سے اتر کر نیچے آئے۔ کعب کی شادی کچھ دن پہلے ہی ہوئی تھی۔ اس کی نئی بیوی ❸ نے اس کو جانے سے روکا لیکن کعب نہیں رکا۔ جب وہ نیچے آیا تو ان پانچوں حضرات نے اس سے گفتگو کرنی شروع کی اور اس کو مدینہ کے مسلمانوں کی تنگ دستی اور فقر کی فرضی داستانیں سنانی شروع کیں۔ یہ گفتگو کرتے کرتے وہ پانی کے ایک جھرنے تک پہنچ گئے۔ وہاں پر جیسے ہی اُن کو موقع ملا انھوں نے کعب بن اشرف کو مار ڈالا۔ اس کا کام تمام کر کے وہ لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو کعب کے قتل کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ اس سے خوش ہوئے اور ان کی فتح یابی پر ان لوگوں کو مبارک باد دی ❹۔ کچھ روایات کے مطابق کعب بن اشرف کو ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو قتل کیا گیا ❺۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔

❸ نوٹ: کعب بن اشرف نوجوان لڑکیوں سے عیاشی کرنے کے لیے بڑھاپے میں بھی جلد جلد خوب صورت اور نوعمر لڑکیوں سے شادیاں کیا کرتا تھا۔

❹ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۴ تا ۶۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲، ۳۳، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۸۹، ۹۱، صحیح بخاری، کتاب المغازی، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، مسند امام احمد وغیرہ۔

❺ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۸۔

Marfat.com

غزوۂ ذی امر:

ماہ ربیع الاول میں یہ اطلاع ملی کہ بنو غطفان نجد میں ذی امر کے مقام پر لڑنے کے لیے اپنی فوجیں جمع کر رہے ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ ساڑھے چار ہزار افراد کے ہم راہ جن میں کچھ گھوڑ سوار تھے ❶ ان کو منتشر کرنے کے لیے پھر روانہ ہوئے۔ جب دشمنوں کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل کیں ❷:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱذْكُرُوا نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوٓا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ﴾ (المائدہ ۵:۱۱)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کرے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔"

غزوۂ بحران:

ماہ جمادی الاولیٰ ❸ میں رسول اللہ ﷺ تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک اور غزوے پر بحران تشریف لے گئے جہاں کے بارے میں یہ معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنو سلیم نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کر لی ہے لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ان کی فوج منتشر ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نے چند روز بحران میں قیام فرمایا اور پھر واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ بحران حجاز میں فرع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۴، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۵۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۵، مزید ملاحظہ ہو، شرح المواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۲، ص ۱۶، تاریخ الرسل والملوک از ابن جریر الطبری، ج ۲، ص ۴۸۷۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۵، محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۷۔

Marfat.com

سریۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ:

ماہ جمادی الآخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی امارت میں سو آدمیوں پر مشتمل ایک رسالے کو نجد میں مقام قردہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہ پہلا سریہ ہے جس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بحیثیت امیر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سریہ قریش کے اس قافلے کے تعاقب میں بھیجا گیا تھا جو صفوان (1) بن امیہ کی سرکردگی میں تھا اور جس کی مالیت تقریباً تین لاکھ درہم تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنی مہم میں کامیابی حاصل ہوئی۔ معمولی مزاحمت کے بعد دشمن فرار ہو گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں تجارتی سامان کا بڑا حصہ اور چاندی (جس کی مالیت ایک لاکھ درہم کے قریب بتائی جاتی ہے۔) آئی، نیز دو قیدی بھی۔ فرات بن حیان نے جو کہ رہبر تھا اور جو اس قافلے کی اطلاع لایا تھا، مسلمانوں کے بہترین برتاؤ اور سلوک نیز ان کے نیک اعمال کو دیکھ کر مدینہ منورہ میں اسلام قبول کر لیا۔

غزوۂ بدر میں شکست کے بعد قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ لڑنے کے لیے کھلے عام تیاری شروع کر دی تھی۔ ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا پورا کا پورا نفع ہتھیار کی خریداری اور جنگ کی تیاری میں خرچ کیا گیا۔ قریش نے بنوبکر اور دیگر پڑوسی قبیلوں سے معاہدے بھی کیے۔ غزوۂ بدر کے نتیجے میں شام کی شاہ راہ کے بند ہو جانے پر انھوں نے عراق سے تجارت شروع کر دی جس کا مقصد نہ صرف ہتھیاروں کی خریداری تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کو اپنا ایک نیا ہم نوا اور دوست بھی بنانا تھا۔ صفوان کا قافلہ جس کا تعاقب حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے کیا تھا اس سلسلے کی سب سے پہلی اور اہم کڑی تھی۔ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان قریش مکہ سے حالت جنگ میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تجارتی قافلوں کا یہ نیا راستہ بلاک (مسدود) کرنے کے لیے اقدامات کیے جو جنگی نقطۂ نظر سے بہت ضروری تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا سریہ انھی اقدامات کے تحت بھیجا گیا تھا۔

---

(1) ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۹۲، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۶، محمد زرقانی المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۷، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۴۔۵

Marfat.com

غزوۂ اُحد

(شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء)

قریش مکہ کو ایسی شکست فاش کا معمولی سا بھی گمان نہیں تھا جس کا ان کو بدر میں سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ کا یہودیوں اور اعرابیوں پر بھی زبردست اثر پڑا۔ پہلی بار ان کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے انتقام کی آگ اہل مکہ کے سینوں میں بھڑک رہی تھی۔ انھوں نے اس داغ کو دھوڈالنے کا تہیہ کرلیا تھا اور مسلمانوں پر دوسرا حملہ کرنے کے لیے زبردست تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ مکہ کے شاعروں نے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے چندہ دینے کی ترغیب میں اشعار لکھنا شروع کیے جن کو وہ بڑے بڑے مجمعوں میں پڑھ کر اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے تھے۔ عورتوں نے بھی مردوں میں جنگ کا جوش پیدا کرنے میں اوران کے حوصلے بلند کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے اپنے غلام وحشی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے خاص طور پر تیار کیا اور تربیت دی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنی مہم میں کامیاب ہوجاتا ہے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ وحشی نیزہ چلانے میں ماہر تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں ہند کے باپ عتبہ کو ہلاک کیا تھا۔

مسلمانوں کو قریش مکہ کی جنگی تیاریوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور وہ اس سلسلے میں بے خبر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی فوج کے مدینہ پر حملہ آور ہونے سے صرف دو تین روز قبل ہی اپنے چچا حضرت عباس[1] کے ذریعے اطلاع ملی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے گو کہ اسلام قبول کر رکھا تھا لیکن اس وقت تک وہ مکہ میں ہی مقیم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاسوسوں انس رضی اللہ عنہ، مونس رضی اللہ عنہ اور حُباب رضی اللہ عنہ کو مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے مکی فوج کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے فوج کی آمد کی تصدیق کی اور بتایا کہ فوج مدینہ سے صرف تین میل کے فاصلے

[1] ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۷، محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۱۔

Marfat.com

پر اُحد (پہاڑ) کے پاس ہے۔ اگلے دن یعنی ۱۳ ر شوال ❶ بروز جمعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس صورتِ حال کے بارے میں مشورہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر قلعہ بندی کر لی جائے اور اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے، ❷ رسول اللہ ﷺ خود بھی اسی طریقے کو پسند فرماتے تھے لیکن کچھ نوجوان اور جوشیلے صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص وہ حضرات جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی، مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنا چاہتے تھے ❸۔ ان لوگوں کی یہ رائے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ مدینہ منورہ سے باہر چل کر ہی مقابلہ کیا جائے گا اور آپ ﷺ زرہ بکتر زیب تن فرمانے گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلافِ مرضی مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ جب آپ ﷺ زرہ پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے تو سب نے عرض کیا کہ ہم اپنی رائے سے رجوع کرتے ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر ہی جنگ کریں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ❹:

((ماینبغی لنبي اذا لبس لامته ان یضعها حتی یقاتل))

''پیغمبر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی امت کی (بقا کی) وجہ سے ہتھیار پہن لے اور پھر قتال (جنگ) سے قبل ہی ان کو اتار دے۔''

جمعہ کی نماز کے بعد آپ ﷺ ایک ہزار جاں بازوں کے ساتھ اپنے سے تین گنا بڑی فوج سے جس کی تعداد تین ہزار تھی، مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جانے کے لیے نکلے۔ قریش کی تین ہزار اسلحہ سے لیس فوج مدینہ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ کے پاس خیمہ زن تھی۔ اس نے علاقے میں مسلمانوں کے کھیت پامال کر دیئے تھے اور باغات کاٹ

---

❶ اس سلسلے میں حاشیہ (فٹ نوٹ) نمبر ۲۳ ملاحظہ ہو۔

❷ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۲، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۲۔

❸ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۲، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۲۰۔

❹ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۶۸۔

Marfat.com

ڈالے تھے۔ ابھی رسول اللہ ﷺ راستے ہی میں تھے کہ شوط[1] کے مقام پر، جو کہ مدینہ منورہ اور اُحد کے درمیان تھا کہ منافقین کے سردار عبداللہ ابن اُبی نے کہا کہ چوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ سے متعلق اس کی رائے نہیں مانی اور مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس لیے وہ آپ ﷺ کا ساتھ نہیں دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر آپ ﷺ سے الگ ہو گیا اور اس طرح آپ ﷺ کے ساتھ صرف سات سو جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہی رہ گئے[2]۔ حالاں کہ کچھ افراد کو چھوڑ کر عام طور پر مسلمان فنونِ جنگ سے پوری طرح واقف نہیں تھے لیکن وہ ایمانی قوت سے بھرپور تھے اور حق کے دفاع کے لیے ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۶۸۔

نوٹ: مدینہ منورہ اور اُحد کے درمیان تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس زمانے میں اس میں کئی آبادیاں تھیں۔ اب ان میں سے اکثر کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں سے ایک مقام شوط بھی تھا جو شہر سے شمال مشرق میں شیخین کے قریب تھا۔ دائیں جانب بنی عبدالاشہل کی آبادی تھی اور آگے حرہ بن حارثہ کی آبادی تھی۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۹، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۴، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۶۔

Marfat.com

میدان جنگ............ جنگ اُحد

ہفتہ (سنیچر) ❶ کے روز 15/شوال ❷ ۳ھ (مطابق ۳۰/مارچ ۶۲۵ء) کو ہوئی۔
اُحد پہاڑ کے دامن میں سات سو اصحاب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صف

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ)، ج۲،ص۶۳۔
نوٹ: ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے لیکن جنگ ہفتہ کے روز ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، الجزء الثالث، ص۱۰۶۔
محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج۲،ص۲۰ (محمد زرقانی نے اس سلسلے میں دیگر اقوال بھی نقل کیے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُحد پہنچنے یا جنگ اُحد کی مختلف تاریخیں بتائی ہیں۔)

❷ ہجری اور عیسوی تاریخوں کی مختلف تقویموں (اس کے لیے ملاحظہ ہو باب نمبر۴ کا فٹ نوٹ نمبر۲۴) کے مطابق شوال ۳ھ کے پہلے پندرہ دن میں ہفتہ (یعنی سنیچر) کا روز ۷/اور ۱۴/شوال کو پڑتا ہے جب کہ اس سے گذشتہ مہینہ یعنی ماہ رمضان ۳ھ ۳۰ دن کا ہو لیکن اگر ماہ رمضان ۳ھ ۲۹ دن کا ہوا ہو (ہم نے یہاں پر حساب اسی بنیاد پر لگایا ہے) تو پھر ہفتہ (یعنی سنیچر) کا دن ۸ اور ۱۵/شوال ۳ھ کو پڑے گا۔ ابن اسحاق کے مطابق غزوۂ احد بروز سنیچر، شوال ۳ھ کی درمیانی تاریخ کو ہوا (ملاحظہ ہو: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۴،ص۹، ۴۹، ابن ہشام، الجزء الثالث ص۱۰۶)۔ درمیانی تاریخ اسی وقت لگائی جائے گی جب کہ ماہ شوال ۳۰ دن کا ہو۔ ۲۹/دن کے مہینے میں درمیانی تاریخ کس طرح لی جا سکتی ہے کیوں کہ ساڑھے ۱۴ کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔ اس طرح ابن اسحاق نے ہفتہ (یعنی سنیچر) کے دن کے ساتھ ساتھ تاریخ ۱۵/شوال ۳ھ ہی لی ہے۔ نیز ابن اسحاق نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے اگلے روز یعنی بروز اتوار ۱۶/شوال ۳۲ھ) کو ان صحابہؓ کے ہمراہ جنھوں نے جنگ احد میں شرکت کی تھی حمراء الاسد تک قریش کے تعاقب میں تشریف لے گئے (ملاحظہ ہو ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۲، ۴۹، اور ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، الجزء الثالث، ص۱۰۷) اسی طرح یہاں پر ہم نے ابن اسحاق کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہ مانا ہے کہ جنگ احد ۱۵/شوال ۳ھ بروز ہفتہ ═

Marfat.com

آرائی کی کہ پہاڑ آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی پشت کی جانب رہا۔ پہاڑ کی پشت کی جانب ایک چھوٹا سا درہ تھا جس سے اندیشہ تھا کہ دشمن آ کر پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو جائے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیراندازوں کو اس پر متعین کر دیا اور ہدایت کر دی کہ کسی بھی صورت میں اس جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اس دستہ کے افسر مقرر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو تاکید کر دی تھی کہ جنگ کا نقشہ موافق رہے یا مخالف تم اپنی جگہ جمع رہنا❶۔

قریش کی فوج میں اسلحہ سے لیس تین ہزار فوجی تھے❷۔ جس میں سے سات سو افراد زرہ پوش و بکتر بند تھے اور سو گھڑ سوار تھے۔ پندرہ عورتیں دف پر بلند آواز سے اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں بدر کے مقتولین کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے❸۔ قریش کی ان عورتوں نے جو اشعار اپنی دفوں کو زور زور سے پیٹتے ہوئے پڑھے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل اشعار بہت سی تاریخ و سیرت کی کتابوں میں معمولی ردوبدل کے ساتھ درج ہیں❹۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق

= (یعنی سنیچر) ہوئی۔ کچھ مؤرخین اور راویوں (جیسے حضرت قتادہؓ وغیرہ) کا خیال ہے کہ غزوۂ احد ۱۱ شوال کو ہوا تھا لیکن سنیچر کا دن اس تاریخ میں نہیں پڑتا اس وجہ سے اس تاریخ کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔
ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲، مزید ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہؑ، الجزء الثالث، ص ۶۹۔
ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۷،
ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۳، ابن ہشام، السیرۃ النبویہؑ، ج ۲، ص ۵۶، ۶۶، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۷۔

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؑ، الجزء الثالث، ص ۷۰

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲، مزید ملاحظہ ہو، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۴، ۵۰۵۔

❹ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۰، ابن ہشام، السیرۃ النبویہؑ، ج ۲، ص ۶۸۔

نوٹ: ابن ہشام نے ان اشعار کو کچھ تبدیلی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

Marfat.com

''ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔''

ان تقبلوا نعانق او تدبروا نفارق

''اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی، اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔''

ان اشعار کو سن سن کر کفارِ مکہ جوش میں آ رہے تھے اور غضب ناک ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ ابوسفیان کفار کی فوج کا کمانڈر ان چیف تھا۔ اس نے اپنی فوج کو کئی بٹالینوں میں تقسیم کر کے ہر بٹالین پر ایک الگ افسر مقرر کیا تھا اور خود سب کا سپہ سالار تھا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ابوسفیان بنو عبدالدار کے ان لوگوں کو جو جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے، جنگ و قتال پر ابھارنے کے لیے کہہ رہا تھا:

''بنو عبدالدار! سنو، جنگ بدر میں بھی جھنڈا تمھارے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت جن شدائد کا سامنا کرنا پڑا وہ تمھیں معلوم ہیں۔ دیکھو! جھنڈوں کو دیکھ کر ہی لوگ ثابت قدم رہتے ہیں اور اگر جھنڈے اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں تو لوگوں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں اور وہ تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اب وقت ہے کہ تم یا تو ہمیں اطمینان دلاؤ کہ اس جھنڈے کو اونچا رکھو گے یا پھر جھنڈے کو چھوڑ دو، ہم خود سنبھال لیں گے۔''

یہ سن کر انھوں نے اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا وعدہ کرتے ہوئے کہا:

''بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ ہم جھنڈا تمھارے حوالے کر دیں! کل جب میدانِ جنگ برپا ہوگا تم دیکھ لو گے کہ ہم کیا کیا جوہر دکھاتے ہیں [1]۔''

یہ گفتگو جنگ سے ایک روز قبل کی ہے۔

جنگ جب شروع ہوئی تو پہلے دو بدو مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں میں سے شجاع ترین حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے کئی چنیدہ لوگوں کو جن میں ان کا علم بردار (جھنڈے والا) طلحہ بھی شامل تھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی، مسلمان بڑی بہادری سے لڑے اور بہت سے کفار کو تہ تیغ کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے جو کہ عرب کے مشہور پہلوان تھے کوئی مقابلے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جدھر رخ کرتے کفار کی صفوں کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے ایک افریقی نسل کے غلام وحشی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۷۲۔

Marfat.com

کرنے کی ٹریننگ دے رکھی تھی۔ وحشی افریقی طرز کا چھوٹا نیزہ جس کو ''حربہ'' کہتے ہیں چلانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کا آقا جبیر بن مطعم ❶ تھا۔ جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا❷ جب قریش جنگ احد کے لیے تیار ہوئے تو جبیر نے اس سے کہا کہ اگر وہ اس کے چچا کے انتقام میں محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو وہ اس کو آزاد ❸ کر دے گا۔ وہ حبشیوں کے انداز میں حربہ پھینک کر مارنے کا ایسا ماہر تھا کہ اس کا پھینکا ہوا حربہ کم ہی خطا کرتا تھا۔ جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا۔ ایک موقع پر سباع بن عبدالعزی وحشی کے سامنے سے نکل کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر کہا: ''هلم اِلَیَّ یا ابن مقطعة البظور اے مقطعۃ البظور کے بیٹے ادھر آ ادھر'' پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے سباع پر تلوار کا ایک وار کیا لیکن وہ خالی گیا۔ ادھر وحشی نے اپنے حربے کو حرکت دے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف پھینکا۔ حربہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ناف کے اوپر والے حصے پر پیٹ میں جا گھسا اور ان کی دونوں ٹانگوں کے بیچ سے نکل گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں وحشی کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ بے اختیار ہو چکے تھے، وہیں لڑکھڑا کر گر پڑے اور شہید ہو گئے❹۔ مسلمان اس کے باوجود جمے رہے اور میدان جنگ میں زبردست بہادری دکھائی۔ اس کے نتیجے میں جلد ہی کفار نے میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔

فتح شکست میں بدل گئی:

کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر بہت سے مسلمانوں نے غنیمت لوٹنا شروع کر دی۔ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر ان پچاس تیر اندازوں سے بھی نہ رہا گیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے سخت تاکید سے درے پر مقرر کیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ انھوں نے ''الغنیمـــه الغنیمة'' کی آواز بلند کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۷۴، ۷۵ اور ۷۶۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۷۶۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۷۶۔

❹ صحیح بخاری، باب قتل حمزہؓ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۷۶، ۷۷، محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۲۔

Marfat.com

غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے قول کو یاد دلایا لیکن ان میں سے چند کے علاوہ کسی نے ان کے کہنے کی پروانہیں کی ❶۔ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک غیر مسلم تھے اور ایک رسالے کے کمانڈر تھے) مسلمانوں کے لشکر کے اس کمزور نقطہ کو بھانپ لیا جو کہ تیراندازوں کے ہٹنے سے ہوا تھا۔ وہ اُحد کی دوسری طرف سے اس درے کے راستے مسلمانوں کے عقب سے حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان چند تیر اندازوں نے جو کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر کے کہنے سے رک گئے تھے ان سے مزاحمت کی تھی لیکن خالد بن ولید نے ان کو مار ڈالا۔ اس وقت جب کہ مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے وہ خالد بن ولید کے عقب کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور اپنے آپ کو پیچھے سے تلواروں میں گھرا ہوا پایا۔ اس حالت میں وہ اپنے حواس کھو بیٹھے اور مسلمانوں کی صفوں میں زبردست انتشار برپا ہو گیا۔ یہ مشکل دراصل رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کو دیکھ کر بھاگتے ہوئے کفار دوبارہ پلٹ پڑے اور مسلمان دونوں طرف سے تلواروں میں گھر گئے۔

کفار نے مسلمانوں کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کر دیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے۔ ان کے قاتل عمرو بن قمیہ نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ❷۔ اس سے کفار مکہ نے فائدہ اٹھایا اور پورے میدان جنگ میں اس افواہ کو پھیلا دیا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس افواہ کے پھیلتے ہی مسلمانوں نے ہمت ہار دی اور ان کی صفوں میں مزید انتشار اور بدنظمی پھیلنا شروع ہو گئی۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ اپنے کچھ بہادر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے جو آپ ﷺ کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے تھے۔ ان جاں نثار حضرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن صامت اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ وغیرہ ❸ کے اسمائے گرامی مختلف روایتوں میں ملتے ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے

❶ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷، صحیح بخاری، باب غزوہ احد۔

❷ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۵، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۳۔

❸ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۶۔

Marfat.com

تھے۔ مختلف روایتوں کو جمع کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ افراد رہ گئے تھے۔

جنگ لڑتے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور اس خوش خبری کا مسلمانوں میں اعلان کیا❶۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ خوش خبری سن کر کفار پر ٹوٹ پڑے لیکن کفار ہر طرف سے رسول اللہ ﷺ کی سمت بڑھنے لگے تھے تاکہ آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں ڈھال کی طرح آپ ﷺ کے سامنے ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں بہت سے مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم زخمی ہو گئے اور کافی شہید بھی ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ سخت ابتلاء اور آزمائش کا وقت تھا۔ اسی درمیان کچھ کفار رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئے ان میں عبداللہ بن قمیہ اور عتبہ بن ابی وقاص آگے آگے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ایک پتھر آ کر لگا جس کی وجہ سے آپ ﷺ دائیں پہلو پر ایک گڑھے میں گر گئے اور آپ ﷺ کا سامنے کا ایک دانت شہید❷ ہو گیا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرۂ انور خون آلود ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ نے آپ ﷺ کو گڑھے سے نکالا❸۔ آپ ﷺ اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے جاتے تھے اور صرف یہ فرماتے جاتے تھے❹:

((کیف یفلح قومٌ خضبوا وجه نبیهم وهو یدعواهم الیٰ ربهم))

''وہ قوم کیوں کر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنی نبی ﷺ کے چہرے کو خون آلود کر دیا ہو حالاں کہ وہ انھیں ان کے رب کی طرف بلا رہا ہے❺۔''

پس اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں نازل فرمایا❻:

❶ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۵۔

❷ ابن ہشام، السیرہ، النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۴۔

❸ ایضاً۔

❹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۵۔

❺ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۴۔

❻ ایضاً

Marfat.com

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آل عمران۳: ۱۲۸)

"(اے نبی) تجھے کسی بات کا اختیار نہیں، اللہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ بے شک یہ لوگ ظالم ہیں۔"

اُحد ہی میں ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان ظالموں کے لیے دعا کی اور فرمایا❶:

((رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون))

"اے اللہ میری قوم کی مغفرت فرما کیوں کہ وہ واقف نہیں ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں قوموں کی تاریخ کوئی بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس موقع پر بڑے بڑے رحم دل انسانوں کے قدم بھی لڑکھڑانے لگتے ہیں لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس موقع پر بھی بے مثال رحم دلی کا ثبوت دیا اور اپنے بدترین دشمنوں کے لیے بھی دعا کی۔

اسی درمیان کفار نے رسول اللہ ﷺ پر زبردست تیر برسائے اور سنگ باری کی۔ ایک کافر ابن ہشام کے مطابق ابن قمیہ نے چہرۂ انور پر تلوار ماری جس کے صدمے سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ انور میں چبھ گئیں❷۔ یہ دیکھ کر جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو دائرے میں لے لیا۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سپر بن گئے اور تمام تیروں کو اپنی پیٹھ پر روکنے لگے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا جس سے ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ آپ ﷺ کا خون رک نہیں رہا تھا اور برابر بہ رہا تھا۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ بن سنان اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے اس مبارک لہو کو جس سے آپ ﷺ کا چہرۂ انور تر ہو گیا تھا جوش محبت میں نوش کر لیا❸۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے میرے خون کو (اپنے خون سے) ملایا اس کے خون کو دوزخ کی آگ نہیں

---

❶ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۴۱، صحیح مسلم، باب غزوۂ احد۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۸۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۸، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۹۱۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۴، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۸۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۵۔

Marfat.com

لگے گی ❶۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح نے رخسارِ مبارک میں خُود کی جو دو کڑیاں گھس گئی تھیں انھیں اپنے دانت سے کھینچ کر نکالا۔ جب پہلی کڑی کھینچی تو ان کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور جب دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی نکل گیا۔ اس طرح ان کے دونوں اگلے دانت گر گئے ❷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سپر میں بھر بھر کر پانی لاتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم دھوتی جاتی تھیں۔ خون تھمتا نہیں تھا۔ بالآخر چٹائی (اور بعض روایات کے مطابق ٹاٹ) کا ایک ٹکڑا جلایا گیا اور زخم پر رکھ دیا جس سے خون فوراً رک گیا ❸۔

زخم خوردہ اور تھکے ہوئے مسلمان دشمن کو ہٹانے میں کامیاب ہو گئے اور منتشر مسلمان ایک بار پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئے اور وہاں سے مسلمان لشکر کی کمانڈ کرتے رہے۔

قریش کی عورتوں نے بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا ان کے ناک کان کاٹ لیے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) نے مسلمانوں کے کٹے ہوئے ان اعضا کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر کو نکال کر کچا کھایا لیکن نگل نہ سکی تو اس کو اگلنا پڑا۔

جنگ کے خاتمہ پر ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا ❹: **انعمت فعال، ان الحرب سجال، یوم بیوم، اعل ھبل۔** (اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا اے ابوسفیان) تو نے بڑا اچھا کام کیا۔ جنگ کا معاملہ ڈانواں ڈول ہے (یعنی جنگ میں الٹ پلٹ ہوتا ہی ہے) ایک جنگ دوسری جنگ کا بدل ہو جاتی ہے۔ ہبل سر بلند رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو حکم دیا: عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اس کا جواب دو اور کہو:

---

❶ ایضاً۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۵۔

❸ صحیح بخاری، غزوۂ احد، ج ۲، ص ۵۸۳۔

نوٹ: اس زمانے میں خون کو روکنے کا یہ ایک مؤثر علاج تھا۔

❹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۹۹۔

Marfat.com

"اللہ اعلیٰ واجلّ، لا سواءٌ قتلانا فی الجنہ وقتلا کم فی النار۔"

''اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔ ہمارے تمھارے درمیان کوئی برابری نہیں ہے۔ ہمارے مقتولین جنت میں اور تمھارے مقتولین جہنم میں جائیں گے۔''

صحیح بخاری کے مطابق ابوسفیان نے یہ بھی کہا [1]:

''لنا العزی ولا عزی لکم''

''ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے جب کہ تمھارے پاس کوئی عزیٰ (بت جیسا) نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب دو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کیا جواب دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہو:

((اللہ مولانا ولا مولا کم))

''اللہ ہمارا مولیٰ (یعنی سرپرست) ہے جب کہ تمھارا کوئی مولیٰ (یعنی سرپرست) نہیں۔''

ابن اسحاق کے مطابق [2] پھر ابوسفیان نے پکار کر کہا: ''مسلمانو! تمھارے مقتولین میں سے کچھ لوگوں کا مثلہ کیا گیا مگر اللہ کی قسم جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس فعل سے راضی نہیں ہوں، نہ ہی ناراض ہوں، نہ میں نے اس کا حکم دیا، نہ منع کیا۔'' جب وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ واپس ہونے لگا تو اس نے یہ بھی کہا: ''آئندہ سال میدان بدر میں ہماری تمھاری پھر جنگ ہوگی۔'' اس کے جواب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان سے کہہ دے: ''ہاں ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ میدان بدر آئندہ سال کی جنگ کے لیے مقرر ہے۔''

جنگ ختم ہونے کے بعد مشرکین واپس ہوئے تو مسلمانوں کو خیال ہوا کہ وہ لوگ شاید مدینہ منورہ پہنچ کر بچوں، عورتوں اور اموال پر غارت گری کریں گے، تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کا تعاقب کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر وہ بلاسوار ہوئے جا رہے ہیں تو مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں اور اگر سوار ہو چکے ہیں تو مکہ کا ارادہ رکھتے

---

[1] صحیح بخاری، باب غزوۂ احد، ج ۲، ص ۵۷۹۔

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۹۹ اور ۱۰۰۔

Marfat.com

ہیں۔ اگر وہ مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہمیں فوراً چلنا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ میں نے دیکھا کہ ابوسفیان نے مکہ کا رُخ کرلیا ہے ❶۔ صحیح بخاری میں جو روایت نقل کی گئی ہے جس کو علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں بھی نقل کیا ہے کہ ''دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے تاہم یہ خیال کرکے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف رُوئے خطاب کرکے فرمایا کہ کون ان کا تعاقب کرے گا۔ فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لیے تیار ہوگئی جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ بھی داخل تھے ❷۔'' یہ واقعہ دراصل حمراء الاسد والا واقعہ ہے جس کو آگے بیان کیا جائے گا۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس واقعہ کو حمراء الاسد سے الگ ایک واقعہ (کے طور پر) بخاری کی سند پر بیان کیا ہے۔ حالاں کہ امام بخاری نے یہ واقعہ ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ الخ﴾ (آل عمران ۳: ۱۷۲ تا ۱۷۵) آیات کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ آیات حمراء الاسد تک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریش کے تعاقب میں جانے کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ❸۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہداء کو دفنایا۔''

غزوۂ احد کی بعض تفصیلات طول کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جا رہی ہیں۔ ان تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، زادالمعاد اور دیگر کتب سیرت واحادیث۔

حمراء الاسد (یا غزوۂ حمراء الاسد)

اُحد سے روانہ ہوکر کفار مکہ نے ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ منورہ سے کچھ دور فاصلے پر روحاء کے مقام پر قیام کیا۔ وہاں پر ان کو خیال آیا کہ وہ لوگ جو کچھ انھوں نے سوچا تھا وہ حاصل نہیں کر پائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں پہلے ہی سے مشکوک تھے کہ کہیں

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۰۰، زادالمعاد ابن قیم۔

❷ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۸۴، علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، حصہ اول، ص ۳۸۵ اور ۳۸۶۔

❸ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، حاشیہ علی البخاری، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۸۴۔

نوٹ: علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق پر راقم السطور نے انگریزی والی سیرت کی کتاب میں سیرت النبیؐ اردو، حصہ اول، ص ۳۸۵، ۳۸۴ سے یہ واقعہ نقل کردیا ہے لیکن موجودہ تحقیق جو بعد میں کی گئی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم!

Marfat.com

ان کی نیت خراب نہ ہو جائے (اور مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیں) لہٰذا آپ ﷺ نے اگلے دن (یعنی ۱۶ ر شوال بروز اتوار) صبح کو یہ اعلان کیا کہ آپ ﷺ ان کا تعاقب کریں گے ❶۔ آپ ﷺ نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہی اس تعاقب میں شریک ہو سکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا۔ مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو کسی نہ کسی زخم اور تکلیف میں مبتلا نہ ہو لیکن ان سب نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ندا پر لبیک کہی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے بھی نہ تو سستی ہی کی اور نہ وہ پیچھے رہا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر حمراء الاسد تک آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ گئے اور وہاں قیام فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کا حال سن کر قبیلۂ خزاعہ، جو کہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا لیکن مسلمانوں کا حامی تھا، کا سردار معبد خزاعی اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی خبر سے بے چین ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے مسلمانوں کو کفار مکہ سے مقابلہ کے لیے تیار پایا۔ واپس جا کر وہ ابوسفیان سے روحاء میں ملا جو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ معبد نے اس کو بتایا کہ محمد ﷺ اور مسلمان اس سروسامان اور تیاری سے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے دوسرے حملے کا ارادہ ترک کر دیا اور مکہ واپس چلا گیا ❷۔ رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمان تین روز وہاں مقیم رہے اور اس کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ مؤرخین و سیرت نگاروں نے (ملاحظہ ہو زاد المعاد از ابن قیم) حمراء الاسد تک اس تعاقب کو ایک مستقل غزوہ شمار کیا ہے۔

مدینہ منورہ واپسی:

جب رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ ماتم کدہ بنا ہو

---

❶ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۴۸ تا ۵۱، واقدی (مغازی) جیسا کہ ''برہان'' میں نقل کیا گیا ہے۔ نومبر ۱۹۶۴ء ص ۲۶۵، مضمون از مولوی اسحاق النبی صاحب، ''واقعات سیرت النبویؐ میں توقیتی تضاد اور اس کا حل۔''

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۰۱، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۸، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۵۹، ابن خلدون، تاریخ ج ۲، ص ۲۷۔

Marfat.com

اتھا۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بہت ہی رنج و افسوس تھا۔ شہیدوں کی بیوائیں اور ان کے دوسرے اعزاء ان کی شہادت پر نوحہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوگ منانے والا کوئی نہیں۔'' ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والی عورتیں نہیں۔'' انصار پر ان الفاظ کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے اپنی مستورات سے کہا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی موت پر نوحہ کریں لیکن رسول اللہ ﷺ کا مقصد نوحہ کی اس رسم کو ختم کرنا تھا اس لیے جب انصار کی مستورات آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے یہ کہا کہ آپ ﷺ کا مقصد دراصل اس رسم کو ختم کرانا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا: ''کسی کی موت پر نوحہ و ماتم کرنا، چیخنا چلاّنا اور کپڑے پھاڑنا یہ سب دورِ جاہلیت کی رسوم میں ایک رسم ہے، اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔'' اس وقت سے اس رسمِ بد کا اسلام میں خاتمہ ہوا[1]۔

غزوۂ اُحد اور قرآنِ مجید:

قرآن مجید میں اُحد کا تفصیلی بیان سورۂ آل عمران میں ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق اُحد کے سلسلے میں آل عمران میں ساٹھ آیتیں نازل ہوئی ہیں[2]۔ ان میں سے چند آیات مندرجہ ذیل سطور میں لکھی جا رہی ہیں۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین ساتھیوں کی غداری پر جب کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ اُحد کے موقع پر چھوڑ دیا تھا قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں[3]:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾

(آل عمران ۳:۱۶۶۔۱۶۷)

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۴، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۹۹۔
2. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۱۲۔
3. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۱۸۔

Marfat.com

''اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ وہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوئی اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیے (یعنی آزمالے) اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لے جنھوں نے نفاق کا کام کیا۔ اور ان سے (یعنی منافقوں سے) یوں کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں لڑنے کے لیے آؤ یا (دشمنوں کو) دفع کرو تو وہ (منافق) بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک ترین ہو گئے تھے بہ نسبت ایمان کے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (اپنے دل میں) چھپاتے ہیں۔''

قرآن مجید میں پہلی بار عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق دوست منافقین کی حیثیت سے بیان کیے گئے ہیں۔

ان تیراندازوں کی نافرمانی کے بارے میں جن کو رسول اللہ ﷺ نے درے پر حفاظت کی غرض سے متعین فرمایا تھا کہ دشمن پشت سے حملہ نہ کر سکے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(آل عمران ۳:۱۵۲)

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا تھا جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے اور باہم حکم (ماننے) میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم کو وہ بات دکھلا دی گئی جس کو تم چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض وہ لوگ تھے جو دنیا کو چاہتے تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے اپنی نصرت کو بند کر لیا

Marfat.com

اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں آزمالے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف کر دیا۔ اور (بے شک) اللہ تعالیٰ مومنین کے لیے بڑا فضل والا ہے۔"

کچھ مسلمانوں نے لڑائی میں شدت آنے پر میدان چھوڑ کر اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (آل عمران ۳:۱۵۳)

"وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اور رسول ﷺ تمھارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پاداش میں تمھیں رنج پر رنج دیا تاکہ اس حادثے سے عبرت حاصل کرو (اور) اس چیز پر غم نہ کرو جو ہاتھ سے نکل جائے۔ نہ اس مصیبت پر (غم کرو) جو تم پر نازل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے سب کاموں کی (پوری) خبر رکھتا ہے۔"

اللہ کی کتاب ہمیں اللہ کے ان انعامات کی بھی اطلاع دیتی ہے جو اس موقع پر اللہ نے کیے:

﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (آل عمران ۳:۱۵۴)

"پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے غم و افسوس کے بعد تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (تمھارے دل مطمئن ہو گئے) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی

Marfat.com

تھی لیکن تم میں ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں کی ہی پڑی تھی اور اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون واوہام رکھتا تھا۔ اس گروہ کے لوگ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارے بس کی کیا بات تھی۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! تم ان لوگوں سے کہہ دو، ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملے میں ہمارے لیے (فتح و کامرانی میں سے) کچھ ہوتا تو میدان جنگ میں نہ مارے جاتے، اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی بیٹھے ہوتے، جب بھی جن کے لیے مارا جانا تھا، وہ گھر سے باہر نکلتے اور مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے، اللہ کو منظور تھا کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں چھپا ہوا ہے اس کے لیے تمھیں آزمائش میں ڈالے اور جو کدورتیں تمھارے دل میں پیدا ہو گئی تھیں انھیں پاک وصاف کر دے۔ اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دل میں پوشیدہ ہے۔''

حمراء الاسد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریش کے تعاقب کا قرآن مجید نے مندرجہ ذیل آیات میں حوالہ دیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

(آل عمران ۳:۱۷۲ تا ۱۷۵)

''جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اس کے بعد لبیک کہا کہ انھیں زخم لگ چکے تھے ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری اختیار کی، ان کے لیے ثواب عظیم ہے، لوگوں نے ان سے کہا

کہ تمھارے خلاف (لشکر کثیر) جمع کیا ہے، پس تمھیں ان سے اندیشہ رکھنا چاہیے، اس بات نے ان کا ایمان اور زیادہ کر دیا اور انھوں نے جواب دیا ﴿حسبنا الله ونعم الوکیل﴾ (ہمیں ہمارا خدا کافی ہے اور وہی ہمارا نگہبان ہے) چناں چہ یہ لوگ اللہ کے فضل و نعمت کے ساتھ اس طور پر واپس ہوئے کہ انھیں کوئی گزند نہ پہنچا اور انھوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے تمھیں ڈراتا ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو اس سے نہ ڈرو، صرف اللہ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تسلی دیتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ﴾

(آل عمران۳: ۱۵۵ تا ۱۵۸)

"یقیناً تم لوگوں میں سے جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔ اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے، بڑا حلم والا ہے۔ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر اختیار کیا اور جن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر ان کے بھائی بند سفر میں گئے ہوں یا لڑائی میں مشغول ہو گئے ہوں اور انھیں موت پیش آجائے تو کہنے لگتے ہیں، اگر یہ لوگ گھر سے نہ نکلتے اور ہمارے پاس

Marfat.com

کھ ے رہتے تو کا ہے کو مرتے یا مارے جاتے (حالاں کہ ایک خدا پرست کے در میں ایسا خیال نہیں گزر سکتا۔ اور تمھیں یہ بات اس لیے کہی گئی) تا کہ اللہ اس ات کو منکرین حق کے دامن کے لیے داغِ حسرت بنا دے۔ (یاد رکھو!) اللہ ہی کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے اور اللہ اس سب کو دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور اگر تم اللہ کے راستے مین مارے جاؤ یا مر جاؤ، تو اللہ کی طرف سے ہونے والی مغفرت و رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ (منافقین) کر رہے ہیں۔ خواہ تم خود مر جاؤ یا مارے جاؤ، بہر صورت تمھیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

جنگ اُحد...... مسلمانوں کے لیے ایک بڑا اسبق:

جنگ احد قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو ایک بڑا اسبق دیتی ہے۔ اس میں ہزیمت سے اللہ تعالیٰ دراصل مسلمانوں کے اندر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا کامل یقین پیدا کرانا چاہتا تھا جیسا کہ اور تحریر کردہ اور دیگر قرآنی آیات سے ظاہر ہے۔ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کی تکلیف و خطرات برداشت کیے لیکن پھر بھی آپ ﷺ اپنے منصب نبوت کی ادائیگی میں پوری طرح مستعد رہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے یہ بھی سبق ہے کہ ان کو ہر حالت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پابندی کرنا ہے اور آپ ﷺ کے حکم سے کسی بھی حالت میں روگردانی نہیں کرنی ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ آپ ﷺ کی نافرمانی کا اثر نہ صرف نافرمانوں پر پڑتا ہے بلکہ دوسرے مسلمان بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ اس جنگ میں ہوا۔ قرآن مجید اس سلسلے میں صاف صاف بیان کرتا ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال ۸:۲۵)

"اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انھی لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں گناہوں کے (یعنی نافرمانیوں کے) مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جان رکھو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔"

Marfat.com

جنگ اُحد کے اثرات:

حالاں کہ قریش کو کھلی ہوئی فتح نہ مل سکی جب بھی وہ اس پر مطمئن تھے۔ جو کچھ انھوں نے اس جنگ میں حاصل کیا تھا بالخصوص کچھ ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وہ بہت خوش تھے۔ یہودی اور دوسرے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے بارے میں بہت خوش ہوئے کیوں کہ ان کو اسلام کی ترقی میں خود اپنی نامرادی اور تنزلی نظر آ رہی تھی۔

ڈبلیو مونٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) تحریر کرتا ہے:

''دوسری طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جنگ کا خالص دفاعی نتیجہ کسی بھی اعتبار سے پوری طرح غیر اطمینان بخش نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو تقریباً اہل مکہ کے ہم پلہ کر دکھایا تھا۔ ان کی پیادہ فوج دشمن کی پیادہ فوج کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور تھی۔ مسلمان کو زیادہ نقصان اہل مکہ کے گھڑسوار فوج سے پہنچا تھا۔ مسلمان اتنے غریب تھے کہ گھڑسواروں کا ایک پورا دستہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس کے باوجود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل مکہ کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہے تھے اور اس وقت اسی کی ضرورت تھی[1]۔''

سید اطہر حسین جنگ کے نتیجے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اہل مکہ کو اس کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ تنہا اسلام کو ختم نہیں کر سکتے اس لیے انھوں نے (اس جنگ کے بعد) دوسرے قبیلوں کو (مسلمانوں کے خلاف) ایک متحد مقصد کے تحت اکسانا شروع کیا۔ زیادہ تر قبیلے پہلے ہی سے اسلام کے خلاف تھے۔ وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے جب کہ اسلام اس کے خلاف تھا اور اس نے صرف خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ ان قبیلوں کے لوگوں کا زیادہ تر پیشہ دوسروں پر چڑھائی کرنا اور لوٹ مار کرنا تھا جب کہ اسلام نے ایک منظّم سوسائٹی کی تعلیم دی ہے اور ظلم و تشدد، دوسروں سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور دوسرے ناجائز کاموں سے منع کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ایک ایمان دارانہ زندگی گزارنے کی تعلیم دی ہے۔ قریش مکہ کا اثر کافی دور تک پھیلا ہوا تھا، (عرب کے تقریباً) سب قبیلے ہی سالانہ حج کے موقع پر

[1] W. Montgomery watt: Muhammad Prophet And Statesman P.141

Marfat.com

قریش سے ملتے تھے۔ یہودی بھی (عرب کے) مختلف قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ مسلمانوں کی بدر کے موقع پر قریش پر فتح سے تقریباً سب ہی اعرابی قبیلے متاثر ہوئے تھے لیکن احد میں ان کی ہزیمت سے ان سب نے ہی ہاتھ پاؤں نکالنا شروع کیے جس کے نتیجے میں اس جنگ کے بعد کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں [1]۔"

جنگ احد کے اثرات پر بحث کرتے ہوئے سید امیر علی تحریر کرتے ہیں:

"مصائب سے بھری اس جنگ کا اخلاقی اثر صاف اور فوراً نمایاں ہوگیا تھا۔ اس کے نتیجے میں (مدینہ کے) قریب رہنے والے قبیلوں نے مدینہ پر یورشیں کرنا شروع کر دی تھیں حالاں کہ ان میں سے زیادہ تر محمد (ﷺ) کے مستعد اور پرقوت اقدام کی وجہ سے ناکام رہے۔ جب کہ کچھ دشمن قبیلے مسلمان مبلغوں کو پھسلا کر کہ وہ اسلام قبول کریں گے، تہ تیغ کرنے میں کامیاب ہو گئے [2]۔"

---

1. S. Athar Husain: Prophet Muhammad And His Mission, P.33.
2. Syed Ameer Ali: The Spirit of Islam, P.71

Marfat.com

۳ھ کے متفرق واقعات

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا خمیس بن حذافہ کی ایک بیوہ تھیں۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شادیوں کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ اس دور میں بیواؤں کے مسائل حل کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بیواؤں سے شادی کی۔

(۲) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اسی سال پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۵ رمضان کو ہوئی۔

(۳) مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک مباح تھا۔ اس سال سے اس کو حرام کر دیا گیا اور اس سلسلے میں آیت قرآنی نازل ہوئی۔

(۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔

(۵) وراثت کا قانون کا بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اب ان کے حقوق کی بھی تفصیل بیان کر دی گئی۔

Marfat.com

ہجرت کا چوتھا سال

جنگ احد کے بعد متفرق سرایا وغزوات

بدر میں مسلمانوں کی فتح سے متفرق عرب قبائل کو زبردست دھچکا لگا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک سال تک خاموش رہے۔ حالاں کہ ان کے دل اسلام اور اس کے ماننے والوں کے خلاف غم و غصہ اور نفرت سے بھرے ہوئے تھے۔ کیوں کہ اسلام بتوں کی پوجا کا سخت مخالف تھا۔ قریش کعبہ کے متولی کی حیثیت سے عرب کے قبائل پر اپنا اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ وہ اپنے اس اثر کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ کا دفاع کئی بار متاثر ہوا۔ مدینہ منورہ کو کسی باہری حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے دستے اپنے دفاع کے لیے ادھر ادھر بھیجے تا کہ آس پاس کے دشمن قبائل کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔

سریۂ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ (محرم ۴ھ/ جون ۶۲۵ء)

محرم ۴ھ میں قطان، طلیبہ اور خویلد کے قبائل نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے کوچ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دستہ روانہ کیا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع سن کر دشمن بغیر کسی جنگ کے اپنے اپنے مقامات کو واپس بھاگ کھڑے ہوئے [1]۔

سریۂ ابن اُنیس (۵ محرم ۴ھ/ ۱۷ جون ۶۲۶ء) [2]

قبیلۂ لحیان کے سردار سفیان ابن خالد نے محرم ۴ھ میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۰، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۶۲۔

[2] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۳۔

Marfat.com

کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ کو اس حملے کی مدافعت کے لیے بھیجا۔ ایک معرکہ پیش آیا جس میں حضرت عبداللہ ابن انیس نے سفیان کو قتل کر دیا❶۔ اس سریے کی کامیابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا مبارک بطور اظہارِ مسرت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن انیس کو عطا کیا❷۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۰، محمد زرقانی شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۶۴۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۱، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۶۴۔

Marfat.com

بئر معونہ پر مسلمان مبلغین کا بے رحمانہ قتل

صفر ۴ھ/ جولائی ۶۲۵ء ❶

عرب کے ناخواندہ بت پرستوں نے مسلمانوں کی پرسکون زندگی کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مخالفت اور نفرت کی یہ آگ صرف نجد ہی میں نہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گئی لیکن اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر دشمنی اور عداوت کے اس دبیز پردے کو پھاڑتی چیرتی پھیلتی رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے معلمین مختلف مقامات میں جا کر اسلام کی اشاعت کرتے رہے جس کے نتیجے میں یمن، بحرین اور پورے جزیرۂ عرب کے لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ کبھی کبھی مسلمان مبلغین کو بھی نہیں بخشا گیا اور وہ عرب کے عیار و مکار مشرکین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار بنتے رہے۔

صفر ۴ھ میں قبیلۂ کلاب کے سردار ابو براء عامر ابن مالک الکلابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مبلغین بھیجنے کی درخواست کی تاکہ وہ اس قبیلے میں تبلیغ اسلام کا کام کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں کچھ ہچکچاہٹ ہوئی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کے ناخواندہ لوگوں کی غداری سے واقف تھے لیکن بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان مبلغین کی حفاظت کی طرف سے پورا اطمینان دلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مشن کو بھیجنے کے لیے راضی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷۰ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم ❷ کو اس اہم فریضے کے لیے روانہ کیا۔ راستے میں مبلغین ایک مقام بئر معونہ پر

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۸۳۔ ۱۸۹۔

❷ نوٹ: ابن حزم کے مطابق تعداد چالیس تھی۔ انھوں نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کے مطابق مبلغین کی تعداد ۷۰ تھی۔ ابن حزم، السیرۃ النبویہ مخطوطہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، آزاد لائبریری، ص ۱۲۵۔ تفصیلات کے لیے مزید ملاحظہ ہو۔ الشرح المواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۲، ص ۷۵۔

Marfat.com

ٹھہرے اور حضرت حرام ابن ملحان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دے کر عامر ابن طفیل جو کہ ابو براء کے چچا زاد بھائی تھے اور قبیلے کے ایک سردار بھی تھے کے پاس بھیجا۔ عامر ابن طفیل نے نہ صرف حرام ابن ملحان کو قتل کر دیا بلکہ آس پاس کے قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے مبلغین کو قتل کرنے کے ارادے سے بڑھے۔ اس نے مبلغین کی جائے قیام پر پہنچ کر ایک کے علاوہ سب کو قتل کر ڈالا۔ جو ایک بچے تھے ان کا نام عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ تھا۔ ان کو اس نے یہ کہہ کر جانے دیا کہ میں تجھے اپنی والدہ کی قسم کے عوض آزاد کرتا ہوں [1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس دردناک واقعے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی رنجیدہ ہوئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ جب واپس مدینہ منورہ آرہے تھے تو انھوں نے قبیلۂ بنو عامر کے دو آدمیوں کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا حالاں کہ قبیلۂ بنو عامر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان عطا کر دی گئی تھی۔ اس معاملے کا ہم غزوۂ بنو نضیر کے موقع پر جائزہ لیں گے۔

واقعۂ رجیع (صفر ۴ھ [2] / جولائی ۶۲۵ء)

اسی طرح ایک اور حادثہ مقام رجیع میں پیش آیا۔ قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ معلمین کے بھیجنے کی درخواست کی تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم ابن ثابت رضی اللہ عنہ کی [3] امارت میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس مقصد سے بھیجا۔ جب یہ حضرات رجیع کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر قبیلہ بنو لحیان کے تیر اندازوں نے ان پر حملہ کر دیا اور سعد کو قتل کر دیا۔ ان میں سے تین حضرات عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن طارق، خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ اور دشنہ نے مشرکین کے وعدے پر یقین

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۱۸۵، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، جلد ۲، ص ۷۷، ابن قیم۔ زاد المعاد۔ مسلمان مبلغین کے اس بہیمانہ قتل کے واقعات کی تفصیلات صحیح بخاری اور مسلم میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ (ابن قیم نے زاد المعاد میں نقل کیا ہے کہ کعبؓ ابن زید نجاری بھی اس قتل سے بچ گئے تھے۔ قاتلین آپ کو مقتول سمجھ کر واپس چلے گئے تھے۔ بعد میں حضرت کعبؓ ابن زید جنگ خندق تک حیات رہے اس جنگ میں آپ شہید ہوئے۔)
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۵۔
3. ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۱۶۹، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۵۔

Marfat.com

کیا اور اس پہاڑی پر سے جس پر یہ حضرات ٹھہرے ہوئے تھے نیچے تشریف لے آئے۔ مشرکین نے ان کے ساتھ غداری کی اور ان تینوں کو قیدی بنا لیا۔ جب یہ لوگ مکہ لے جائے جا رہے تھے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن طارق نے شہادت کو غلامی پر ترجیح دی۔ تھوڑی سی ہاتھا پائی کے بعد ظہران کے مقام پر انھوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ باقی دو یعنی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث ابن عامر کے لڑکے نے خرید لیا تا کہ وہ اپنے باپ جو کہ غزوۂ احد میں مارا گیا تھا کی موت کے بدلے میں ان کو قتل کر دے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل سے پہلے ابن حارث سے کہا کہ وہ ان کو دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔ اس نے اجازت دے دی۔ نماز کے بعد وہ ایک مثالی سکون اور مومنانہ شان کے ساتھ شہید ہو گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قریش کے ایک سردار صفوان ابن امیہ نے خرید لیا۔ ان کو قتل کرنے سے پہلے صفوان نے ان سے پوچھا: ''کیا تم اس کو ترجیح دو گے کہ تمھاری جگہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔'' حالاں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ موت کے دروازے پر کھڑے تھے لیکن آپ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اگر میری پوری جان حضرت محمد ﷺ کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے نچھاور ہو جائے جو آپ ﷺ کو کسی کانٹے کے لگنے سے پہنچی ہو تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا[1]۔'' مشرکین یہ جواب سن کر حیران ہو گئے اور انھوں نے اقرار کیا کہ جس طرح محمد ﷺ کے متبعین آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں وہ بے مثال ہے، اس کے بعد انھوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔'' محبت و ایثار کا یہ جذبہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے جو ان شہداء نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر پیش کیا۔

قاصدین اور مبلغین کو قتل کرنا ایک بین الاقوامی جرم ہے جس کی تاریخ نے ہمیشہ مذمت کی ہے لیکن کفار عرب نے اپنی غدارانہ طبیعت کی وجہ سے اس بین الاقوامی قانون کی بھی پروا نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ ان واقعات پر بہت رنجیدہ ہوئے اور آپ ﷺ نے ایک ماہ تک فجر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھی جس میں آپ ﷺ نے ان جابر و ظالم کفار کے لیے بد دعا کی۔

---

[1] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۶۔ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ (مخطوطہ) آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۴، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۷۲۔

Marfat.com

یہود کی ریشہ دوانیاں

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے یہود نواحی مدینہ میں تین مقامات پر رہتے تھے۔ ان میں مشہور قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ یہ لوگ اپنی اپنی قلعہ بند بستیوں میں رہتے تھے۔ شروع میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا استقبال کیا کیوں کہ ان کی مذہبی کتابوں میں نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنے کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جانب سے ان سے ایک معاہدہ بھی کیا تھا جس کی تفصیلات دی جا چکی ہیں۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کے ساتھ امن و آشتی کے ساتھ رہنا تھا۔ اس کے برخلاف انھوں نے خفیہ طور پر ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ان کی سب سے پہلی ناراضگی کا سبب تحویل قبلہ تھا جو قرآن کریم کے حکم کے مطابق بیت المقدس سے مسجد حرام کی طرف منتقل کر دیا گیا تھا۔

اس دور میں یہودیوں کے اندر بہت سی بداخلاقیاں تھیں۔ اس علاقے کے وہ سرمایہ دار تھے اور انھوں نے قرضہ دینے کی ایک بڑی تجارت پورے علاقے میں پھیلا رکھی تھی۔ نہ صرف مدینہ منورہ کی تقریباً پوری آبادی بلکہ آس پاس کے علاقوں کے لوگ بھی ان کے قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔ قرآن کریم کے مطابق سود لینا ان پر حرام تھا لیکن پھر بھی وہ بے انتہا مقدار میں سود لیا کرتے تھے:

﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (النساء۴:۱۶۱)

”اور وہ (یہود) سود لیا کرتے تھے حالاں کہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور وہ (یہود) لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کے لیے جو ان میں کافر ہیں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

Marfat.com

ان کے سود کی مقدار کبھی کبھی اتنی زیادہ ہوتی تھی جس کو قرض دار اکثر ادا کرنے سے قاصر رہتے تھے اور پھر اپنے بچوں یہاں تک کہ بیویوں تک کو ضمانت کے طور پر ان کے پاس رکھنا پڑتا تھا۔ ان میں کے بااثر لوگ اکثر زنا میں ملوث ہوتے تھے لیکن ان کو خود یہودیوں کے قانون کے مطابق سزا نہیں دی جاتی تھی۔ ان کے مقابلے میں جب ان میں کا کوئی عام آدمی زنا میں مبتلا ہوتا تھا تو وہ یہودی قانون کے مطابق سزا پاتا تھا۔ اسلام کے اندر ان کو یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ طرزِ عمل ختم ہوتا ہوا نظر آیا اور انھوں نے اس کا اندازہ لگا لیا کہ اب ان کی ذاتی منفعتیں اور اغراض زیادہ عرصے تک لوگوں کا خون چوسنے کے لیے نہیں پنپ سکتیں۔ مزید برآں اسلام کی اشاعت میں ان کو اپنی مذہبی قیادت گرتی ہوئی نظر آئی۔ مختلف غزوات و سرایا میں انصار کو جو فتوحات ملی تھیں ان کے ذریعے انھوں نے اپنے آپ کو یہودیوں کے بھاری قرضے سے آزاد کرانا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات بھی سرمایہ دار یہودیوں کو پسند نہیں تھی، کیوں کہ اس سے ان کا سودی کاروبار کافی متاثر ہوا تھا۔

نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں نے کئی بار اس معاہدے سے بھی کھلم کھلا غداری کی جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے درمیان ہوا تھا۔ قرآن کریم نے ان کی اس غداری کا پول بار بار کھولا۔ اس وجہ سے وہ بہت زیادہ برہم ہو گئے تھے اور انھوں نے آنحضور ﷺ کو نقصان پہنچانے اور آپ ﷺ کی دل آزاری کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو استقامت و صبر کی تلقین کی:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (آل عمران ۳:۱۸۶)

”البتہ تم آئندہ اپنے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور ضرور ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے بہت سی باتیں دل آزاری کی سنو گے اور مشرکین سے بھی اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ بڑے مرتبہ کے کاموں میں سے ہے۔“

یہود کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب کبھی وہ آپ ﷺ کو سلام کرتے تو بجائے ”السلام علیکم“ کے ”السام علیک“ (یعنی تجھ کو موت آئے)

Marfat.com

کہتے تھے ❶۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سن کر ناراض ہوئیں اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''نرمی سے کام لو'' آپ ﷺ نے ہمیشہ ان کے ساتھ نرمی و رحم دلی کا برتاؤ کیا اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا نہ صرف یہ بلکہ آپ ﷺ نے ان معاملات میں جن میں صاف صاف ہدایت خداوندی نہیں آئی تھی اصل کتاب کی اتباع کی ❷۔اسی رعایت کے پیش نظر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ (المائدہ ۵:۵)

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور وہ کھانا بھی تم کو حلال ہے جو اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔''

ان تمام مہربانیوں اور خوش خلقیوں کا جواب ان کی طرف سے نفی و انکار میں دیا گیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے مشرکین کو مسلمانوں سے بہتر بتایا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ (النساء۴:۵۱)

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے (پھر اس کے باوجود) وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ راہِ راست پر ہیں۔''

یہودیوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انھوں نے مدینہ کے دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کو جو کہ آنحضور ﷺ کی آمد سے قبل ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے اور آپ ﷺ کی آمد سے متحد ہو گئے تھے دوبارہ ایک دوسرے کے خلاف اکسایا۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں اوس و خزرج دونوں قبائل کے لوگ جمع تھے کچھ یہودی آئے اور انھوں نے جنگ بعاث کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ مشہور جنگ ہے جو قبل از اسلام اوس و خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ یہودیوں نے ان دونوں قبائل کے

❶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۳۹۸، مزید ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔

❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس۔

Marfat.com

لوگوں کو پرانی دشمنی یاد دلائی جس کے نتیجے میں اس مجلس کے اندر دشمنی کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور تلواریں میان سے باہر نکل آئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ فوراً وہاں تشریف لائے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرائی۔ اس موقع پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی❶:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ﴾ (آل عمران۳:۱۰۰)

''اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے کسی فریق کا کہنا مانو گے تو وہ لوگ تم کو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں گے۔''

عبداللہ بن ابی کی قیادت میں مدینہ کے منافقین بھی یہود کے ساتھ ان ریشہ دوانیوں میں شریک ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی نے یہود کے قبیلہ بنو نضیر نیز دوسرے یہودی قبائل کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کیں❷۔ وہ بنو قینقاع کے ساتھ مل کر پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست سازش کر چکا تھا جس کے نتیجے میں بنو قینقاع کو شوال 2ھ میں مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کی تفصیلات بھی پہلے درج کی جا چکی ہیں۔

خاص طور پر سردارانِ یہود کا رویہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بہت ہی معاندانہ تھا۔ ان سرداروں میں سے ایک مشہور شاعر کعب بن اشرف بھی تھا جو ایک بڑا تاجر تھا اور بنو نضیر کا حلیف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی کے نتیجے میں اس نے آپ ﷺ کے قتل کی کئی سازشیں کی تھیں۔ ان سازشوں کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کرنے کے احکامات جاری کیے تھے اور وہ قتل کر دیا گیا تھا❸۔ کعب بن اشرف کا خسر ابو رافع بھی اپنی غداری کی وجہ سے قتل کرا دیا گیا تھا۔

حالاں کہ یہود کا ایک قبیلہ بنو قینقاع اپنی غداریوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور ان کے دو بڑے سرداروں کو سزائے موت دی جا چکی تھی لیکن پھر بھی یہود نے ان

❶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج۱، ص۴۰۲۔

❷ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج۱، ص۴۰۷۔

❸ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج۱ص۴۰۷۔

Marfat.com

واقعات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور اپنی غداریوں میں نیز مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ اسی قسم کی ایک اور سازش وغداری یہودیوں کے ایک اور قبیلہ بنونضیر نے کی جس کو یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

غزوۂ بنونضیر (ربیع الاول ۴ھ/ اگست ۶۲۵ء)

بئر معونہ پر پیش آنے والے حادثے کے سلسلے میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ نے دھوکے سے قبیلہ بنو عامر کے دو لوگوں کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان یہود کے قبیلۂ بنونضیر کو شامل کر کے قبیلہ بنو عامر کے حلیف تھے۔ معاہدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو ان دو مقتولین کا خون بہا ادا کرنا تھا۔ اس رقم کا ایک حصہ بنونضیر کو بھی دینا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ دس آدمیوں کے ہمراہ جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل تھے بنونضیر کے پاس گئے تاکہ خون بہا کی رقم کے سلسلے میں ان سے گفت وشنید کریں [1]۔ انھوں نے ظاہری دوستی اور خوش خلقی سے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور آپ ﷺ کو ایک اونچی دیوار کے نیچے بٹھایا۔ وہ بظاہر اپنا حصہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے مگر خفیہ طور پر ایک یہودی عمرو ابن جحش کو دیوار پر چڑھایا اور پتھر کی ایک بڑی سل آپ ﷺ پر گرانے کا ناپاک ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا اور آپ ﷺ مزید گفتگو کیے بغیر فوراً مدینہ منورہ واپس چلے آئے [2]۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ دراصل بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا یہ منصوبہ قریش کے ساتھ مل کر بنایا تھا [3]۔ اس کے علاوہ بنونضیر کعب بن اشرف کے قتل کا بدلہ بھی لینا چاہتے تھے جو کہ ان کا حلیف تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہود کے اس غدارانہ برتاؤ سے زبردست دھچکا لگا۔ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہلوایا کہ آپ ﷺ ۳۰ آدمیوں کے ساتھ دوبارہ تشریف لائیں اور ان کے مذہبی رہنماؤں سے گفت وشنید کریں۔ اگر انھوں نے آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کو قبول کر لیا تو وہ لوگ آپ ﷺ کو نبی مان لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس سلسلہ میں معاہدہ

---

[1] محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۸۰۔

[2] محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۸۱۔

[3] ایضاً۔

Marfat.com

کرنے کو بھی کہا لیکن وہ معاہدے کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ بنوقریظہ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ یہودیوں کا تیسرا بڑا قبیلہ تھا جو اطراف مدینہ میں رہتا تھا، آپ ﷺ نے ان سے پرانے معاہدہ کے تجدید کی پیش کش کی۔ انھوں نے اس بات کو قبول کرلیا اور ایک نیا معاہدہ وجود میں آیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے بنونضیر سے دوبارہ تجدید معاہدہ کے لیے کہلوایا اور بنوقریظہ کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دی لیکن انھوں نے تجدید معاہدہ سے پھر انکار کردیا اور کہلوایا کہ آپ ﷺ تین آدمیوں کے ساتھ آئیں اور ہمارے تین مذہبی رہنماؤں سے گفتگو کریں۔ رسول اللہ ﷺ اس بات پر راضی ہو گئے لیکن جب آپ ﷺ قبیلہ بنونضیر تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کی یہودیوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ جیسے ہی آپ ﷺ ان کے قلعے میں پہنچیں آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے [1]۔ اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور محمد ابن مسلمہ سے مندرجہ ذیل پیغام کہلوا بھیجا:

”اے بنونضیر! میرے شہر کو چھوڑ دو۔ میرے خلاف قتل کی سازش کر کے تم نے اس معاہدے کو توڑ دیا ہے جو میرے اور تمھارے درمیان تھا، میں تمھیں صرف دس دن کی مہلت دیتا ہوں [2]۔“

بنونضیر انتہائی مغرور اور شر پسند تھے۔ وہ ایک بہت ہی مضبوط قلعے میں رہتے تھے جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ ان کو قریش کی پشت پناہی حاصل تھی اور وہ برابر ان کو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اکسا رہے تھے، اس کے علاوہ منافقین مکہ بھی عبداللہ ابن ابی کی قیادت میں ان کی مدد کر رہے تھے۔ عبداللہ ابن ابی نے دو قاصدوں کے ذریعے ان کو یہ پیغام بھجوایا کہ وہ اپنے علاقے کو ہرگز خالی نہ کریں۔ اور بنوقریظہ اور دیگر منافقین ان کے ساتھ ہیں۔ قرآن مجید نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ

[1] فتح الباری (غزوۂ بنونضیر، ج ۷، ص ۲۵۵، ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ، آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۶۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۷۔

Marfat.com

قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (الحشر ۵۹:۱۱)

''کیا آپ ﷺ نے ان منافقین (یعنی عبداللہ ابن ابی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے جو کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنونضیر سے) کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمھارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمھارے معاملے میں ہم کسی کا کبھی کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

کچھ یہودیوں نے خیبر جانے کا منصوبہ بنایا مگر ان کے سرداروں نے بالخصوص حی ابن اخطب نے ان کو اس سے روک دیا اور یہ طے کیا کہ وہ اپنے آپ کو قلعہ بند کرلیں، رسول اللہ ﷺ نے تقریباً ۱۵ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور اس دوران فوج کا راستہ صاف کرنے کے لیے آپ ﷺ نے کھجور کے باغات کے کچھ پیڑ بھی کٹوائے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سہیلی کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب پیڑ نہیں کاٹے گئے تھے بلکہ صرف لِناب نام کی کھجور کے پیڑ کاٹے جاتے تھے جو عربوں میں عام طور سے کھانے کے لیے استعمال ہوتی تھی [1]۔

قرآن مجید نے اس واقعے کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اللہ کے حکم سے یہ پیڑ کٹوائے تھے:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (الحشر ۵۹:۵)

''جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جگہ پر کھڑا رہنے دیا سو (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تاکہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔''

علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے سیرت نگار نیز دیگر علما اس پر متفق ہیں کہ محاصرے کو پورا کرنے کے لیے جنگی نقطۂ نظر سے ان پیڑوں کا کٹوانا نہایت ضروری تھا۔ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق دورانِ جنگ اگر اس کا خطرہ ہو کہ دشمن پیڑوں کے پیچھے چھپ سکتا ہے یا پناہ لے سکتا ہے تو کٹوا دینا (یا جلا دینا) درست

[1] عبدالرحمان سہیلی، الروض الانف، ج۲، ص ۱۷۷، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج۲، ص ۸۱۔

Marfat.com

ہے ❶۔ موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ بم باری کے نتیجے میں نہ صرف ہزاروں بے گناہوں کا قتل ہوتا ہے، سیکڑوں عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں بلکہ ہزاروں ایکڑوں پر مشتمل کھڑی فصلیں اور باغات آن واحد میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور پھر زمین برسوں تک زراعت کے قابل نہیں رہتی۔ رسول اللہ ﷺ کا اللہ کے حکم سے کھجور کے باغات کے کچھ پیڑوں کا کٹوا دینا یقیناً جنگی نقطۂ نظر سے ضروری تھا، جس کو موجودہ جنگی اصول تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے۔

نہ تو منافقین مکہ اور نہ ہی بنو قریظہ بنو نضیر کی کچھ مدد کر سکے۔ بالآخر آپ ﷺ سے انھوں نے اس شرط پر مدینہ چھوڑنے کی اجازت چاہی کہ وہ اپنے ساتھ جو کچھ سامان لے جا سکیں لے جا سکتے ہیں اور یہ کہ ان کی جان بخش دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے ان کی ان شرائط کو قبول کر لیا اور وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لے جا سکتے تھے لے گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ اور ان کے کچھ سردار خیبر چلے گئے جو کہ اس زمانے میں عرب میں یہودیوں کا سب سے مضبوط گڑھ تھا۔ باقی لوگ شام اور اس کے اطراف میں جا بسے حالاں کہ وہ جلاوطن ہو رہے تھے لیکن تب بھی انھوں نے ایک شان دار جلوس نکالا اور گاتے ہوئے ڈھول بجاتے ہوئے گئے۔ مسلمانوں کو مال غنیمت میں ۵۰ زرہ بکتر، ۵۰ خود، ۳۴۰ تلواریں اور ان کے باغات اور زمینیں ملیں۔ اس پورے واقعے کو قرآن کریم نے ایک الگ سورۃ ''سورۂ حشر'' میں بیان کیا ہے۔

غزوۂ بدر ثانی (رجب ۴ھ / دسمبر ۶۲۵ء)

بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ انھوں نے اس میں کاشت کاری کی، رجب ۴ھ (ابن ہشام کے مطابق ماہ شعبان) میں رسول اللہ ﷺ کو ایک قریش نعیم کے ذریعے اطلاع ملی کہ ابو سفیان اس سال بدر پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے ❷۔ ابو سفیان جب احد سے واپس لوٹ رہا تھا تو اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ اگلے سال بدر پر دوبارہ چڑھائی کرے گا۔ مدینہ منورہ کے منافقین نے اس کو اس کا اعلان یاد دلایا لیکن اس نے

---

❶ عمدۃ القاری۔ ج ۲، ص ۱۹۱، جیسا کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں نقل کیا ہے۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۲۰۹ تا ۲۱۱، مزید ملاحظہ ہو، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۹۳۔

نوٹ: ابن حزم نے شعبان ۲ھ لکھا ہے ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہؐ از ابن حزم، مخطوطہ۔ آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۸۔

Marfat.com

مدینہ پر حملہ نہیں کیا بلکہ نعیم نامی ایک شخص کو دس اونٹوں کے انعام کے وعدہ پر مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں میں ابوسفیان کی تیاریوں اور متوقع حملے کی افواہ پھیلائے (1)۔ حالاں کہ مسلمان اس سال مختلف جنگوں کے نتیجے میں کافی تھک گئے تھے لیکن احتیاطی اقدام کے تحت رسول اللہ ﷺ نے دوسری بار پھر بدر کے مقام پر ابوسفیان سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ (2) کو اپنی غیر موجودگی میں مدینہ کا امیر مقرر کیا اور پندرہ سو مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر کو لے کر بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم بردار تھے۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر ابوسفیان کے سامنے مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا۔ چنانچہ وہ دو ہزار کفار کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوا۔ اصفان (مکہ مکرمہ اور بدر کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر اس کو مسلمانوں کے لشکر کی صحیح تعداد کا علم ہوا۔ وہ بدر اور احد کے غزوات میں مسلمانوں کے چھوٹے لشکروں کی دلیری اور جان بازی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے وہ پندرہ سو مجاہدین سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اور اس بہانے سے مکہ واپس لوٹ گیا کہ چوں کہ اس سال مکہ میں قحط سالی تھی اس لیے وہ ضرورت کے مطابق سامان رسد اپنے ساتھ نہیں لا سکا، رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مقام پر اس کا آٹھ دن انتظار کیا اور پھر شعبان ۴ھ (نومبر ۶۲۵ء) میں ہی مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ مفسرین کے مطابق سورۂ آل عمران کی آیات ۱۷۱ تا ۱۷۴ اس موقع پر نازل ہوئیں جب کہ ایک دوسرے بڑے طبقے کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات غزوۂ حمراء الاسد سے واپسی میں نازل ہوئی تھیں۔ یہ غزوہ جنگ احد کے فوراً بعد پیش آیا تھا جس میں آپ ﷺ نے بھاگتے ہوئے قریش کا پیچھا کیا تھا۔

اس غزوہ کو بدر الصغریٰ یا بدر الآخر بھی کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں بدر کے مقام پر ایک میلہ بھی لگتا تھا۔ اس میں مسلمانوں نے خرید و فروخت کی اور کافی نفع کمایا (3)۔

---

(1) اکبر شاہ خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۱۸۳، غلام سرور Muhammad, The Holy Prophet، ص ۲۲۵ تا ۲۲۷۔

(2) یہ واقدی کے مطابق ہے۔ کچھ مؤرخین مثلاً ابن اسحاق وغیرہ کا کہنا ہے کہ عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی ابن سلول کو اپنی غیر موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا امیر بنایا تھا۔ ملاحظہ ہو: ''البدایہ والنہایہ'' از ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۷ تا ۸۹۔

(3) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۰۔

Marfat.com

۴ ھ کے متفرق واقعات

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی سال ماہِ شعبان میں پیدا ہوئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ اس سال شوال کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا عبدالسلام المخزومی کی بیوہ تھیں۔ کچھ مؤرخین کے مطابق شراب کی حرمت بھی اسی سال نازل ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسید اور عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن عثمان (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے) نے بھی اسی سال وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر ملکی خط و کتابت کے لیے ایک کاتب کی ضرورت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن ثابت کو عبرانی اور سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان زبانوں میں باہر سے آنے والے خطوط کا ترجمہ کر سکیں اور ضرورت پڑنے پر ان زبانوں کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات بھی دوسرے ممالک کو پہنچا سکیں۔

Marfat.com

ہجرت کا پانچواں سال

غزوۂ ذات الرقاع

(محرم ❶ ۵ھ / جون ۶۲۶ء)

قریش اور یہود نے مدینہ منورہ اور مکہ کے درمیان تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف دل کھول کر بھڑکایا جس کے نتیجے میں بہت سے قبائل مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق تیاریاں شروع کر دیں۔

۵ھ کے شروع میں غطفان، انمار اور ثعلبہ قبیلوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک مشترکہ لشکر تیار کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار سو ❷ جاں باز صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ اور ۱۰ محرم ۵ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتِ الرقاع کے مقام پر ان کو اچانک جا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دیکھ کر وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمان معمولی مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۶۱، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۵۶۔

نوٹ: ابن اسحاق کے مطابق یہ غزوہ ربیع الآخر اور جمادی الاول کے مہینوں میں ۴ھ میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو شرح المواہب اللدنیۃ از محمد زرقانی، ج ۲ ص ۸۶ تا ۹۲، تاریخ الرسل والملوک، از ابن جریر طبری، ج ۲، ص ۵۵۵۔ زرقانی نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق یہ غزوہ محرم ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سلسلے کی مزید روایتیں زرقانی کی مذکورہ بالا کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

❷ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۸۹۔

نوٹ: شرح المواہب کی ایک روایت کے مطابق اس غزوے میں شریک ہونے والے صحابہؓ کی تعداد ۷۰۰ تھی، ج ۱۲، ص ۸۹۔

Marfat.com

صحیح بخاری کے مطابق یہ غزوہ جنگ خیبر کے بعد پیش آیا تھا❶ مگر زیادہ تر مؤرخین اس سے متفق نہیں ہیں۔

غزوۂ دُومۃ الجندل (ربیع الاول❷ ۵ھ/ اگست ۶۲۶ء)

ربیع الاول ۵ھ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ شمالی جزیرۂ عرب کے دومۃ الجندل کے کفار قبائل مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج جمع کر رہے ہیں یہ گرمی کا مہینہ تھا اور گرمی میں ریگستانی سفر ایک کٹھن کام تھا۔ اس سے قبل زیادہ تر بڑے بڑے غزوات جاڑے کے موسم میں پیش آئے تھے۔ ناسازگار اور تکلیف دہ موسم کے باوجود مسلمانوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں کچھ پس و پیش نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ ایک ہزار❸ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دومۃ الجندل کے لیے روانہ ہو گئے، مسلمان رات میں سفر کرتے تھے اور شاید گرمی کی وجہ سے دن میں آرام کرتے تھے، دس منزلیں طے کرنے کے بعد آپ ﷺ نے دومۃ الجندل پر قیام کیا۔ یہ جگہ بحر احمر اور خلیج فارس کے بیچ میں واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کا حال سن کر دشمن دومۃ الجندل کے گورنر کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس لوٹ رہے تھے تو ایک عرب سردار عیینہ ابن حصن نے اپنے جانور مدینہ منورہ کے قریب چرانے کی اجازت رسول اللہ ﷺ سے چاہی۔ نبی رحمت ﷺ نے خوش دلی سے اس کو اجازت مرحمت فرمادی❹۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ ذات الرقاع۔

❷ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۶۴، ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۹، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۹۵۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۲، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۹۵۔

❹ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۶۴۔

Marfat.com

غزوۂ بنو مصطلق یا مریسیع

(شعبان ❶ ۵ ھ، دسمبر ۶۲۶ء/ جنوری ۶۲۷ء)

قبیلۂ بنو مصطلق قبیلۂ بنوخزاعہ کی ایک شاخ تھا۔ بنوخزاعہ قریش کے حلیف تھے۔ یہ غالباً قریش کا اشارہ تھا کہ بنو مصطلق کے سردار حارث ابن ضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کی۔ ان کی تیاری کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملے کی مزید تحقیقات کے لیے حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن خصیب کو بھیجا۔ وہ مدینہ واپس آئے اور اس خبر کو درست بتایا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کے اقدامات کو روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ اور مریسیع کے مقام پر پہنچے جو بنو مصطلق کے پاس ہے۔ قبیلۂ حارث کے لوگ تو بھاگ نکلے البتہ مریسیع کے باشندوں نے لڑائی کا قصد کیا۔ تھوڑی دیر کی معمولی جنگ کے بعد دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں بنو مصطلق کے دس آدمی مارے گئے اور ایک مسلمان نے بھی شہادت پائی۔ مسلمانوں نے کفار کے چھ سو آدمیوں کو قید کر لیا۔ مال غنیمت ❷ کے طور پر مسلمانوں کو دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ملیں۔ قیدیوں اور مال غنیمت کو مدینہ لایا گیا۔ گو کہ یہ لڑائی ایک معمولی قسم کی جھڑپ تھی لیکن پھر بھی اس دوران کچھ خاص قسم کے واقعات رونما ہوئے جن کا یہاں پر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ابن ہشام، ابن عبدالبر، ابن خلدون اور طبری وغیرہ کے مطابق یہ غزوہ شعبان 6 ھ میں پیش آیا ❸ ہم نے یہاں پر ابن سعد اور ابن قیم الجوزی کا قول لیا ہے جس کو علامہ شبلی نعمانی نے بھی

❶ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۳ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۶۔

❷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۴ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۶۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۸۹، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۰۴، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۰، ابن خلدون، ج ۲، ص ۷۸۱۔

Marfat.com

اختیار کیا ہے۔ ابن قیم الجوزی نے اپنے قول کی تائید میں کئی دلائل پیش کیے ہیں ❶۔

اس غزوہ کے ذیل میں مندرجہ ذیل واقعات اہم ہیں:

(الف) عبداللہ ابن اُبی کی شرارت:

عبداللہ ابن ابی جو منافقوں کا سردار تھا ہمیشہ اس تاک میں لگا رہتا تھا کہ اس کو کوئی ایسی بات ہاتھ لگ جائے جس سے وہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرا سکے۔ وہ اور اس کے متبعین مختلف غزوات وسرایا میں محض اس لیے شریک ہوئے تھے کہ فتح یاب ہونے پر ان کو مال غنیمت ملے گا، اور ان مہموں کے دوران ان کو فتنہ اور شر وفساد پھیلانے کے مواقع بھی میسر آئیں گے۔ اس غزوہ کے دوران ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان چشمے سے پانی لینے پر کچھ معمولی سی تکرار ہوگئی۔ مہاجر نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو اور انصاری نے انصار دوستوں کو مدد کے لیے پکارا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ ہو کر لڑائی پر آمادہ ہو گئے لیکن پھر کچھ مسلمانوں نے بیچ میں پڑ کر لڑائی کو روک دیا۔ عبداللہ بن ابی نے موقع کو غنیمت سمجھا اور انصار سے کہنے لگے تم نے خود ہی یہ مصیبت مول لی ہے۔ ہم مہاجرین کو اپنی سرزمین سے باہر نکال دیں گے اللہ کی قسم ہمارا اور ان کا معاملہ اس مثل کی طرح ہے: سمّن کلبک یا کلک یعنی ''اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ وہ تجھی کو کھا جائے ❷''۔

یہ باتیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت موجود تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ عبداللہ ابن ابی کا سر قلم کر دیں مگر آپ ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے روکا۔ اور فرمایا: ''کیا تم یہ پسند کرو گے کہ لوگ کہیں: محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں ❸۔ عبداللہ ابن ابی کا لڑکا ایک اچھا

❶ زاد المعاد، ج ۳، (غزوۂ مریسیع)

نوٹ: امام بخاری نے ایک روایت موسیٰ ابن عقبہ کی نقل کی ہے جس کے مطابق یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ بنی مصطلق۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۸۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۰۵۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۹۱، ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۰۶، صحیح بخاری، جیسا کہ محمد زرقانی نے نقل کیا ہے۔ شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۲۰۱۔

Marfat.com

مسلمان تھا اور وہ اپنے والد کے نفاق سے واقف تھا۔ وہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے والد کا سر قلم کرنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ جب عبداللہ ابن ابی کو مسلمانوں کے غصہ و ناراضگی کا علم ہوا تو وہ قسم کھا کر اپنے قول سے پھر گیا جس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

(منافقون ۶۳:۸)

"اور یہ لوگ (منافقین) کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ اور (یہ کہنا جہل محض ہے، بلکہ) عزت تو اللہ ہی کے لیے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافقین (اس حقیقت سے) واقف نہیں ہیں۔"

(ب) رسول اللہ ﷺ کا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث سے نکاح:

مدینہ منورہ پہنچنے پر مسلمانوں نے شریعت کے مطابق مال غنیمت تقسیم کیا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی صاحب زادی تھیں اور جنگی قیدیوں میں سے تھیں۔ وہ ایک انصاری حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ابن قیس [1] کے حصے میں آئیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ان سے درخواست کی کہ وہ فدیے کے بدلے ان کو رہا کر دیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ ان کے والد فدیے کی رقم ادا کریں گے۔ اس معاملے کو لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کی مدد کی خاطر حاضر ہوئیں۔ دوسری طرف حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کے والد حارث بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ وہ اپنی لڑکی کو باندی بنانا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کو آزاد کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۹۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۱۰۔

Marfat.com

کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا پر چھوڑ دیا۔ اسی دوران حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خود ہی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپ ﷺ سے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ابن قیس کی عائد کردہ رقم فدیہ کو ادا کرنے کے لیے مدد کی درخواست کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اس سے بہتر معاملہ پسند کرو گی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے فدیے کی رقم اپنے پاس سے ادا کردوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔'' حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی پیش کش قبول کر لی ❶ اس کے بعد حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ بعد میں انھوں نے اپنے والد کو بھی مطلع کر دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کر لیا ہے ❷۔

بعد میں بنو مصطلق کے سردار حارث یعنی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد نے بھی اسلام قبول کر لیا ❸۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم ہوا تو انھوں نے بنو مصطلق کے جنگی قیدیوں کو جو کہ شریعت کے مطابق غلام بنا لیے گئے تھے رہا کر دیا اور مال غنیمت بھی واپس کر دیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سسرال والوں کو غلام نہیں بنائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر یہ فرمایا: ''مجھے جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی عورت ایسی نہیں ملی جو اپنی قوم کے لیے اتنی زیادہ باعث رحمت ثابت ہوئی ہو ❹۔''

(ج) واقعۂ افک ❺:

اس غزوے سے واپسی کے موقعے پر منافقین کو عبداللہ ابن ابی کی سرکردگی میں ایک اور موقع ہاتھ آیا اور انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا جس کی تفصیل اس طرح ہے:

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۷، ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۲۹۴، ۲۹۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۱۰۔ مزید ملاحظہ ہو: سنن ابی داؤد۔

❷ ابن سعد، الطبقات، ج ۸، ص ۱۱۸، مزید ملاحظہ ہو۔ الاصابہ، از ابن حجر۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۲۹۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۱۰۔

❹ ایضاً۔

❺ ملاحظہ ہو السیرۃ النبویۃ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۹۷ تا ۳۰۵، تاریخ الرسل والملوک از ابن جریر طبری، ج ۲، ص ۶۱۰ تا ۶۱۹، شرح المواہب اللدنیۃ از محمد زرقانی، ج ۲، ص ۹۸ تا ۱۰۱۔

Marfat.com

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرنے کی خاطر لشکر کے پیچھے رہ گئی تھیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم غزوۂ بنو مصطلق کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے، اس زمانے میں مستورات اونٹ کے اوپر ایک محمل (پردوں والے ہودج) میں سوار ہوا کرتی تھیں اس لیے لشکر کی روانگی کے وقت کسی کو اس بات کا اندازہ نہیں ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہا محمل میں تشریف فرما نہیں ہیں کیوں کہ آپ رضی اللہ عنہا ہلکی پھلکی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن معطل کو اس کام پر مامور فرمایا تھا کہ وہ لشکر کی روانگی کے بعد جائے قیام پر گری پڑی چیزوں کو اٹھا کر لشکر میں شامل ہو جائیں۔ اس موقع پر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا، چنانچہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے آئے۔ منافقین موقع کی تلاش میں لگے ہی رہتے تھے تاکہ ان کو رسول اللہ ﷺ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کا بہانہ ہاتھ لگے۔ انھوں نے اس واقعے کا فائدہ اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کے اوپر بہتان تراشیاں شروع کر دیں جس سے کچھ سادہ لوح صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ میں جب ان افواہوں کا علم ہوا تو وہ سناٹے میں آ گئیں اور رنج وغم میں مسلسل رونا شروع کر دیا۔ اسی حال میں وہ اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر چلی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی یہ معاملہ انتہائی سخت اور سنگین تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خاموشی اختیار کی اور اس واقعے پر صبر کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے صرف یہ فرمایا: ''میں جانتی ہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ میرے معاملے میں ناانصافی نہیں کرے گا۔'' ان کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو بری کر دے گا۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اللہ نے مندرجہ ذیل آیتیں ان کی برأت میں نازل فرمائیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ﴾ (النور ۲۴:۱۱،۱۲)

''جن لوگوں نے یہ بہتان (حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت) باندھا ہے (اے مسلمانو) وہ تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ تم اس (بہتان باندھنے) کو اپنے حق میں برا مت سمجھو بلکہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا جس کسی نے کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس

نے اس (بہتان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے آپس والوں کے لیے نیک گمان کیوں نہیں کیا اور زبان سے یوں کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔''

جو لوگ اس بہتان میں علی الاعلان شریک تھے اور جنھوں نے علانیہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام عائد کیا تھا ان کو شریعت کے مطابق ۸۰ کوڑے مارے گئے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اس حکم کو نافذ کرتی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾

(النور۲۴:۴)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو ۸۰ دُرّے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں۔''

آیات برأت کے نزول کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت خوشی خوشی اپنے گھر تشریف لائیں۔ انھوں نے اس معاملے میں بے مثال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو صدیقہ کا لقب عطا کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔

Marfat.com

غزوۂ احزاب یا جنگ خندق

(شعبان/ ذی قعدہ ۵ھ، فروری/ مارچ ۶۲۷ء)

(الف) یہود کا عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا:

نبی اکرم ﷺ نے کفار کے خلاف مسلسل غزوات کر کے ان کو پسپا کر دیا یہاں تک کہ مدینہ بظاہر حملوں سے آزاد ہو گیا۔ اب مسلمان خوش تھے۔ مال غنیمت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کی زمینوں میں انھوں نے کاشت کاری شروع کر دی اور اچھی فصلوں سے مالا مال ہوئے لیکن جنگ وجدال سے اطمینان وسکون کا یہ وقفہ بہت ہی کم دنوں تک باقی رہا۔

بنو نضیر اگرچہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن انھوں نے محمد ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت پھیلانے میں اپنی پوری کوشش جاری رکھی۔ ان کے سردار مکہ گئے اور انھوں نے اسلام دشمن قریشیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا❶۔ اسی طرح وہ لوگ بنو غطفان کے پاس بھی گئے۔ یہودیوں کے ان بڑے سرداروں کے نام یہ ہیں: سلام بن ابی حقیق، حی بن اخطب، کنعانہ بن ربیع وغیرہ❷۔ انھوں نے بنو غطفان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی خیبر کی پیداوار کا آدھا حصہ انھیں مدینہ پر حملے کے بدلے میں دے دیں گے۔ بنو غطفان نے اپنے حلیف بنو اسد کو اور قریش نے اپنے حلیف بنو سلیم کو اس ناپاک مقصد کے لیے آمادہ کیا نہ صرف یہ بلکہ یہودی ایجنٹ پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گئے اور انھوں نے تمام یہود اور کفار پر مشتمل ایک مشترکہ محاذ اسلام

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۱۴، ۲۱۵، ابن سعد حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۶۵، ۶۶، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۶۵۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۴۔

Marfat.com

اور مسلمانوں کے خلاف تیار کیا۔ انتہائی خفیہ طریقے پر انھوں نے اپنا یہ مشن جاری رکھا یہاں تک کہ مسلمانوں کو اس کی بالکل اطلاع نہ ہو سکی۔ یہود نے مشرکین عرب سے کہا کہ وہ اسلام پر ان کے مذہب کو ترجیح دیں گے اور محمد ﷺ اور اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہے گا جیسا کہ قرآن کریم نے اس کا انکشاف ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا﴾ (النساء۴:۵۱، ۵۲)

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے (پھر اس کے باوجود) وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہیں پاؤ گے۔''

کفار نے جنگ کے لیے کافی سرمایہ جمع کیا۔ چوں کہ یہودی عرب میں سب سے مال دار تھے اس لیے انھوں نے اس سرمایہ کا وافر حصہ فراہم کیا۔ یہودیوں اور قریش کے علاوہ مندرجہ ذیل قبائل نے اس جنگ میں حصہ لیا:

غطفان، بنو مرہ، بنو فزارۃ، اشجع، بنو سلیم، بنو اسد، بنو سعد اور دوسرے کئی چھوٹے قبائل [1]۔ وہ مسلمانوں کا جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کے لیے نام و نشان مٹانا چاہتے تھے۔ مؤرخین کی ایک بڑی تعداد کے مطابق اس متحدہ لشکر کی تعداد دس ہزار تھی [2] جب کہ مؤرخین کی ایک دوسری جماعت کے مطابق یہ لشکر جرار ۲۴ ہزار سپاہ پر مشتمل تھا، لشکر کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) قریش دستہ: اس کا کمانڈر ابوسفیان تھا، یہ مندرجہ ذیل سپاہ پر مشتمل تھا:

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۶، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۵، شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۲۰۔

2. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۹، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۶، فتح الباری، ج ۷، ص ۳۰۱۔

Marfat.com

(الف) چار ہزار پیادہ فوج جو ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھی۔

(ب) تین ہزار گھڑ سوار جو بکتر بند تھے۔

(ج) پندرہ سو اونٹ جو سامان رسد سے لدے ہوئے تھے۔

عثمان ابن طلحہ قریش کا علم بردار تھا۔

۲ بنو فزارہ (غطفان کی ایک شاخ) اس کا سردار عیینہ ابن حصن تھا جس کے تحت ایک ہزار اونٹ اور کئی سو سپاہی تھے۔

۳ اشجع۔ اس کا سردار معرابن رُخیلہ تھا۔ جس کے تحت چار سو سپاہ پوری طرح ہتھیاروں سے لیس تھی۔

۴ بنو مرہ: اس کا سردار حارث بن عوف تھا۔ اس کے تحت بھی چار سو مسلح سپاہ تھی۔

۵ بنو سلیم: اس کا سردار ابو سفیان بن عبد شمس تھا۔ اس کی کمانڈ میں ہتھیاروں سے لیس سات سو سپاہ تھی۔

اس متحد فوج کا سردار ابو سفیان تھا[1]۔ جب یہ فوج مدینہ کی طرف روانہ ہوئی تو راستہ میں بنو سعد اور بنو اسد بھی (طلحہ بن خویلد الاسدی کی کمانڈر میں) اس فوج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہو گئی جو عرب کی تاریخ میں سب سے بڑی اور ناقابل شکست فوج تھی۔ درحقیقت جزیرۂ عرب نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ ان کو عرب کے مشرکین کی اخلاقی تائید بھی حاصل تھی۔ ان کا منصوبہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کا تھا۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقدام:

دشمن کی تیاری کی اطلاع مدینہ منورہ آنا شروع ہو گئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منصوبے کی بروقت اطلاع مل گئی۔ کچھ مسلمان عربوں اور یہودیوں کے مشترکہ محاذ کی خبر سن کر کافی گھبرائے لیکن ان کا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا اور وہ لوگ اسی کو اپنے بندوں کا محافظ و نگران سمجھتے تھے۔

معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ مشورے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی جو کہ ایرانی تھے کی رائے کو پسند فرمایا۔ ان کی رائے تھی

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۶، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۲۱۔

Marfat.com

کہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف ایک خندق کھود کر قلعہ بند ہو جانا چاہیے۔ مدینہ منورہ کے تین اطراف میں مکانات اور کھجور کے باغات تھے جو شہر کے لیے ایک فصیل کا کام دے سکتے تھے۔ شہر کی ایک جانب کھلی ہوئی تھی اور وہی حصہ غیر محفوظ تھا۔ اسی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود خندق کی نشاندہی کی، اور ایک عام مزدور کی طرح کام کیا۔ تین ہزار مقدس ہاتھوں کے ذریعے یہ خندق مکمل ہوئی❶۔

سردی کی راتوں میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی کبھی کئی کئی وقت بغیر کھائے ہوئے کام کیا۔ خندق کو کھودتے ہوئے اور اس سے نکلی ہوئی مٹی کو باہر پھینکتے ہوئے وہ حضرات قرآن کریم پڑھتے جاتے تھے اور کبھی کبھی ہم آواز ہو کر اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے:

نحن الذی بایعوا محمدًا   علی الجهاد مابقینا ابدًا ❷

”ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے (اللہ کے راستہ میں) جہاد کرنے کی جب تک ہم بقید حیات ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کر رہے تھے:

اللّٰھم لاخیر الا خیر الآخرة   فبارک فی الانصار والمهاجرة ❸

”اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے، تُو انصار اور مہاجرین میں برکت دے۔“

آپ ﷺ مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے:

واللہ لولا اللہ ما اهتدينا   ولا تصدقنا ولا صلّينا

فانزلن سكينة علينا   وثبت الاقدام ان لاقينا

ان الاولی وغبوا علينا   اذا ارادوا فتنة ابينا ❹

”خدا کی قسم اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ نماز ہی پڑھتے، (اے اللہ) تو ہمارے اوپر سکینہ نازل فرما اور مقابلے کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ۔

❶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ا ص ۴۲۱۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۰، صحیح بخاری غزوۃ الاحزاب، صحیح مسلم۔

❸ صحیح بخاری، غزوۃ الاحزاب، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۱۔

❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۱۔

Marfat.com

ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہمارے اوپر چڑھائی کرتی ہے اور فساد برپا کرتی ہے تو ہم (اس کے تسلط کا) انکار کرتے ہیں (یعنی ہم اپنی آزادی برقرار رکھتے ہیں۔)''

جب خندق کھودی جارہی تھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے میں ایک بڑی چٹان حائل ہوگئی جس کو کوئی شخص کاٹ نہیں سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ جب آپ ﷺ کو اس چٹان کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ اسی حالت میں تشریف لائے اور کدال چٹان پر ماری جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی❶۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک روایت میں نقل کرتے ہیں❷ کہ جب وہ خندق کھود رہے تھے تو ایک چٹان حائل ہوگئی جس کو وہ توڑ نہ پائے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ سے کدال لے لی اور چٹان پر تین دفعہ ماری، ہر مرتبہ لوہے کے ٹکرانے سے ایک بڑی چنگاری نکلی اور بالآخر وہ چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب پہلی چنگاری نکلی تھی تو اللہ نے آپ ﷺ کو یمن پر فتح دی، جب دوسری چنگاری نکلی تو اس نے آپ ﷺ کو شام پر فتح دی، اور جب تیسری چنگاری نکلی تو اللہ نے مشرق (سلطنت فارس) پر فتح دی، بعد میں یہ تمام پیشین گوئیاں اسی طرح پوری ہوئیں۔

(ج) مدینہ منورہ کا محاصرہ:

متحدہ لشکر ابوسفیان کی قیادت میں تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی تعداد کے نشے میں دھت تھے اور ڈھول پیٹتے ہوئے آرہے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھ کچھ بتوں کو لے رکھا تھا جس کی قصیدہ خوانی کر رہے تھے۔ عورتیں بھی خوشی میں چلاتی ہوئی اس کے ہمراہ چل رہی تھیں۔ ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مسلمانوں کو پوری طرح کچل دیں لیکن جب وہ مدینہ منورہ کے پاس پہنچے تو ان کے تعجب کی یہ دیکھ کر کوئی انتہا نہیں رہی کہ شہر کے چاروں طرف ایک خندق کھدی ہوئی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے ابھی تک ایسی خندق نہیں دیکھی تھی۔ ان کے گھوڑے ہنہنانے لگے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اونٹوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۷۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۹۔

Marfat.com

ان کے پاس کافی سامان رسد تھا، اس لیے انھوں نے شہر کے چاروں طرف یہ کہہ کر محاصرہ ڈال دیا کہ جلد ہی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی بھوک سے مر جائیں گے اور بالآخر فتح ہماری ہو گی، مسلمانوں نے جن کی تعداد تین ہزار ❶ تھی دن رات خندق کی حفاظت کی۔

بنو قریظہ کے یہودیوں کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ تھا۔ اس کے باوجود وہ آپ ﷺ سے الگ رہے۔ بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب نے ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ بنو قریظہ کے سردار، کعب ابن اسد کے پاس گیا اور کہا کہ وہ اس متحدہ لشکر میں شامل ہو جائے۔ شروع میں کعب ہچکچایا اور اس کو بتایا کہ بنو قریظہ کا محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے اور وہ اس معاہدے کو کبھی توڑنے پر تیار نہیں ہیں کیوں کہ اس نے محمد ﷺ کو ہمیشہ اپنے وعدہ کا پابند پایا ہے لیکن حی کا جادو ان پر اثر کر گیا اور وہ متحدہ لشکر کے ساتھ ایک بڑے انعام کے لالچ میں مل جانے پر تیار ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بنو قریظہ کے پاس ان کا معاہدہ یاد دلانے کے لیے بھیجا لیکن یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ محمد ﷺ کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے ❷؟ متحدہ لشکر بنو قریظہ کے اس غدارانہ رویے کا سن کر بڑے خوش تھے۔ اس حادثے سے مسلمانوں کو فطرتاً دکھ پہنچا۔ منافقین جو اس وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے لگے ❸۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج۲، ص۵۷۰، ابن ہشام السیرۃ النبویۃ، ج۲، ص۲۲۰۔

❷ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج۲، ص۵۷۲، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۲، ص۲۲۲۔

❸ ابن جریر طبری، ایضاً، ابن ہشام، ایضاً۔

Marfat.com

دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا﴾ (احزاب ۳۳: ۱۰ تا ۱۵)

''جب کہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور ان کو سختی سے جھنجھوڑا گیا۔ اور جب کہ منافقین جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا ہی وعدہ کر رکھا ہے اور جب کہ ان میں کے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو! تمھارے لیے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے تم لوٹ چلو۔ اور بعض لوگ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالاں کہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں، یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آ گھسے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جائے تو اس کو منظور کر لیں۔ اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں حالاں کہ یہی لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی۔''

یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ رہا۔ مسلمانوں کے پاس کافی مقدار میں سامان رسد نہیں تھا اور بعض مرتبہ ان کو کئی کئی دن مسلسل بغیر کھائے گزر کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ لیتے تھے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول کر ان کو دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

محاصرے کے دوران تین مشہور شہ سوار عمرو بن عبدود، جبیرہ اور ضرار بن خطاب خندق کو پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمرو بن عبدود عرب کا مشہور پہلوان تھا اور اس کی طاقت ایک ہزار گھڑ سواروں کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ سب سے پہلے اسی نے خندق پار کی اور مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اس کے چیلنج کو قبول کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے یہ فرمایا کر کہ عمرو بن عبدود ہے ان کو بٹھا دیا۔ عمرو نے دوبارہ مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پھر دوبارہ بٹھا دیا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت فرما دی اور ان کو ایک تلوار دی اور ان کے سر پر عمامہ باندھا ❶۔ نوجوان علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر عمرو چلایا: ''میں تمھیں قتل کرنا نہیں چاہتا'' مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ تجھے قتل کر دوں'' پھر ان دونوں میں مقابلہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو پہلے ہی وار میں قتل کر ڈالا ❷۔ عمرو بن عبدود کے قتل کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا مگر وہ دونوں بھی پیچھے ہٹ گئے۔ ایک اور کافر نوفل خندق کو پار کرنے کی کوشش میں اس میں گر گیا۔ مسلمانوں نے اس پر تیر برسائے تو اس نے باعزت موت کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خندق کے اندر تشریف لے گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ یہ لڑائی کا سب سے سخت دن تھا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بعض نمازیں بھی قضا ہو گئیں ❸ کیوں کہ کفار کے ذریعے زبردست تیروں کی بارش ہو رہی تھی جس سے مسلمانوں کو اپنا مورچہ چھوڑنے کا موقع نہ مل سکا۔ مزید برآں انھوں نے خندق کو پار کرنے کی ناکام کوششیں بھی کی تھیں۔

بنو قریظہ کے کسی ممکن حملے کے خطرے کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہ ابن اسلم کو دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ اس طرف تعینات کر دیا تھا۔ وہ قلعہ جس میں مسلمان عورتوں کو بحفاظت رکھا گیا تھا، بھی بنو قریظہ کی آبادی کے قریب تھا۔ جب یہود نے یہ دیکھا کہ مسلمان لڑائی میں مصروف ہیں تو انھوں نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی جاسوس کو قلعہ کے پاس دیکھا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جو کہ قلعہ کی نگرانی کے لیے مقرر تھے کہا کہ وہ اس جاسوس کو قتل کر دیں، لیکن وہ اپنی کسی معذوری کی بنا پر قتل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ اس بے بسی کے عالم میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کا ڈنڈا اٹھایا اور اس کے سر پر زور سے دے مارا۔ یہ یہودی عورتوں کی جاسوسی کرنے کے لیے آیا تھا۔ چوٹ کی تاب نہ لا کر یہودی مر گیا ❹۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۸۔

❷ ابن کثیر، سیرت، ج ۳، ص ۲۰۲، ۲۰۳، ابن قیم، زاد المعاد۔

❸ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۲۸، مزید ملاحظہ ہو شرح المواہب اللدنیۃ از محمد زرقانی۔

❹ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۲۹، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۸۔

Marfat.com

نے اس کا سر کاٹا اور یہودیوں میں خوف وہراس پیدا کرنے کے لیے قلعے کے باہر اس کو پھینک دیا۔

محاصرہ جتنا طول کھینچ رہا تھا اتنا ہی محاصرین بددل ہو رہے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے سامان رسد مہیا کرنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ جو قبیلے قریش کے ساتھ تعاون کر رہے تھے وہ بھی ہمت ہار بیٹھے تھے [1]۔

غطفان قبیلہ کے سرداروں میں سے ایک سردار نعیم ابن مسعود ثقفی نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن کفار اس بات سے واقف نہیں تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ کفار محاصرہ ختم کر کے واپس چلے جائیں۔ اس نے ان حالات کا فائدہ اٹھا کر قریش اور یہود سے الگ الگ اس طرح بات کی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ خاص اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے بارش اور زبردست طوفان سے مسلمانوں کی مدد کی۔ طوفان اتنا تیز تھا کہ قریش کے خیمے اکھڑ گئے۔ چولہے پر رکھے ہوئے ان کے دیگچے الٹ گئے [2] اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ قدرت ان کے مقابلے پر آ گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کو غیبی فوج سے تعبیر کیا ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ (الاحزاب ۳۳:۹)

"اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کا انعام یاد کرو جب تم پر بہت لشکر چڑھ آئے تھے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ اس کو دیکھتا تھا جو کچھ تم کرتے تھے۔"

بنو قریظہ نے میدان چھوڑ دیا اور اپنی گڑھی میں قلعہ بند ہو گئے۔ بنو غطفان بھی واپس چلے گئے۔ بالآخر قریش کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں اور راتوں رات انھوں نے بھی اپنا بوریا بستر باندھ کر کوچ کر دیا۔

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ (الاحزاب ۳۳:۲۵)

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۹ تا ۲۳۱۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۱، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۳۲، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۷۹۔

Marfat.com

''اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے سخت غصہ کی حالت میں ہٹا دیا اور ان کی کوئی' بھی مراد پوری نہیں ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے۔''

اس طرح یہ اندھیرے بادل صاف ہو گئے اور امن وسکون کا سورج دوبارہ نمودار ہوا۔ اسلام کے خلاف سب سے زبردست جنگ پوری طرح ناکام ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے گھروں کو واپس آئے اور دشمن کی روانگی پر اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

بنو قریظہ کی غداری:

یہودی قبائل میں صرف بنو قریظہ ہی مدینہ منورہ کے اطراف میں باقی رہ گئے تھے۔ اب تک انھوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی غداری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے معاہدے کی دوبارہ تجدید بھی کر لی تھی لیکن غزوۂ خندق میں انھوں نے اس معاہدہ کے باوجود کہ اگر مدینہ کے اوپر باہر سے چڑھائی کی گئی تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے [1] آپ ﷺ کے اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔

غزوۂ احزاب کے شروع میں بنو قریظہ مسلمانوں سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے [2]۔ شروع میں جب بنونضیر (جس یہودی قبیلے کو جلاوطن کر دیا گیا تھا) اور دوسرے یہودیوں نے جب ان سے مسلمانوں کے خلاف متحدہ لشکر میں شامل ہونے کو کہا تھا تو انھوں نے انکار کر دیا تھا لیکن بعد میں بنونضیر نے ان کو بتایا کہ قریش کو شامل کر کے عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر ان پر حملہ کر رہے ہیں اور مسلمان اس زبردست حملے کی تاب نہ لا کر یقیناً صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اس لیے بنو قریظہ سے کہا گیا کہ یا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر خود بھی ختم ہونے کو تیار ہو جائیں یا پھر دوسرے قبائل کا ساتھ دیں اور مسلمانوں پر حملے کے سلسلے میں اپنے حصے کے

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۱، ص ۵۰۳، ۵۰۴۔
2. ملاحظہ ہو: الدرر از ابن عبدالبر، ص ۱۸۱، ابن عبدالبر نے بنو قریظہ کے سردار کعب ابن اسد اور یہودیوں کے ایک دوسرے سردار حی بن اخطب کا مکالمہ نقل کیا ہے جو اس حقیقت پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو زاد المعاد از ابن قیم۔

Marfat.com

مطابق ان کی یعنی کفار کی مدد کریں۔ بنوقریظہ نے اس دوسری تجویز کو اختیار کیا اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑ کر اسلام دشمن متحدہ لشکر میں شریک ہونے کا وعدہ کیا اور جنگ احزاب میں ان کی مدد کی۔ وہ منافقین کے ساتھ مل کر جنگ خندق کے دوران مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ ثابت ہوئے۔ ان میں کچھ نے جنگ میں شرکت بھی کی، قرآن کریم کہتا ہے:

﴿وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ (الاحزاب ۳۳:۲۶)

''اور جن اہل کتاب نے (یہودیوں نے) ان کی (متحدہ لشکر کی) مدد کی۔''

ابن خلدون لکھتا ہے: ''بنوقریظہ رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔ حی ان کے پاس آیا اور اس نے ان کے اندر (مسلمانوں کے خلاف) دشمنی پیدا کر دی، اس لیے انھوں نے معاہدے کو توڑ دیا اور متحدہ لشکر کے ساتھ مل گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ ابن معاذ، سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ، خوات رضی اللہ عنہ ابن جبیر اور عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے ان کو کھلا ہوا غدار پایا اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا❶۔'' ابن عبدالبر اور دوسرے مورخین کے مطابق اس موقع پر بنوقریظہ نے یہ بھی کہا: ''ہم آپ ﷺ کے (رسول اللہ ﷺ کے) ساتھ کوئی معاہدہ نہیں رکھتے❷۔'' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے جنگ احزاب کے بعد حی بن اخطب کو پناہ دی جو اسلام کا بدترین دشمن تھا اور جس نے عرب کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا تھا، اور اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ قریش کے ساتھ جنگ میں شامل ہو جائیں❸۔ اس حالت میں جب کہ تقریباً ۲۴ ہزار کا لشکر خندق کے دوسری طرف اسلام کو صفحہ ہستی مٹانے کے لیے اپنا پورا دباؤ ڈال رہا تھا اور منافقین اندرونی طور پر فتنہ وفساد برپا کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، بنوقریظہ کی غداری نے مسلمانوں کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس غداری کی سزا ضرور ان کو ملنی چاہیے تھی۔

---

❶ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۴۷۷۔

❷ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۲، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۰ تا ۲۲۳۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۳۵، ابن عبدالبر نے حیی ابن اخطب اور کعب ابن اسد کے درمیان ہونے والے مکالمے کو بھی نقل کیا ہے جس میں حیی ابن اخطب نے کعب سے درخواست کی تھی کہ اگر متحدہ لشکر جنگ کے بعد واپس ہو گیا تو وہ اس کے پاس ٹھہرے گا، الدرر، ص ۱۸۲۔

Marfat.com

بنو قریظہ کی سزا (ذی قعدہ ۵ھ [1] مارچ/اپریل ۶۲۷ء)

جنگ خندق کے بعد جب رسول اللہ ﷺ گھر واپس آئے تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے [2] اور آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ بنو قریظہ جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہتھیار نہ اتاریں بلکہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کریں [3]۔ مسلمان بہت ہی زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ وہ آرام کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ سہیلی کے مطابق کچھ مسلمانوں کو دیر ہوگئی اور وہ عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچے۔ ان کو عصر کی نماز راستے ہی میں پڑھ لینا چاہیے تھی لیکن انھوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں عصر کی نماز عشاء کی نماز کے بعد پڑھی [4]۔

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے تو یہودیوں نے آپ ﷺ کو گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچائی۔ آپ ﷺ بذات خود ان سے بات چیت کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے لیکن انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت کی بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیں۔ یہ محاصرہ تقریباً ۲۰ دن تک جاری رہا [5]۔

محاصرے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے پھر ان سے گفت وشنید کی کوشش کی مگر یہ

---

[1] ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۴۷۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۳، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۷، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۶، ۱۲۵، ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۸۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۷۔

[3] زیادہ تر مؤرخین ومحدثین بشمول بخاری اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے عصر کی نماز وہاں ادا کی۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۴، عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۱۹۵، ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۸۹، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۹، ابن حزم، السیرۃ النبویۃ۔

[4] عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۹۵، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۵۔

[5] ابن عبد البر، الدرر، ۱۸۹، ابن ہشام کے مطابق محاصرہ ۲۵ دن رہا، السیرۃ النبویۃ، ج ۱ ص ۲۳۵۔

Marfat.com

کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی۔ جب کعب ابن اسد کو یہ احساس ہوا کہ معاملہ نمٹنے سے پہلے آپ ﷺ محاصرہ ختم نہیں کریں گے تو اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک دن مخاطب کیا اور کہا:

''اے یہودیو! تم دیکھ رہے ہو کہ تم پر کیسی مصیبت آئے گی۔ میں تمھارے سامنے تین تجاویز پیش کرتا ہوں جس کو چاہو تم اختیار کرلو۔ پہلی یہ کہ ہم اس شخص کی اتباع کریں اور اس کو سچا مانیں کیوں کہ خدا کی قسم یہ بات تم پر عیاں ہوچکی ہے کہ وہ ایک نبیِ برحق ہے جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے اور یہ وہی ذات ہے جس کا تذکرہ تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔ اس صورت میں تمھاری جان، تمھارا مال، تمھاری عورتیں اور بچے محفوظ رہیں گے۔ انھوں نے کہا ''ہم بھی توریت کے قوانین کو نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی کبھی اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا قانون اختیار کریں گے۔'' پھر کعب نے کہا کہ اگر تم پہلی تجویز قبول نہیں کرتے ہو تو میں تمھارے سامنے دوسری تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے بیوی بچوں کو ختم کردیں اور ہمارے مرد تلواریں لے کر محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے مقابلے میں نکل آئیں اور پوری طرح ڈٹ کر مقابلہ کریں یہاں تک خدا ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ کردے۔ اگر ہم ختم ہوگئے تو ایسی صورت میں ہمیں اپنے پس ماندگان کی کوئی فکر نہ رہے گی۔ اور اگر ہم فتح یاب ہوئے تو ہم پھر دوسری بیویاں اور بچے حاصل کرسکتے ہیں۔ یہود نے جواب دیا کہ ہم اس کمزور مخلوق کو مار کر اپنی زندگی کو بے کیف بنالیں ان کے مرجانے کے بعد ہماری زندگی میں کون سی خوشی باقی رہ جائے گی۔ پھر کعب نے کہا کہ اگر تمھیں دوسری تجویز بھی پسند نہیں تو پھر تیسری تجویز میں تمھارے سامنے پیش کررہا ہوں۔ اس پر غور کرو۔ آج سبت (سنیچر) کی رات ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی آج کی رات ہماری طرف سے اپنے کو محفوظ سمجھیں گے۔ اس لیے ہم اچانک ان پر حملہ کردیں۔ یہودیوں نے کہا: ''تو کیا ہم اپنے سبت کی بے حرمتی کریں اور سبت کے موقع پر وہ کام کریں جن کو ہم سے پہلے لوگوں نے کیا اور وہ بندر بنادیئے گئے۔'' اس کے بعد کعب ابن اسد نے کہا: ''تم میں سے کوئی بھی آدمی جب سے پیدا ہوا ہے، ایک رات بھی ایسی نہیں گزار سکا، جس میں جو کچھ کرنا ہے اس کا عزم کرچکا ہو[1]۔

پھر انھوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ ان کے درمیان ثالث کا کام انجام دیں۔ حضور ﷺ نے انھیں

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۳۵، ۲۳۶، ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی ترجمہ از گلیوم)، ص ۴۶۱، ۴۶۲، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۹، ۱۹۰۔

Marfat.com

یہود کے پاس جانے کا حکم دیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو یہود نے ان سے مشورۃً پوچھا کہ کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ کے مطابق قلعے سے اتر جائیں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ قلعے سے اترنا بس ذبح ہو جانا ہے ❶۔

لیکن جلد ہی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ انھوں نے ایسا کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی ﷺ گئے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ (اس وقت سے اس کھمبے کو عمودِ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔) اور انھوں نے اس بات کی قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کی اس غلطی کو معاف نہیں کر دے گا وہ اپنے آپ کو کھمبے سے باندھے رہیں گے ❷۔ نبی اکرم ﷺ کو جب اس بات کی خبر ملی کیوں کہ آپ ﷺ ان کا کافی دیر سے انتظار کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ سیدھے اس غلطی کے ارتکاب کے بعد میرے پاس آتے تو میں ان کے لیے خدا سے معافی کی درخواست کرتا لیکن اب جب کہ انھوں نے یہ بات اختیار کر لی ہے تو میں اس معاملے کو اسی طرح چھوڑتا ہوں یہاں تک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے ❸۔

آخر کار ایک صبح جب کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے مندرجہ ذیل آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی معافی کے سلسلے میں نازل ہوئی:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانفال: ۲۷)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ ہی امانتوں کے اندر خیانت کرو اور تم (اس کی مضرت) جانتے ہو۔''

ابن حزم اور دوسرے مؤرخین کے نزدیک حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کو سات دن تک کھمبے سے باندھے رکھا۔ اس مدت میں انھوں نے صرف نماز کے لیے۔ (اپنی بیوی کے

❶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲ ص ۲۳۶، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۹۰، ابن حزم، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۵۔

❷ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۰، ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۷، ابن حزم، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۵۔

❸ ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی ترجمہ از گلیوم)، ص ۴۶۲۔

Marfat.com

ذریعے) اپنے آپ کو کھولا ❶۔

جب امید کے سارے راستے مسدود ہو گئے تو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ یہ معاملہ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے سپرد کر دیا جائے۔ وہ جو فیصلہ کریں گے ہم مان لیں گے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور قبیلۂ اوس کے لوگ بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ عرب میں حلیف کے رشتے کی پاس داری خونی رشتے سے بھی زیادہ کی جاتی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جنگ میں سخت زخمی ہو گئے تھے اور بستر پر پڑے تھے لیکن پھر بھی انھوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور یہ شرط رکھی کہ دونوں فریق ان کے فیصلے کو مان لیں گے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "تم سب اپنے لیڈر کی تعظیم میں کھڑے ہو جاؤ ❷۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے توریت جو کہ یہودیوں کی مذہبی مقدس کتاب ہے کے مطابق اپنا فیصلہ دیا۔ فیصلے کے مطابق ان تمام لوگوں کو جو لڑنے کے قابل تھے قتل کی سزا دی گئی تھی اور عورتوں اور بچوں کو باندی و غلام بنا لیا گیا تھا اور یہودیوں کی تمام دولت و جائیداد ضبط کر لی گئی تھی ❸۔ فیصلے کا فوراً نفاذ کیا گیا۔ ان کی دولت اور جائیداد مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی۔ یہ فیصلہ بظاہر سخت اور غیر منصفانہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ وہی قانون ہے جس پر یہود عمل پیرا تھے۔ توریت میں ہے:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا، اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں نیز چوپایوں اور شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا، اور تم ان دشمنوں کی اس

---

❶ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، ص ۱۳۵۔

❷ ابن عبدالبر، حوالہ مذکورہ، ص ۱۹۲، ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، ص ۱۳۶، محمد زرقانی، شرح المواھب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۳۴۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۴۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۹۲۔

Marfat.com

لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے دی ہو کھانا۔'' (استثناء۔باب ۱۰ آیات ۱۰ تا ۱۵)

اگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو حکم بنایا ہوتا تو شاید ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا گیا ہوتا۔ اور اگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت معافی مانگ لی ہوتی جب آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تھے تو شاید وہ معاف کر دیئے گئے ہوتے لیکن ان کو اپنے مضبوط قلعے اور طاقت پر گھمنڈ تھا جس کی وجہ سے وہ گستاخی پر تل آئے تھے اور آپ ﷺ کو قتل تک کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ایسے غداروں اور جاسوسوں کے حق میں مندرجہ بالا فیصلہ بالکل حق بجانب تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی ایسے مجرمین کو یہی سزا دی جاتی ہے۔ اگر غداروں اور جاسوسوں کے قتل کی سزا کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے تو دنیا سے امن و امان اٹھ جائے گا۔

Marfat.com

محققین کا بنو قریظہ کے انجام پر تبصرہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہیں: ''بنو قریظہ نے خود ہی اپنا حکم مقرر کیا تھا جس نے ٹھیک اسی طرح فیصلہ کیا جو کہ استثنا (توریت) میں ہے۔ یہ فیصلہ سن کر آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا: ''اللہ نے ساتویں آسمان کے اوپر اس کو مقدر کر رکھا تھا۔'' اگر یہودی رسول اللہ ﷺ سے رحم کی درخواست کرتے تو ان کے ساتھ زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا جاتا لیکن انھوں نے خود ہی اپنے ایک پرانے حلیف کو جو کہ ایک عام مسلمان تھے اس کام کے لیے منتخب کیا اور مسلمان اس وقت یہودیوں سے بہت زیادہ ناراض تھے۔ اس سے پہلے وہ بنو نضیر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر چکے تھے جنھوں نے احسان مند ہونے کے بجائے محاصرۂ خندق کو منظم کیا اور محاصرے سے کچھ ہی دن پہلے رسول اللہ ﷺ کو دو ہفتے کے لیے ایک معمولی فوج کے ساتھ دومۃ الجندل جانے پر بھی مجبور کیا لیکن اتفاق سے آپ ﷺ اس مکر و فریب کے جال سے بچ گئے اور مدینہ منورہ عین وقت پر پہنچ گئے تاکہ محاصرین کے دفاع میں تیاری کر سکیں۔ خندق کے محاصرے کے دوران بھی بنو قریظہ نے جو کہ مدینہ میں مقیم تھے مسلمانوں کی پشت میں خنجر بھونکنے کی کوشش کی۔ وینسک بھی جو کہ دوسرے معاملات میں مسلمانوں کے خلاف معاندانہ نظریہ رکھتا ہے اقرار کرنے پر مجبور ہے۔ (Cf. Der Islam, vol. 2 p.289) کہ اس سے قبل بنو نضیر کے یہودیوں کے ساتھ جس نرمی کا سلوک کیا گیا تھا اس کا الٹا اثر ہوا اور کوئی بھی مدبر اس غلطی کا دوبارہ ارتکاب نہیں کر سکتا تھا[1]۔''

سید امیر علی تحریر کرتے ہیں:

''یہ انسانی فطرت ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی سخت مجرمانہ عمل کرے لیکن جب اس سے سختی سے نمٹا جاتا ہے تو ہمارے ذہنوں کو (منصفانہ سختی) بھی ظالمانہ اور زیادہ سخت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے جذبات کا ردعمل ہوتا ہے اور انصاف کے جذبات کے نتیجے میں دلوں میں رحم آ ہی جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بھی بنو

[1] M. Hamidullah: Mulsim Conduct of State, pp.240-41 (para 497).

Marfat.com

قریظہ کی سزا سخت تھی، لیکن ہم اس پر کس طرح افسوس کریں کہ خود انھی کی درخواست پر ان کا یہ انجام ہوا تھا، انھوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ ایک مشتعل فوجی کے حوالے کر دیا تھا۔ ہم اس پر کتنا ہی افسوس کریں کہ اس شخص کا فیصلہ اس طرح عمل میں آیا لیکن ہمیں رحم دلی کے جذبات میں یہ نہیں بھول جانا چاہیے کہ مجرمین کے حق میں انصاف کا کیا تقاضا ہے۔ ہمیں اپنے ذہن میں ان جرائم کو یاد کرنا چاہیے جو ان سے سرزد ہوئے تھے۔ ان کی غداری وخصومت، ان کا معاہدے سے پھر جانا جس کی وجہ سے وہ ایک پاکیزہ بندھن سے بندھے ہوئے تھے۔ ہم کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جیھوواء واحد (عبرانی میں خدا کا نام) کے ان عبادت گزاروں نے مشرک عربوں کو ان کی بت پرستی پر قائم رہنے کا بھی لالچ دیا تھا۔ کچھ مسلمان شاید عیسائی اخلاق پرستوں کے اثر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''ایک بدمعاش کو ختم کر دینا اس سے سو گنا زیادہ بہتر ہے کہ دوسرے بے گناہ لوگوں کو اس کی صحبت کی ترغیب دی جائے۔''

(Cf. Arnold`s Sermons` 4th Sermon, "Wars of The Israelites" PP.35, 36)

کچھ مسلمان بنوقریظہ کی سزا کو شاید اس نگاہ سے دیکھیں جس نگاہ سے کارلائل نے کروم ویل کے حکم کو دیکھا جب کہ اس نے ڈروگ ہیڈ کے آئرش باشندوں کا قتل عام کیا تھا۔ ''ایک مسلح فوجی جو اپنے آپ کو پہچانتا ہو اور جو اپنے آپ کو ایک منصف خدا کا سپاہی سمجھتا ہو۔ ایک ایسا احساس جو تمام سپاہیوں اور تمام آدمیوں میں ہمیشہ رہا ہو۔ ایسا مسلح سپاہی موت جیسا خطرناک، قیامت جیسا ہول ناک ہو کر اللہ کے فیصلہ کو اللہ کے دشمنوں پر نافذ کر رہا ہے۔''

سید امیر علی مزید لکھتے ہیں:

''بہر حال ہم یہودیوں کو دی گئی سزا کو مندرجہ بالا نقطہ ہائے نظر سے دیکھنے کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اس کو صرف اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ سزا قوانین جنگ کے مطابق دی گئی جس سے دنیا کی تمام قومیں واقف ہیں یعنی جنگی اصولوں پر پوری طرح عمل درآمد جو کہ ان دنوں میں رائج تھے۔''

(Cf. An Observation of Great Hist. of Greece. Vol. VI, P.499).[1]

---

[1] S. Ameer Ali, The Spirit of Islam, pp.80-81

Marfat.com

سید امیر علی کی تحقیق کے مطابق جن لوگوں کو قتل کیا گیا تھا ان کی تعداد سو یا اڑھائی سو سے زیادہ نہیں تھی [1]۔ وہ مزید تحریر کرتے ہیں: (جو یہودی قتل کیے گئے تھے ان کی) تعداد کو شمار کرنے میں غلطی غالباً ان کو (یعنی مقتولین کو) جنگی قیدیوں سے خلط ملط کرنے سے ہوئی ہے جو کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے [2]۔"

لین پول لکھتا ہے: "یہ ایک سخت اور خونی سزا تھی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کا جرم اسٹیٹ (حکومت) کے خلاف اس زمانے میں اعلیٰ پیمانے کی بغاوت تھی جب کہ وہ محاصرے کی حالت میں تھی، جن لوگوں نے ویلنگٹن کی فتوحات کو پڑھا ہے کہ کس طرح باغیوں اور تاخت و تاراج کرنے والوں کی لاشیں درختوں سے ٹنگی ہوئی تھیں، وہ لوگ اس غدار قبیلہ کو قتل کرنے کی سزا دیئے جانے پر تعجب نہیں کریں گے [3]۔"

یہودیوں کے طرزِ عمل اور رسول اللہ ﷺ کے بامروت برتاؤ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈبلیو منٹگمری واٹ لکھتا ہے: "یہودی عام طور پر قرآن پر زبانی تنقید کر کے اسلام اور پورے مسلمان معاشرہ کی بیخ کنی کر رہے تھے۔ وہ (حضرت) محمد ﷺ کے دشمنوں کو اور مخالفوں کو بشمول منافقین سیاسی مدد بھی پہنچا رہے تھے۔ جب تک یہودی اپنی ان سرگرمیوں سے باز رہے (حضرت) محمد ﷺ نے ان کو مدینہ میں بغیر پریشان کیے رہنے کی اجازت دی [4]۔"

آخر میں ہم سید امیر علی کی رائے پھر نقل کرتے ہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

"کچھ لوگ بادشاہ ڈیوڈ (داؤد) کے قتل عام کا "Lights of His Time" کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں۔ بہت سے الم ناک قتل عام کو بھی جو کہ عیسائیوں نے ابتدائی دور میں کیے تھے "روشنی" "Lights" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم مسلمانوں کی

---

[1] S. Ameer Ali, The Spirit of Islam, pp.82

[2] A Critical Examination of The Life And Teachings of Muhammad, p.113 (as quouted in the "Life of Muhammad" by a Learned Muhammedan, p.198)

[3] لین پول، Selections from The Koran", Introd. p. LXV (as quoted in "The Spirit of Islam", by s. Amir Ali, p.80)

[4] ڈبلیو منٹگمری واٹ، Muhammad, The Prophet And Statesman, p.175

Marfat.com

دفاعی جنگوں کو بھی جو کہ انھوں نے ابتدا میں لڑی تھیں ❶ اس نظریے سے دیکھیں۔ بہر حال کوئی بھی نظریہ قائم کیا جائے ایک غیر متعصب ذہن ❷ بنو قریظہ کو قتل کی سزا دیے جانے کا الزام رسول اللہ ﷺ پر ہر گز نہیں لگا سکتا❸۔''

ریحانہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ:

کچھ غیر مسلم مصنفین نے پیغمبر اسلام ﷺ پر ریحانہ رضی اللہ عنہا کے واقعے کو غلط طریقے سے پیش کر کے حملہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں تاریخ کی کتابوں میں تین قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ حافظ ابن مندہ لکھتے ہیں:

''ریحانہ ایک جنگی قیدی تھی جس کو غلامی سے آزاد کر دیا گیا تھا اور پھر وہ اپنے خاندان والوں کے پاس واپس چلی گئی اور وہاں تنہائی میں رہتی رہی❹۔'' کچھ دوسرے مؤرخین کے مطابق ❺ ریحانہ رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آئی۔ آپ ﷺ نے ان کو آزادی اور نکاح کی پیش کش کی لیکن انھوں نے باندی بن کر رہنا قبول کیا۔ بعد میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا❻۔ مؤرخین کے ایک تیسرے

---

❶ Q. Sam. VIII:2 اس نے مفتوح امونیتوں کے ساتھ بہت زیادہ سخت اور درشت رویہ اپنایا۔ ان میں سے کچھ کے کلہاڑیوں، سراون اور آروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور کچھ دوسروں کو اینٹوں کے بھٹوں میں بھون ڈالا۔ (XII-31)

Maitland: "Jewish Literature And Modern Education Compare Also Stanley`s Lectures on Jewish Church, VOL. II, p.99.

❷ سید امیر علی لکھتے ہیں: ''مغربی اسکالروں میں مجھے صرف M. Barthelemy St. Hilaire، Mr. Johnson اور Mr. Stanley Lane-pool کے ناموں کا علم ہے جنھوں نے کسی تعصب سے کام نہیں لیا ہے۔'' The Spirit of Islam, p.82

❸ سید امیر علی، The Spirit of Islam, P.81-82

❹ طبقات الصحابہ، اصابہ فی احوال الصحابہ، ذکر ریحانہ، ج ۴، ص ۳۰۹۔ (یہ تمام حوالے علامہ شبلی نعمانی نے نقل کیے ہیں، ملاحظہ ہو: سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۴۰۔

❺ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۲۴۵۔

❻ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۲۴۵۔

Marfat.com

طبقے کا کہنا ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان سے شادی کر لی اور وہ آپ ﷺ کی بیوی اس وقت تک رہیں جب آپ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر ان کا انتقال ہو گیا اور انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا❶۔ علامہ شبلی نعمانی نے پہلی روایت یعنی حافظ ابن مندہ والی❷ روایت کو اختیار کیا ہے۔ اسی کو یہاں بھی اختیار کیا جاتا ہے۔

اس جنگی قیدی کے سلسلے میں باقی جتنے بھی افسانے ہیں سب من گھڑت ہیں۔ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ چونکہ بہت زیادہ خوبصورت تھیں اس لیے آپ ﷺ نے انھیں اپنے لیے پسند کر لیا تھا۔ اگر آپ ﷺ نے اس سے نکاح کی پیش کش کی تھی تو اس کی وجہ اس کی حفاظت تھی نہ کہ کوئی ذاتی خواہش۔

ابو رافع سلام ابن حقیق کا قتل:

ابن اسحاق (ابن ہشام) کے مطابق ابو رافع سلام ابن حقیق (جو کہ خیبر کا یہودی سردار تھا) کے قتل کا واقعہ ذی الحجہ ۵ ھ میں پیش آیا❸۔

ابن اسحاق کے مطابق ابو رافع کو جنگ احزاب کے دوران مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ چوں کہ کعب ابن اشرف کا قتل قبیلۂ اوس کے لوگوں نے کیا تھا اس لیے اس دفعہ قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ابو رافع کو قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرما دی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابن عتیک کی سرکردگی میں پانچ آدمی ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے خیبر روانہ ہو گئے۔ ان پانچوں میں شامل عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۰۔

❷ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۴۰۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۲۷۳ تا ۲۷۶، ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی ترجمہ از گلیوم) ص ۴۸۲ تا ۴۸۴۔

نوٹ: ابن سعد کے مطابق یہ واقعہ رمضان ۶ ھ کا ہے، طبری کی ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۳ ھ میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۹۳، ابن اثیر نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۴۶۔

Marfat.com

...نیس وہ شخص ہیں جنھوں نے دراصل اس دشمن اسلام کو قتل کیا۔

حسان رضی اللہ عنہ ابن ثابت جو کہ مسلمانوں کے مدینہ منورہ میں مشہور شاعر تھے انھوں نے ...بورافع اور کعب بن اشرف کے قتل کو ان اشعار میں بیان کیا ہے[1]:

...لـــه درعـــصـــابة لاقيتهــم ‏ يـا بـن الـحقيق وانت يابن الاشرف

''اے ابن حقیق اور اے ابن اشرف! اس جماعت کا کیا کہنا جس سے تم دوچار ہوئے۔''

...سرون بـا البيض الحقاف إليكم ‏ مـرحـا كـاسد فی عـرين مغـرف

''یہ لوگ اپنی ہلکی پھلکی تلواریں لے کر جھاڑیوں والے کچھار کے شیروں کی طرح مزے مزے رات کے وقت تمھاری طرف چلے۔''

...تی اتـوكـم فـی مـحـل بلادكـم ‏ فسـقـوكـم حتـفًـا ببيضٍ ذفف

''یہاں تک کہ تمھاری جائے قیام پر پہنچے اور تیز تلواروں سے تمھیں موت کا پانی پلا دیا۔''

...ستبـصـريـن لـنـصـر ديـن نبيهـم ‏ مستـصـغـريـن بـكـل امـر مجحف

''اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنی جان و مال کو حقیر سمجھتے ہوئے۔''

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۳۷۳ تا ۲۷۶، ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ (انگریزی ترجمہ از گلیوم) ص۲۸۴، ۳۸۵۔

Marfat.com

۵ھ کے متفرق واقعات

(۱) سریہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ❶: ذی الحجہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین سو آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ بحر احمر کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ سفر کے دوران سامان رسد ختم ہو گیا لیکن انھوں نے ایک بڑی مچھلی کا شکار کیا جو ان کے مدینہ منورہ کے واپسی تک بطور غذا استعمال ہوتی رہی۔

(۲) حبشہ سے مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کو بلا لیا گیا۔

(۳) حجاب کا حکم اسی سال نازل ہوا جس کے تحت عورتوں کو غیر محرموں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۴) ''ظہار'' کو جو کہ عرب میں رائج ایک قسم کی طلاق تھی ناجائز قرار دیا گیا۔

(۵) پانی کی غیر موجودگی میں تیمّم کرنے کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

---

❶ ایچ۔ جی۔ سرور Muhammad, The Holy Prophet, P.284، اکبر شاہ خاں آبادی، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۱۹۴۔

Marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی

اللہ کے حکم کے مطابق (ملاحظہ ہو قرآن کریم سورہ احزاب آیت ۳۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے اسی سال ذی قعدہ کے مہینے میں ہوئی۔ پہلے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ سے ہوا تھا لیکن بعد میں طلاق ہوگئی تھی۔ اس شادی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی ایک رسم توڑی کیوں کہ قبل از اسلام عرب متبنّٰی کی مطلقہ سے شادی نہیں کرتے تھے۔

Marfat.com

ہجرت کا چھٹا سال

۶ ھ میں کوئی اہم بڑی جنگ نہیں لڑی گئی۔ البتہ دشمنوں کے اقدامات روکنے کے لیے، ڈاکوؤں اور قزاقوں کی سرکوبی کے لیے اور دشمن قبائل کی سرزنش کے لیے کچھ چھوٹی فوجی مہمات پیش آئیں۔ کچھ مؤرخین کے مطابق اس سال ایک سال میں تقریباً سترہ اس طرح کی مہمات پیش آئیں [1]۔ ان کے نتیجے میں دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی اور ڈاکوؤں و قزاقوں کو بھی سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

سریۂ محمد رضی اللہ عنہ ابن مسلمہ بجانب قرطاء:

محرم ۶ ھ [2] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ آدمیوں کو محمد رضی اللہ عنہ ابن مسلمہ کی قیادت میں قرطاء کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بنو بکر رہتے تھے۔ بنو بکر کے لوگوں نے مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر ''دریہ'' نامی مقام پر لوٹ مار کر کے کافی نقصان پہنچایا تھا۔ جب مسلمانوں کی یہ جماعت وہاں پہنچی تو معمولی لڑائی کے بعد دشمن بھاگ نکلے اور مسلمان مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے جس میں ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بھیڑیں تھیں [3]۔

غزوۂ بنولحیان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴ ھ میں پیش آنے والے واقعۂ رجیع کے شہداء کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنولحیان تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر دشمن

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۸ تا ۹۴۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۸۔

[3] ایضاً۔

Marfat.com

بھاگ نکلا۔ ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ ربیع الاول ۶ ھ [1] میں پیش آیا۔ اسی کو یہاں اختیار کیا گیا ہے مگر ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن حزم، طبری، ابن اثیر اور ابن عبدالبر وغیرہ کے مطابق یہ غزوہ (اسی سال) جمادی الاولیٰ کے مہینے میں پیش آیا [2]۔

جب آپ سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو مندرجہ ذیل دعا پڑھ رہے تھے:

((آئبون تائبون ان شاء الله لربنا حامدون، اعوذ بالله من و عثآءِ السفر و کآبة المنقلب وسوء المنظر فی الاهل والمال [3]))

''اللہ نے چاہا تو ہم لوٹ کر آنے اور توبہ کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ میں سفر کی مشقتوں، بدانجامی نیز اہل وعیال و مال واسباب کی بدحالی دیکھنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

غزوۂ ذی قرد یا الغابہ:

ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ، غزوۂ بنی لحیان کے بعد اسی سال ماہ ربیع الاول میں پیش آیا [4] جب کہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور ابن عبدالبر کے مطابق یہ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں پیش آیا [5]۔

جنگ احد کے دوران ایک شخص عیینہ ابن حصن نے غدارانہ طور پر کفار کے متحدہ لشکر کی آدمیوں اور اونٹوں سے مدد کی تھی، یہ وہی آدمی تھا جس کو از راہ عنایت رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے پاس چراگاہیں مفت استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس نے

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۸۔
2. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۷۹، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۹۷، ابن حزم، السیرۃ النبویہ (مخطوطہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ص ۱۳۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۹۵، ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۸۸۔
3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۹۔
4. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۰، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۴۸۔
5. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۸۱، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۹۸۔

نوٹ: طبری اور ابن اثیر کی ایک روایت کے مطابق یہ غزوہ صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۹۶، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۸۹۔

Marfat.com

دشمنوں کی مدد کی بلکہ مسلمانوں کی چراگاہ کے نگران کو بھی مار ڈالا، ان کی بیوی کو اٹھا لے گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی ہانک لے گیا❶۔ اس خبر کے ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عیینہ ابن حصن اور اس کے ساتھ کے قزاقوں کی تلاش میں نکلے۔ بالآخر اونٹوں کو واپس چھین لیا گیا اور مسلمان عورت بھی واپس لے آئی گئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو ایک مقام ذوقرد پر قیام کیا اور وہاں ایک اونٹ ذبح کیا اور پھر واپس گھر تشریف لے آئے۔ ابن سعد نے اس غزوہ کا نام ''غزوۃ الغابہ'' تحریر کیا ہے❷۔

سریۂ عکاشہ رضی اللہ عنہ، الغمر کی جانب:

ابن سعد کے مطابق❸ ربیع الاول کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ رضی اللہ عنہ ابن محصن کی امارت میں چالیس آدمیوں کو بنو اسد سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بنو اسد نے الغمر کے مقام پر مدینہ منورہ پر حملے کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی فوج جمع کر لی تھی۔ اس سریہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی کیوں کہ دشمن مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی بھاگ گیا اور مسلمانوں کو غنیمت میں دو سو اونٹ ہاتھ لگے۔

محمد رضی اللہ عنہ ابن مسلمہ کا ذی القصہ کی طرف تبلیغی وفد:

محمد رضی اللہ عنہ ابن مسلمہ کی امارت میں ربیع الآخر میں دس مسلمان مبلغین کو بنو ثعلبہ❹ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جب یہ حضرات ذی القصہ کے مقام پر سو رہے تھے تو قبیلہ بنو ثعلبہ کے کچھ بدوؤں نے ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ان حضرات میں سے نو شہید ہو گئے۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ زخمی ہو گئے اور واپس تشریف لے آئے۔

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۹۹، ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ص ۱۴۰، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۸۱۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۰۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷، ابن جریر الطبری، الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۰، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۵۳۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۵، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱۲، ص ۸۵۴۔

Marfat.com

سریۂ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ابن جراح بجانب ذی القصہ:

مسلمان مبلغین کے خون کا بدلہ لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ابن جراح کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ربیع الآخر کے مہینے میں بنوثعلبہ کی طرف بھیجا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی دشمن بھاگ گئے۔

سریۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب بنوسلیم (جموم)

ربیع الآخر ہی کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو جموم [1] کے مقام پر بنوسلیم کی طرف بھیجا، دشمن فرار ہو گیا۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ اپنے ساتھ ایک عورت (جس کا نام حلیمہ تھا)، اس کا شوہر (جس کا نام حارث تھا) ور کچھ بھیڑیں اور بکریاں لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورت اور اس کے شوہر کو آزاد کر دیا۔

سریۂ زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ بجانب العیص:

ماہ جمادی الاولیٰ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کی قیادت میں ایک سو ستر افراد پر مشتمل ایک اور سریہ العیص کی جانب روانہ کیا [2]۔ یہ سریہ قریش کے اس قافلے کو روکنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا جو شام سے واپس آ رہا تھا۔ انھوں نے اس قافلے اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ بہت سے لوگ قیدی بنائے گئے جن میں رسول اللہ ﷺ کے داماد (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر) ابوالعاص ابن الربیع بھی تھے۔ یہ وہی شخص ہیں جن کو جنگ بدر میں بھی قیدی بنایا گیا تھا اور اس شرط پر رہا کیا گیا تھا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ سے مدینہ بھیج دیں گے۔ مدینہ منورہ میں اپنی قید کے دوران جب کہ وہ اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی امان میں تھے۔ ابوالعاص مسلمانوں کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی امان قبول فرمالی اور اس کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے اس کی امان کے بارے میں ابھی معلوم ہوا ہے۔ میرے کم سے کم درجہ کے

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۶، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۷، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔

Marfat.com

امتی کی امان کی بھی قدر کی جائے گی۔" رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو سن کر ابوالعاص نے اسلام قبول کر لیا لیکن پہلے وہ مکہ مکرمہ گئے اور قریش مکہ کو ان کا سب مال واپس کر دیا جس کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سفارش پر رسول اللہ ﷺ کے اشارے سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو لوٹا دیا تھا۔ اس کے بعد ابوالعاص رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آ کر اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب طرف (یا طرق)

جمادی الآخر ❶ میں رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ ان بدوؤں کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا جنھوں نے مسلمان مبلغین کو قتل کیا تھا۔ اس دفعہ بھی وہ لوگ بھاگ نکلے اور اپنے پیچھے ۱۲۰ اونٹ چھوڑ گئے جن کو حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ بجانب حُسمیٰ:

ابن سعد کے مطابق جمادی الآخر ہی میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کو پانچ سو افراد پر مشتمل ایک لشکر کا سردار بنا کر حسمیٰ کی طرف بھیجا۔ یہ جگہ وادی القریٰ ❷ کے پیچھے ہے۔ وہاں پر دحیہ رضی اللہ عنہ ابن خلیفہ الکلبی کو حسمیٰ کے کچھ بدوؤں نے لوٹ لیا تھا جب کہ وہ ہرقل کے پاس سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان بدوؤں کو سزا دی۔ ان میں سے ایک سو آدمیوں کو گرفتار کیا ❸ اور غنیمت میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ سو بکریاں لے کر واپس ہوئے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ سے کہا کہ وہ سب ان کو واپس کر دیں کیوں کہ ان کا سردار زید بن رفاعہ الجذامی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور معافی کی درخواست چاہی تھی۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۷، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۵۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۸، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۵۸، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۸، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۵۹۔

Marfat.com

نوٹ: زیادہ تر سیرت نگار اور اہل مغازی اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کے بعد بتاتے ہیں اور یہی قرین قیاس ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے شاہان عالم کے نام خطوط صلح حدیبیہ کے بعد ہی روانہ کیے تھے۔

سریۂ زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ بجانب وادیٔ القریٰ:

رجب ❶ کے مہینے میں حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کی امارت میں ایک اور مختصر سا لشکر وادی القریٰ کی طرف روانہ کیا گیا جس کا مقصد قزاقوں کے اقدام کو روکنا تھا۔

دُومتہ الجندل کی طرف تبلیغی مہم:

اسی سال شعبان ❷ کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ابن عوف کو تبلیغ اسلام کے لیے دومتہ الجندل بھیجا۔ قبیلہ کے عیسائی سردار اصبغ ابن عمرو الکلبی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے اپنی لڑکی جس کا نام تماضر تھا کی شادی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ابن عوف سے کر دی۔

سریۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بجانب فدک:

قبیلۂ بنو بکر رسول اللہ ﷺ کے کٹر دشمن تھے۔ وہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی بروقت اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے شعبان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۱۰۰ آدمیوں کے ساتھ بنو بکر کو سزا دینے کے لیے بھیجا ❸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فدک کے مقام پر ان کو جا لیا۔ ایک جھڑپ کے بعد دشمن پسپا کر دیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ سو اونٹوں اور دو ہزار بکریوں پر مشتمل غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۹، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۶۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۔

Marfat.com

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا تجارتی قافلہ اور سریۂ ام قرفہ:

رمضان المبارک ❶ کے مہینے میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی قیادت میں ایک تجارتی قافلہ شام کے لیے روانہ ہوا۔ قافلے میں کافی ساز وسامان تھا جس کے بدلے میں شام سے سامان لانا تھا۔ مدینہ منورہ سے سات منزلیں آگے وادی القریٰ میں بنوفزارہ نے اس قافلے کو لوٹ لیا۔ اس سے مدینہ منورہ کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی قزاقوں نے کافی زخمی کر دیا۔ جب وہ اپنے زخموں سے صحت یاب ہو گئے تو ان کو اس لوٹ مار کا بدلہ لینے کے لیے ایک مضبوط لشکر کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ انھوں نے قزاقوں کے گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ ام قرفہ نامی ایک عورت جو عیینہ کی چچی تھی قزاقوں کی سردار سمجھی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور اس کی لڑکی دونوں کو قید کر لیا۔ ام قرفہ اور اس کے خاندان کے دو دوسرے آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ واپسی پر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا اور ان کا بوسہ لیا۔ ام قرفہ کی لڑکی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کا سریہ یُسیر ابن رزام کے قتل کے لیے:

خیبر کے ایک یہودی سردار ابو رافع کو قتل کی سزا دیے جانے کے بعد یسیر یا اسیر یا بشیر ابن رزام ان کا سردار تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک لشکر جمع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ کو جو مدینہ منورہ میں قبیلۂ خزرج کے سرداروں میں سے تھے تین آدمیوں کے ساتھ ماہ رمضان میں حالات کی تحقیقات کے لیے خیبر روانہ کیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی سازش کی اطلاع دی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس آدمیوں کے ساتھ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ کو خیبر بھیجا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ اور ان کے ساتھی بہت احتیاط سے یسیر یا اسیر کے پاس گئے اور حکمت عملی سے اس کو قتل کر دیا۔ واپس آ کر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تفصیلات بتائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تم کو بدکاروں سے چھٹکارا دلایا ❷۔''

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲، ۶۴۳۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۳۔ نوٹ: مذکورہ یہودی کے تین نام آتے ہیں: اسیر یا یُسیر یا بشیر)

Marfat.com

سریۂ کرز رضی اللہ عنہ ابن جابر بجانب عُرینہ:

قبیلۂ عرینہ کے کچھ اعرابی مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ وہ بہت بیمار تھے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انھیں پہاڑیوں پر بھیج دیا جہاں انھیں کھلایا پلایا گیا۔ جب وہ صحت مند اور تندرست ہو گئے تو انھوں نے دھوکے سے آپ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور تمام اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے تعاقب میں کرز رضی اللہ عنہ ابن جابر الفہری کو شوال ❶ کے مہینے میں روانہ کیا۔ انھوں نے باغیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

سریۂ عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ الضمری:

ابن سعد کے مطابق ❷ شوال ۶ ھ میں عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ الضمری کو مکہ مکرمہ ابوسفیان کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس سے پہلے ابوسفیان اعرابیوں کا ایک دستہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مدینہ بھیج چکا تھا۔ یہ قدم اس کے جواب میں تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ کی یہ مہم کامیاب نہ ہو سکی کیوں کہ کفار مکہ نے ان کا سراغ لگا لیا۔ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کعبہ کے قریب پہنچے تو ان کو بھی پہچان لیا گیا اور وہ مدینہ منورہ واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سال پیش آنے والے زیادہ تر سرایا و غزوات یا تو ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیے گئے یا پھر مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے بھیجے گئے تاکہ مسلمان جزیرۃ العرب میں ایک باعزت اور پرسکون زندگی گزار سکیں۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۳، محمد زرقانی، شرح المواھب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۷۱، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۴۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۳۔

نوٹ: طبری کے مطابق یہ سریہ ۴ھ میں پیش آیا تھا۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۴۲۔

Marfat.com

صلح حُدیبیہ

(ذی قعدہ❶ ۶ھ/ مارچ ۶۲۸ء)

مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مشکل سے ہی چند مسلسل مہینے پُرامن حالت میں گزارے ہوں گے۔ کبھی کوئی مہینہ نہیں گزرا جس میں ایک یا دو غزوے نہ ہوئے ہوں۔ متمدن دنیا کی تاریخ میں کسی شخص کو بھی اتنا زیادہ حیران و پریشان نہیں کیا گیا جتنا کہ اللہ کے اس آخری رسول ﷺ کو کیا گیا۔ آپ ﷺ نے غیر معمولی استقامت، اللہ کی ذات پر کامل یقین اور نصرت خداوندی پر مکمل اعتماد کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیت وقوت سے ان حالات کا مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو مثالی شخصیتوں کے حامل تھے دشمن کے حملے کے خوف کے پیش نظر بعض مرتبہ کئی ماہ تک اپنے جسم سے ہتھیار نہیں اتارتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے اتنی زیادہ محبت رکھتے تھے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہی وہ چیزیں تھیں جنھوں نے دنیا کی سب سے عظیم ہستی حضرت محمد ﷺ کے اس مشن کو کامیاب بنایا جسے آپ ﷺ نے انتہائی کم مدت اور سنگین حالات میں کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا۔ اس عظیم کامیابی کے حصول میں آپ ﷺ کی خداداد صلاحیتوں اور ہمت و جواں مردی کا پورا دخل تھا۔ اپنی پوری زندگی میں نہ تو آپ ﷺ نے کبھی سستی سے کام لیا اور نہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ میدان جنگ میں آپ ﷺ بہادر ترین انسان ثابت ہوئے اور عظیم ترین سپہ سالار۔ ساتھ ہی ساتھ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اللہ کے عبادت گزار بندے بن کر رہے۔

حج وعمرہ ادا کرنے کا حکم قرآن کریم میں نازل ہو چکا تھا (سورہ بقرہ آیات ۱۹۶۔۲۱۰) لیکن ابھی تک آپ ﷺ نے یا مسلمانوں میں سے کسی نے قریش کی دشمنی کی وجہ سے حج یا عمرہ

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۲۰۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۰، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۴۔

Marfat.com

ادا نہیں کیا تھا۔ شوال 6ھ میں رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے عمرہ ادا کیا ہے اور اس کے بعد حلق کروا رہے ہیں۔ چوں کہ نبی ﷺ کا خواب وحی کی ہی ایک قسم تسلیم کی جاتی ہے اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ کو عمرہ ادا کرنے جانا چاہیے۔ خواب میں اس کے لیے کوئی متعین سال و مہینہ نہیں بتایا گیا تھا❶۔ جو مسلمان مدینہ منورہ میں رہ رہے تھے وہ بھی کعبہ کی زیارت کے لیے بہت بے چین تھے کیوں کہ وہ اس کی مبارک زیارت سے برسوں سے محروم تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اگلے ماہ یعنی ذی قعدہ میں عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ آس پاس کے قبیلوں میں رہنے والے مسلمانوں کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی۔ ماہ ذی قعدہ ۶ھ (۱۳/ مارچ ۸۲۶ھ) میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ذہن میں جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا❷۔

قریش نے جن کی دشمنی ابھی سرد نہیں پڑی تھی مسلمانوں کو روکنے کا تہیہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع قبیلۂ خزاعہ کے سردار بدیل کے ذریعے ہوئی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے پھر بھی اسلام کی طرف ان کا میلان تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بدیل کے ذریعے قریش کو کہلوا بھیجا کہ مسلمان عمرہ ادا کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور ان کا لڑنے کا ارادہ بالکل نہیں ہے❸ لیکن قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ سے روکنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے اس لیے انھوں نے شہر کو جانے والے تمام راستے بند کر دیے اور خود مکہ مکرمہ کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ نامی ایک مقام پر پہنچ کر قیام پذیر ہو گئے اور آپ ﷺ نے اپنے اس پیغام کے جواب کا انتظار کرنا شروع کر دیا جو بدیل کے ذریعے قریش کے پاس بھیجا تھا۔ قریش کے کچھ سمجھ دار لوگ رسول اللہ ﷺ کی اس پر امن تجویز کو مان لینا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے آپ ﷺ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تو اس کے نتیجے میں جنگ ہو سکتی

---

❶ تفسیر القرآن العظیم، از ابن کثیر، تفسیر سورۃ الفتح، آیت ۲۷۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۰۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۰، ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۰۴۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۶، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۲، ۶۲۵۔

Marfat.com

ہے۔ مزید برآں ایک امن معاہدہ کے ذریعے قریش شام سے اپنے تجارتی لین دین کو دوبارہ بحال کر سکتے تھے، جس کا راستہ مسلمانوں نے بند کر دیا تھا۔ اس لیے قریش نے عروہ بن مسعود کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ وہ آپ ﷺ سے معاہدۂ امن کی شرائط پر گفتگو کر سکیں۔ عروہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا لیکن کسی معاہدے کی شرائط پر معاملہ طے نہ ہو سکا۔ بات چیت کے دوران رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر عروہ نے بے جا تنقید کی جس کا اس گفتگو پر اور زیادہ برا اثر پڑا۔ بہر حال عروہ کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی غیر معمولی محبت و عقیدت کا اندازہ ہو گیا اور واپس آنے پر اس نے قریش سے اس طرح بیان کیا: ”میں نے قیصرو کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن وہ عقیدت اور وارفتگی جو محمد ﷺ کے ساتھی، محمد ﷺ کے ساتھ رکھتے ہیں کہیں نہیں دیکھی ❶۔“

رسول اللہ ﷺ مایوس نہیں ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک اور قاصد خراش ابن امیہ الخزاعی ❷ کو ان کے پاس بھیجا مگر اس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی اور جس اونٹ پر وہ سوار تھے اس کی کونچیں کاٹ دی گئیں ❸ لیکن قریش نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مزید گستاخی کی اور ایک دستے کو مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں کو پہچان لیا گیا اور قیدی بنا لیا گیا مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا ❹۔ اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ کے جوار میں خون بہانے سے روکا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش سے امن کی بات چیت کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے تو قریش نے انھیں نظر بند کر لیا ❺ لیکن مسلمانوں کے کیمپ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی افواہ پھیل گئی ❻۔ اس سے

---

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۱، ص ۶۲۸، صحیح بخاری، کتاب الشروط، سیرۃ النبیؐ از علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۴۵۲۔

❷ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۶۷۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۳۱۴۔

❹ ایضاً۔

❺ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۶۷، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۷۷۔

❻ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۳۱۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۲، ابن [illegible] ص ۲۰۶

Marfat.com

مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ قریش جنگ پر آمادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس خبر پر کافی تشویش ہوئی کیوں کہ عربوں کے نزدیک اس وقت بھی ماہ حرام میں حرم کے اندر کسی کا قتل جرم عظیم سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اس مقدس مقصد کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی اور تاریخ میں اس کا نام ''بیعت الرضوان'' ہے ❶۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح ۴۸: ۱۸، ۱۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا۔ پس اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو لگے ہاتھ ایک فتح دے دی۔''

جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کر لی تو آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی نمائندگی کر رہا تھا) اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے ❷۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلط تھی اور آپ ﷺ صحیح و سالم قریش کے پاس سے واپس مسلمانوں کے پاس آ گئے۔

قریش نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جان نثاروں کی اس بے مثال جماعت کو آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ماضی کے ناقابل فراموش واقعات و شکستیں ان کے ذہن میں ابھی تازہ تھیں۔ اس لیے انھوں نے اپنے ایک اور قاصد سہیل بن عمرو کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدۂ امن کی گفت و شنید کے لیے بھیجا۔ کچھ گفتگو کے بعد بالآخر ایک معاہدہ تحریر کیا گیا جس کے تحت دونوں جماعتیں دس سال تک مندرجہ ذیل شرائط پر امن قائم کرنے پر راضی ہو گئیں ❸:

---

❶ ایضاً۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۶، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۷، عبد البر، الدرر، ص ۲۰۶۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۷، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۶، مزید ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر باب صلح حدیبیہ، صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد۔

Marfat.com

- مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے ہوئے واپس لوٹ جائیں گے۔
- وہ اگلے سال عمرہ ادا کرنے آ سکتے ہیں لیکن مکہ مکرمہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گی۔
- وہ مکہ مکرمہ میں بغیر ہتھیار آئیں گے۔ صرف تلواریں ان کے پاس ہوں گی اور وہ نیام میں رہیں گے۔
- مسلمان اپنے ساتھ کسی ایسے مسلمان کو نہیں لے جائیں گے جو کہ مکہ مکرمہ میں رہ رہا ہو۔ اور نہ ہی کسی ایسے مسلمان کے راستے میں حائل ہوں گے جو مکہ مکرمہ میں رہنا چاہتا ہو۔
- اگر اہل مکہ میں سے کوئی مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مکرمہ واپس آ جائے گا تو کفار اسے واپس نہیں کریں گے۔
- عرب قبائل کو آزادی ہو گی کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔

عام طور سے مسلمان معاہدے کے دفعات سے مطمئن نہیں تھے اور اس کو اپنے لیے باعث ہتک سمجھ رہے تھے۔ معاہدے کے تحریر کیے جانے کے دوران قریش کی ہٹ دھرمی اور نازیبا برتاؤ سے بھی وہ بہت ناراض تھے لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا۔

ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا اور اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ ابو جندل جو کہ سہیل ابن عمرو (وہ شخص جو قریش کی طرف سے معاہدہ لکھ رہا تھا) کے لڑکے تھے مسلمانوں میں شامل ہونے کے لیے آئے[1]۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اپنے جسم پر لگے وہ نشان دکھائے جو اسلام قبول کرنے کے باعث کفار کی اذیت کی وجہ سے لگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اُن کے اس دردناک منظر کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں سہیل سے کہا کہ معاہدے کی اس دفعہ میں ان کا استثنا کر دیا جائے جس کے تحت مکہ میں رہنے والا کوئی مسلمان مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے ساتھ آ کر نہیں رہ

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۸، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۶، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۵، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۳، صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد۔

Marfat.com

سکتا تھا۔ لیکن سہیل ابن عمرو نے رسول اللہ ﷺ کی درخواست کو صاف ٹھکرا دیا اور ابو جندل کو پکڑ کے مارا اور گھسیٹ کر پیچھے لے گیا۔ حضرت ابو جندل مدد کے لیے چلائے ❶ لیکن مسلمانوں نے جبراً و کرھاً اس کو برداشت کیا اور ان کی چیخ و پکار کے باوجود ان کی کوئی مدد نہ کر سکے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ معاہدے کو تمام چیزوں پر فوقیت دینا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ سے صبر کرنے کی تلقین کی۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو دوبارہ قید و بند کی حالت میں مکہ لے جایا گیا۔ دراصل ابو جندل رضی اللہ عنہ کا معاملہ بڑے امتحان کا معاملہ تھا۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کے حضور میں ایک ایسا شخص کھڑا تھا جس نے اسلام کی خاطر بہت سی اذیتیں جھیلی تھیں لیکن آپ ﷺ اس معاہدے کی رو سے اس کی مدد نہ کر سکے جو کچھ ہی دیر پہلے طے پایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور بھڑک اٹھے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا ''کیا آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟'' کیا ہم حق پر نہیں ہیں ❷؟'' رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوالوں کا جواب اثبات میں دیا اور فرمایا کہ آپ ﷺ وہی کر رہے ہیں جو اللہ کا حکم ہے۔

معاہدے پر دستخط ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو ذبح کیا اور اپنے سر کے بال منڈوائے۔ جب عام مسلمانوں نے آپ ﷺ کو سر منڈاتے دیکھا تو انھوں نے بھی وہی عمل کیا۔

صلح حدیبیہ...... مسلمانوں کی ایک عظیم فتح:

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو سورۂ فتح نازل ہوئی ❸۔

یہ سورہ اس طرح شروع ہوتی ہے:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ (فتح ۴۸:۱)

''بے شک ہم نے آپ ﷺ کو ایک کھلی ہوئی فتح دی۔''

نزول وحی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا جو اس معاہدے سے بہت زیادہ دل برداشتہ تھے اور بتایا کہ جس معاہدے کو وہ اپنے لیے باعث ہتک سمجھ رہے تھے وہ

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۵، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۳۔

❷ صحیح بخاری کتاب الشروط۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۲۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۸۔

Marfat.com

اللہ کی نگاہ میں زبردست فتح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اب پوری طرح مطمئن ہو گئے [1]۔ معاہدہ دراصل بہت سے معنوں میں ایک زبردست کامیابی تھی۔ جو واقعات اس معاہدے کے بعد پیش آئے ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے نہ صرف مسلمانوں کو فتح ہوئی بلکہ دعوتِ اسلام کے آگے بڑھنے میں بھی زبردست کامیابی ہوئی۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''معاہدۂ حدیبیہ سے دونوں فریقوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا اور دراصل رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ معاہدے کی وجہ سے جو کہ تقریباً دو سال تک جاری رہا اہل مکہ کو مسلسل بے بسی اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ معاہدے کی یہ دفعہ کہ محمد ﷺ کو اہل مکہ میں سے ان لوگوں کو جو ان کا مذہب چھوڑ چکے ہیں واپس مکہ بھیجنا پڑے گا، جس کے بارے میں وہ بہت پُر امید تھے، خود انھی کے خلاف پڑی، اور پھر ان کو محمد ﷺ سے یہ درخواست کرنی پڑی کہ آپ ﷺ اس دفعہ کو واپس لے لیں [2]۔''

معاہدے سے قبل مسلمان اور کفار مکہ کے آپس میں تعلقات نہیں تھے۔ معاہدے کے بعد اہل مکہ نے کاروباری سلسلے میں مدینہ منورہ آنا جانا شروع کیا۔ مہاجرین سے نسبی تعلق ہونے کی وجہ سے بھی بہت سے اہل مکہ مدینہ منورہ آئے۔ وہاں پر انھوں نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی دیکھی اور وہ ان کے اخلاق، نیکی، تقویٰ، اخلاص اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے دل جیت لیے، مؤرخین کے مطابق صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان جو وقت گزرا ہے اس میں نسبتاً نومسلموں کی تعداد پچھلے سالوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی اسی دوران اسلام قبول کیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد کا دور:

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ واپس لوٹنے پر ایک اور مکی مسلمان ابو بصیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ بھاگ آئے اور آپ ﷺ سے پناہ کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست کو معاہدے کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ قریش نے ان کو لینے کے لیے دو

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیہ۔

[2] جیسا کہ ایچ۔ جی۔ سرور نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے:

Marfat.com

آدمیوں کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کے حوالے کر دیا ❶۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو بھی ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرح صبر کی تلقین کی۔ جب ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ مکہ واپس جا رہے تھے تو انھوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی ❷۔ اسی اثنا میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے مجھے لوٹا کر معاہدے کی دفعہ پوری کر دی ہے۔ اب آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ کہہ کر وہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ہے رہنا شروع کیا۔ مکہ میں رہنے والے بے بس اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بھی چوری چھپے بھاگ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ اس طرح چند دنوں میں وہاں پر ایسے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ہوگئی جنھوں نے ریگستان اور بے آب و گیاہ میدان میں کافی تکلیفیں بھی اٹھائیں۔ کیوں کہ یہ لوگ کسی معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ اس لیے قریش کے کارواں جو ملک شام جایا کرتے تھے ان کو روک لیتے تھے جن سے ان کو مال غنیمت حاصل ہوا کرتا۔ قریش کو اس سے کافی نقصان پہنچا اور انھوں نے مجبور ہو کر بالآخر رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ معاہدے کی اس شرط کو ہم ختم کرتے ہیں۔ اب جو مسلمان چاہے مدینہ آ کر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مسلمانوں کو مدینہ منورہ بلا لیا ❸۔

---

❶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۵۸۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۲۳، ۳۲۴۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۲۴، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۹، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۸، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۸۸۔

Marfat.com

سلاطین وامراء کو دعوتِ اسلام

اس وقت تک نماز، روزہ وزکوٰۃ وغیرہ فرائض کے متعلق احکامات نازل ہو چکے تھے۔ جوئے اور شراب کو حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ حدیبیہ سے واپسی پر ماہ ذی الحجہ ❶ میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ قاصدین تیار کیے تا کہ ان کو دنیا کے کچھ مشہور سلاطین و امراء کے پاس جن سے آپ ﷺ واقف تھے دعوت اسلام کے سلسلے میں بھیجا جا سکے۔ چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو مسجد میں جمع کیا اور اس طرح خطاب فرمایا:

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے لیے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے جاؤ اور میری طرف سے پیغام حق دوسروں تک پہنچاؤ۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا ❷۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے کچھ سمجھ دار صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطوط دیئے تا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف سے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور امراء کو دعوت اسلام پہنچائیں۔ جو حضرات خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے ❸:

---

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۴، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۰۶، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸۔

نوٹ: ابن اثیر کی ایک روایت کے مطابق ان قاصدین کو ۸ھ میں بھیجا گیا تھا: الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۲۱۰، ابن خلدون کے مطابق یہ قاصدین صلح حدیبیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے درمیان کسی تاریخ میں گئے تھے۔ تاریخ، ج ۲، ص ۸۸۷، لیکن اس سلسلے میں ترجیحی قول یہ ہے کہ قاصدین ذی الحجہ ۶ھ میں بھیجے گئے تھے اور اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۰۸، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۵۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۰۷، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۵۸، ۲۶۳، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۴۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۸۷۔

Marfat.com

⊙ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی	بازنطینی (مشرقی رومی) سلطنت کے بادشاہ ہرقل کے پاس۔
⊙ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن حذافہ سہمی	فارس ۰ ایران) کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس۔
⊙ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ابن ابی بلتعہ	بادشاہ مصر مقوقس کے پاس۔
⊙ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابن امیہ	بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس۔
⊙ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ ابن عمرا بن عبد شمس	رؤسائے یمامہ کے پاس۔
⊙ حضرت شجاعہ رضی اللہ عنہ ابن وہب الاسدی	شام کے گورنر حارث غسانی کے پاس۔
⊙ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابن عاص سہمی	امیر عمان کے پاس۔
⊙ حضرت علاء رضی اللہ عنہ ابن حضرمی	بحرین کے امیر منذر ابن ساویٰ کے پاس۔

رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، اور اس پر یہ الفاظ کندہ کروائے:

''محمد رسول اللہ''

تمام خطوط پر اس سے مہر لگائی گئی۔ زیادہ تر خطوط کے مضامین یکساں تھے۔ جو خط ہرقل کے پاس بھیجا گیا تھا اس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا[1]:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد ابن عبداللہ جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے کی طرف سے ہرقل کے نام جو عظیم ملک روم ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اس کے بعد! میں تجھے اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوگنا اجر عطا کرے گا لیکن اگر تو نے نہیں مانا تو تیرے اوپر تیرے تمام عوام کا بھی گناہ ہوگا۔

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران ۳:۶۴)

''اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کو چھوڑ کر خدا نہ بنائے۔ اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم (اللہ کی)

---

[1] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۹، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۹، فتح الباری۔

Marfat.com

تابع داری کرتے ہیں ❶۔"

ہرقل اس وقت یروشلم میں ایرانیوں پر فتح کا جشن منا رہا تھا۔ اس نے تحقیق حالات کے لیے کچھ عربوں کو بلوایا جو اس وقت ایک تجارتی سفر پر آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان اس تجارتی قافلے کا سردار تھا۔ وہ بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ اور جب بادشاہ نے اس سے معلومات حاصل کیں تو اس نے اسلام کی تمام تعلیمات کو پوری امانت داری کے ساتھ بتایا حالاں کہ وہ اس وقت ایک کافر تھا۔ بادشاہ اسلام کے بارے میں یہ باتیں سن کر بہت متاثر ہوا اور کہا کہ یہ سچائی کا پیغام ہے۔

ایران کا بادشاہ خسرو پرویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر بہت برہم ہوا۔ اس بات نے اس کو بہت برانگیختہ کیا کہ اس کے زعم میں ایک عام آدمی اس کو برابر کے رتبہ میں لکھتا ہے۔ "محمد ابن عبداللہ کی طرف فارس خسرو کے نام۔" غضب ناک ہو کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو دو ٹکڑوں میں پھاڑ دیا ❷۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اس کی سلطنت کو دو ٹکڑوں میں پھاڑ دے ❸۔" خسرو اپنے گھمنڈ میں یہاں تک آگے بڑھ گیا کہ اس نے یمن کے گورنر کے پاس حکم بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے اس کے پاس لائے۔ جب گورنر کے آدمی مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی کہ عنقریب سلطنت فارس میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ گذشتہ رات خدا نے خسرو کا خاتمہ کر دیا ❹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔ خسرو کو اس کے بیٹے نے اسی رات قتل کروا دیا۔ اس کے بعد سلطنت فارس میں زبردست خلفشار پیدا ہوا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے گئے۔ یمن کے گورنر نے ان پیشین گوئیوں کے صحیح ثابت ہو جانے پر اسلام قبول کر لیا اور سلطنت فارس کا جُوا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

❶ صحیح بخاری، باب کیف کان بداء الوحی۔

❷ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۵۵، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۹۲، محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ج ۱، ص ۱۱۳۔

❸ صحیح بخاری، باب کتاب النبیؐ الی قیصر وکسریٰ۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۶۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۵۶، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۸۳۔

Marfat.com

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا۔ مصر کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفہ تحائف بھیجے۔ ان تحفوں میں دو نوجوان عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک لڑکی کا نام ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھا جو حرم نبوت میں داخل کرلی گئیں اور دوسری لڑکی کا نام سیرین تھا جو اسلام کے مشہور شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو عطا کردی گئیں۔ اس نے ایک خچر بھی بھیجا تھا جس کا نام ''دلدل'' تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ حنین میں استعمال کیا۔

رئیس یمامہ ہوذہ ابن علی نے جواب دیا: ''تمھاری تعلیمات بہت اچھی ہیں اور اگر تم اپنی حکومت میں مجھے حصہ دو تو تمھاری اقتدا کے لیے تیار ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نفی میں کہلوا دیا۔ شام کا گورنر حارث غسانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر بہت برہم ہوا۔ اس نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے تیار رہیں۔ مسلمان اس کی فوجوں کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ کبھی نہیں آپائیں۔

Marfat.com

ہجرت کا ساتواں سال

غزوہ خیبر

مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تقریباً دو سو میل درہ خیبر کے مقام پر یہود کا زبردست گڑھ تھا۔ یہ مقام شام کی سرحد کے قریب تھا۔ جلاوطن ہونے کے بعد بہت سے یہود خیبر جا کر بس گئے تھے جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بیشتر یہودیوں نے یہاں پناہ لی تھی۔ جنگ خندق کے بعد یہودیوں کی عداوت اور زیادہ بڑھ گئی۔ منافقین کے سردار عبداللہ ابن ابی کا ان سے خفیہ گٹھ جوڑ تھا اور وہ ان کو مسلمانوں کی حرکات وسکنات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ یہودیوں نے اعرابی قبائل کے ساتھ مل کر ایک بار پھر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی سازش کی۔ انھوں نے مسلمانوں کے قافلے لوٹے اور بہت سے مسلمانوں کو قتل بھی کیا۔ مدینہ کے قریب کچھ ایسے دیہاتوں پر حملہ کر کے جہاں مسلمان سکونت پذیر تھے کافی لوٹ مار کی۔

رسول اللہ ﷺ کو خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی کہ یہ دشمنانِ اسلام مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس بار خود دفاع کے لیے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اپنے اس ارادے کو انتہائی راز میں رکھا تاکہ یہودی چوکنّا نہ ہو جائیں۔ محرم 7ھ میں رسول اللہ ﷺ سولہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے اور سباع رضی اللہ عنہ بن عرفطہ غفاری کو اپنی عدم موجودگی میں مدینہ کا افسر مقرر کیا۔ آپ ﷺ یہودیوں کے مضبوط گڑھ خیبر تین دن سفر کرنے کے بعد پہنچے۔ خیبر اور غطفان کے درمیان رجیع نام کا ایک مقام تھا جو جنگی نقطۂ نظر سے انتہائی اہم تھا۔ اس پر قبضہ کرنے سے خیبر اور غطفان کے درمیان

Marfat.com

رابطہ ختم ہو جاتا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اس مقام پر ایک محافظ دستہ متعین کیا تاکہ آس پاس کے قبائل یہودیوں کو مدد نہ پہنچا سکیں۔ قبیلہ غطفان والے اپنے دروازے بند کر کے خاموش بیٹھ گئے۔

یہودیوں کی تیاری:

۴ (یا ۵) محرم ۷ھ میں جب یہودیوں نے اچانک محمد ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر پر حملہ کرنے کے ارادے سے آتے ہوئے ❶ دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ یہودی فوراً اپنے قلعوں کی طرف بھاگ گئے۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف یہ ان کا آخری دفاع ہے۔ خیبر میں کئی گڑھیاں اور ۸ بڑے قلعے تھے۔ قلعوں کے نام یہ تھے: ناعم، سلالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق اور مربط۔ مؤرخین کے مطابق خیبر کے ان قلعوں میں یہودیوں کے تقریباً ۲۰ ہزار سپاہی تھے ❷ اپنے سردار سلام ابن مشکم کے مشورے سے انھوں نے اپنا تمام اثاثہ عورتیں اور بچے سلالم اور وطیح نامی قلعوں میں محفوظ کر دیئے اور ان کے سپاہیوں نے ناعم۔ نطاۃ اور قموص وغیرہ قلعوں میں مورچے سنبھال لیے۔ قموص ان کا سب سے مشہور قلعہ تھا جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا سردار عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا ❸۔ اس قلعہ میں ابن ابی الحقیق کا خاندان بھی رہتا تھا۔ مرحب ایک ہزار سواروں پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۰۸۔

❷ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۸۴۔

❸ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱ ص ۴۸۴، مزید ملاحظہ ہو تاریخ از یعقوبی، ج ۲، ص ۵۶ (حوالہ از شبلی نعمانی)

نوٹ: ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن عبدالبر، طبری اور ابن خلدون وغیرہ نے قموص کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا یعنی اس کا سردار ابن ابی الحقیق تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق سیرۃ الرسولؐ اللہ، (ترجمہ از گلیوم) ص ۵۱۱، ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۳۳۱، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲ ص ۷۹۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۱۰، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۲۱۷۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ بنی نضیر کے جلاوطن سرداروں میں سے سلام ابن ابی الحقیق، کنانہ ابن الربیع ابن ابی الحقیق، اور حیی ابن اخطب، خیبر چلے گئے تھے، جب وہ وہاں پہنچے تو وہاں کے رہنے والے ان کے زیر اثر ہو گئے۔ (سیرۃ الرسولؐ اللہ، انگریزی از گلیوم، ص ۴۳۸، السیرۃ النبویہؐ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۹۱)

Marfat.com

خیبر کے نزدیک ایک مقام صہبا پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی اور کھانا تناول فرمایا۔ کھانے میں جو کے ستو تھے ❶۔ اس کے بعد آپ ﷺ پھر روانہ ہو گئے اور رات تک خیبر پہنچ گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور فوج کو آرام کا حکم دیا۔

فتح خیبر:

رسول اللہ ﷺ کا ارادہ لمبے محاصرے کا نہیں تھا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا کہ یہودیوں نے جنگ کی تیاری کر لی ہے تو آپ ﷺ نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ پہلی جنگ ناعم پر لڑی گئی ❷۔ ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں مسلمان فوج کے اس حصے کے کمانڈر محمود ابن مسلمہ شہید ہو گئے لیکن مسلمانوں نے بالآخر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بغیر کسی خاص دشواری کے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے قلعے بھی فتح کر لیے گئے۔ پھر وہ خیبر کے مشہور قلعہ قموص پہنچے۔ یہ جنگ تقریباً ۲۰ دن تک جاری رہی۔ روزانہ مسلمان صبح کے وقت قلعے پر حملہ کرنے جاتے لیکن شام کو ناکام واپس آ جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی باری باری بھیجا لیکن وہ بھی اپنی مہموں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ ہمت و استقلال کا پہاڑ تھے۔ ایک شام آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ ایک ایسے شخص کو علم عطا فرمائیں گے جس کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) محبوب رکھتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی ❸۔ ہر شخص اس کا منتظر تھا اور دل سے خواہش مند تھا کہ وہی وہ شخص ہو۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ نے

= سلام ابن ابی الحقیق جو عام طور پر ابن ابی الحقیق کے نام سے مشہور تھا ان سب میں بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے وہ قموص کا سردار بن گیا جس کا حکمران عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا۔ حضرت صفیہؓ اسی قلعہ میں رہتی تھیں۔ وہ حیی ابن اخطب کی صاحب زادی اور کنانہ ابن الربیع ابن الحقیق کی بیوی تھیں۔
(السیرۃ از ابن ہشام، ج۲، ص۳۳۱)

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۲۳۰۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۳۳۴، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص۱۱۰، ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج۳، ص۱۲، ابن عبدالبر، الدرر، ص۲۱۱، ۲۱۲، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۲۱۹۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے ان کو زرہ پہنائی اور اپنی تلوار و عصا دیا اور اس دن لڑنے والی فوج کا سالار بنا کر جنگ کے لیے روانہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مرحب قلعے سے باہر نکل آیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو بدو لڑنے کی دعوت دی۔ مرحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائی ہوئی ❶ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی وار میں مرحب کو ہلاک کر دیا ❷۔ پھر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے قلعے کے دروازے کا ایک ستون اٹھا لیا اور اس کو بطور ڈھال استعمال کیا۔ بالآخر یہود پسپا ہوئے اور مسلمانوں کو اس جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

اپنا سب سے مضبوط قلعہ قموص کھونے کے بعد یہودیوں کو احساس ہوا کہ ان کا انجام برا ہوگا اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کو اس شرط پر امان دے دیں کہ خیبر کی پیداوار کا آدھا حصہ آپ ﷺ کو دیا جائے گا ❸۔ ان کے جان و مال، عورتوں و بچوں کو ہاتھ نہیں لگایا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو اندازہ تھا کہ یہ لوگ اپنا وعدہ پورا نہیں کر پائیں گے پھر بھی آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور انھیں امان دے دی۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو ان تمام یہودیوں کی سزا بھی موت تھی۔ اس کے برخلاف رسول اللہ ﷺ نے ایک قابل ملامت دشمن کو معاف کر کے بے مثال حسن اخلاق کا ثبوت دیا ہے۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۲، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۳، ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۲، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۱۲، ۲۱۳، ابن اثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۸۷۔

نوٹ: ابن اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ کے مطابق محمد ابن مسلمہ نے مرحب کا چیلنج قبول کیا اور اسے قتل کیا۔ ابن اسحاق، سیرۃ الرسول اللہ (انگریزی ترجمہ از گلیوم ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۳۳، ۳۳۴، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۰۔۱۱، مگر صحیح مسلم کی روایت میں مرحب سے لڑائی کے سلسلے میں حضرت علیؓ کا نام ذکر ہے، ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر (حدیث ۱۸۰۷)، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۹۲۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۳۷، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۴، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۱۴، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۵

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو زہر دینے کی کوشش:

یہودیوں نے بظاہر تو آپ ﷺ سے صلح کر لی تھی لیکن غدارانہ طور پر وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش میں مصروف تھے۔ ان کے طریقے ناقابل فہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے امن معاہدہ کرنے کے فوراً ہی بعد انھوں نے آپ ﷺ کی جان لینے کی ایک اور سازش کی۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے یہودی سردار سلام ابن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث کو اکسایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے کھانے میں مدعو کرے اور اس میں زہر دے دے۔ کھانے پر جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے نوالہ اٹھا کر منہ میں ڈالا کہ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے اطلاع ملی کہ اس کھانے میں زہر ہے [1]۔ آپ ﷺ نے فوراً اس کو تھوک دیا۔ اس کے باوجود زہر کا معمولی سا اثر وفات تک رہا۔ آپ ﷺ مزید کھانے سے رک گئے لیکن آپ ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ ابن براء نے کچھ کھانا کھا لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو سوالات کے لیے بلایا۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا لیکن رحمت عالم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا جب دو یا تین دن کے بعد زہر کے اثر سے حضرت بشر رضی اللہ عنہ ابن براء کی وفات ہوگئی تو اس جرم میں اس عورت کو شریعت کے مطابق سزائے موت دی گئی [2]۔

فدک کے لوگوں کی باج گزاری:

خیبر کی فتح کے بعد اسی سے قریب یہودیوں کی ایک اور آبادی فدک کے یہود بھی بغیر کسی لڑائی کے رسول اللہ ﷺ کے باج گزار بن گئے۔ خیبر ہی کی طرح کچھ شرائط پر ان کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا گیا۔ فدک کا پورا حصہ صرف نبی کریم ﷺ کے لیے مخصوص تھا کیوں کہ کوئی لڑائی پیش نہیں آئی تھی [3]۔

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۳۸، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۱۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۱۷۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۰۷، بخاری نے بروایت ابوہریرہؓ اس واقعہ کو مختصراً نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری، الشاة التی سمت للنبیؐ بخیبر۔

[3] ابن ہشام، السیرة النبویہؐ، ج ۲، ص ۳۵۳۔

Marfat.com

وادیٔ القریٰ کے لوگوں کی باج گزاری:

خیبر اور تیمہ کے درمیان وادی القریٰ نامی مقام پر یہود کی ایک اور آبادی تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرمایا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ قوم عاد و ثمود کی بستی تھی ❶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارادہ ان کے ساتھ لڑائی کا نہیں تھا لیکن یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش شروع کر دی جس کے نتیجے میں معمولی لڑائی ہوئی اور دشمن کو ہتھیار ڈالنا پڑا۔ پھر خیبر کی طرح ایک معاہدہ عمل میں آیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کنانہ کی بیوی تھیں۔ کنانہ خیبر کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا اور جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں ❷۔ چونکہ وہ ایک سردار کی بیوی تھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عزت دینے کی خاطر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے سات اونٹوں کے بدلے میں انھیں خرید لیا۔ پھر انھیں آزاد کر دیا اور ان کا پہلا مقام برقرار رکھنے کے لیے ان سے شادی کر لی ❸۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ عروس خیبر ہی میں گزری ❹۔ صبح کو دعوت ولیمہ دی گئی جس میں کافی مقدار میں کھجوریں، پنیر اور مکھن تھا۔ زمین کو ایک منبر کی شکل میں تھوڑا سا اونچا کر دیا گیا جس پر دستر خوان بچھا کر مہمانوں کو کھلایا گیا ❺۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خیمہ میں شب عروس گزار رہے

---

❶ معجم البلدان (لفظ قریٰ)

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۶۔

❸ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کا بیسواں باب (حضرت صفیہؓ کے حالات) ملاحظہ ہو۔

❹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۲۹۔

نوٹ: ابن ہشام کے مطابق یہ شادی یا تو خیبر میں ہوئی تھی یا خیبر سے واپسی پر خیبر اور مدینہ کے درمیان کسی جگہ ہوئی تھی۔ مزید ملاحظہ ہو ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۶۔

❺ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۶، مزید ملاحظہ ہو، السیرۃ النبویہ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۴۰۔

Marfat.com

تھے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر رات بھر خیمہ کی حفاظت کرتے رہے۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو وہاں دیکھا تو آپ ﷺ کو تعجب ہوا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ یہ لڑکی (حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا) نوجوان ہے اور اس نے حال میں اسلام قبول کیا ہے۔ ابھی کل تک وہ کنانہ کی بیوی تھی جو جنگ میں قتل کر دیا گیا ہے (ہوسکتا تھا کہ اس واقعہ سے برانگیختہ ہوتیں) اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپ ﷺ کے خیمہ کی حفاظت کروں تاکہ اگر یہ کوئی نازیبا حرکت کرتیں تو میں آپ ﷺ کی پکار پر وہاں موجود رہتا۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس چوکیداری پر دعا دی ❶۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنی اس شادی سے بہت خوش تھیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی ایک آنکھ پر چوٹ کا نشان تھا۔ جب آپ ﷺ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے کہا جب کہ وہ کنانہ کی بیوی تھیں تو ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ جب یہ خواب انھوں نے کنانہ سے بیان کیا تو اس نے برہم ہو کر ان کو مارا، اور کہا: ''یہ کیا خواب ہے تو حجاز کے اس بادشاہ، اس نبی ﷺ کو اپنا شوہر بنانے کے لیے للچا رہی ہے ❷۔'' پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ وہی نشان ہے جو کنانہ کی مار پیٹ سے لگا تھا ❸۔

---

❶ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۱۲۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۳۶، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۹۷۔

❸ ایضاً۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی پر استقبال

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس آرہے تھے تو آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب اور دوسرے مسلمان جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے وہاں سے واپس آ گئے۔ آپ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں میرے لیے کون سی مسرت زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد یا خیبر کی فتح[1]۔'' ابن ہشام نے ان مسلمانوں کے نام لکھے ہیں جو اس موقع پر حبشہ سے واپس آئے تھے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تکمیل:

خیبر سے مدینہ منورہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تکمیل کی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان کی صاحب زادی تھیں اور بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حبشہ میں کر دیا تھا۔

بعض چھوٹی مہمات:

غزوۂ خیبر کے بعد اس سال کچھ چھوٹے سرایا بھی پیش آئے۔ یہ سرایا عمرۂ قضا سے پہلے پیش آئے تھے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ان کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیلات ''الطبقات الکبریٰ'' از ابن سعد (۲/۱۱۷، ۱۲۰) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے ابن سعد کے قول کو ہی ترجیح دی ہے۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۵۹۔

Marfat.com

(۱) سریۂ عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب[1]:

ماہ شعبان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت میں ۳۰ آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ ترابہ بھیجا گیا۔ یہ مقام مکہ سے نجران جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس جگہ قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ عجز رہتی تھی۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع سن کر دشمن بھاگ نکلا۔

(۲) سریۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[2]:

یہ سریہ بھی شعبان میں نجد کے بنی کلاب کی طرف بھیجا گیا۔ ایک مختصر سی لڑائی کے بعد دشمن پسپا کر دیا گیا۔

(۳) سریۂ بشیر رضی اللہ عنہ ابن سعد انصاری بجانب بنی مُرّہ[3]:

بنی مرہ نے خیبر میں یہودیوں کی مدد کی تھی اس لیے تنبیہ کے لیے شعبان میں ایک سریہ ان کی جانب بھیجا گیا۔ ان سے ایک مختصر سی جنگ ہوئی جس میں دشمنوں کے تیروں سے کچھ مسلمان بھی زخمی ہو گئے لیکن پھر دشمن بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔

(۴) سریۂ غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ:

ماہ رمضان میں نجد کے ایک مقام میفعہ کی طرف ایک اور سریہ بھیجا گیا جس میں ایک جنگ ہوئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ابن زید نے اس سریہ کے دوران ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے بظاہر اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ سریہ سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی اور غصے سے فرمایا کیا تم نے اس کا سینہ چاک کر کے دیکھا تھا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اگر کوئی جنگ کے دوران بھی اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۷۔

[2] ایضاً ص ۱۱۷، ۱۱۸۔

[3] ایضاً ص ۱۱۸۔

Marfat.com

⑤ سریہ بشیر رضی اللہ عنہ ابن سعد انصاری بجانب جبار:

یہ سریہ ۷ھ شوال میں یمن اور غطفان قبیلہ کی شاخ جبار کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس میں معمولی سی جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے دشمنوں کو پسپا کر دیا اور کافی مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔

مندرجہ بالا سرایا کا مقصد ان قبائل کو سزا دینا تھا جنھوں نے خیبر کے یہودیوں کی مدد کی تھی۔ اس کے علاوہ جنگجو بدوؤں کو بھی منتشر کرنا تھا جن کا مقصد لوٹ مار اور رہزنی تھا۔

Marfat.com

اداء عمرۃ القضا

صلح حدیبیہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے سال یعنی ۷ھ میں عمرہ ادا کرنے جانا تھا۔ دراصل یہ عمرہ قضا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۷ھ [1] میں دو ہزار جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کرنے تشریف لے گئے۔ سات سال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عزیز وطن مکہ مکرمہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اب اس کا موقع ملا تھا۔ معاہدے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے ساتھ نیام بند تلواروں کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہیں لے گئے تھے۔ کفار نے شہر خالی کر دیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسرت و خوشی سے معمور اور اللہ کی محبت میں سرشار تھے۔ مسلمان مکہ میں شمالی جانب سے داخل ہوئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ کی نکیل پکڑ رکھی تھی اور تمام مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ثابت ہوا اور اللہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح ۴۸: ۲۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھلایا جو واقعہ کے مطابق ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ۔ اس حال میں کہ تم میں سے کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتراتا ہوگا۔ تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۷۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۰، ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۲۳، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۲۱۔

Marfat.com

ہیں جو تم کو معلوم نہیں۔ پھر اس سے پہلے عنقریب ایک اور فتح ہوگی۔" (اس سے مراد فتح خیبر ہے)

مکہ مکرمہ میں تین دن گزار کر جب آپ ﷺ تشریف لانے کو تیار تھے تو ایک بہت ہی الم ناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی رسول اللہ ﷺ کو "چچا"، "چچا" پکارتی ہوئی آئی۔ (حالاں کہ آپ ﷺ اس کے چچا زاد بھائی تھے لیکن انھوں نے احتراماً ایسا کہا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا لیکن بعد میں اس کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (اس کی خالہ) کے حوالے کر دیا گیا کیوں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ بھی اس کو اپنے چچا کی لڑکی ہونے کی وجہ سے دعویٰ کر رہے تھے۔

Marfat.com

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابن ولید اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص وغیرہ کا قبول اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے کچھ دن بعد قریش کے ایک نام ور جرنل حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے اعلان کیا کہ انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو دیکھ لیا ہے۔ اس لیے وہ اسلام قبول کرتے ہیں۔ عکرمہ اور دوسرے لوگوں نے ان کو اس سے روکا، لیکن انھوں نے کسی کی نہ سنی۔ ان کے اس فیصلے کو سن کر ابوسفیان غصے سے بھڑک اٹھا اور ان کو مارنے جا رہا تھا کہ عکرمہ وغیرہ بیچ میں آ گئے اور انھوں نے اس سے کہا: ”کیا تم اس کو اس کی رائے کی وجہ سے قتل کر دو گے حالاں کہ سب کے سب قریش وہی رائے رکھتے ہیں جو اس کی ہے۔ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو سب کے سب قریش ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں گے۔“ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجنبی محسوس کیا۔ اس لیے وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ اسی دوران عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص اور عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ بھی مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ابن سعد کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابن ولید، عمرو رضی اللہ عنہ ابن عاص اور عثمان رضی اللہ عنہ ابن طلحہ یکم صفر ۸ھ کو مدینہ منورہ پہنچے تھے [1]۔

۷ھ کے آخر تک اسلام کی جڑیں کافی مستحکم ہو چکی تھیں اور یہ صرف کچھ ہی دنوں کی بات رہ گئی تھی جب یہ ایک تناور پھل دار درخت کی شکل میں دوسرے تمام ادیان پر چھا جائے جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص ۲۵۲۔

Marfat.com

مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا﴾ (الفتح ۲۹:۴۸)

''......(اس کی مثال ایسی ہے) کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجرعظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔''

سریۂ ابن ابی عوجا:

ابن سعد کے مطابق[1] رسول اللہ ﷺ نے ذی الحجہ ۷ ھ میں ابن ابی عوجا کو ۵۰ آدمیوں کے ہم راہ بنوسلیم کی طرف بھیجا۔ وہاں ایک جنگ ہوئی اور دشمن پسپا کر دیا گیا۔ اگلے سال بنوسلیم نے مدینہ منورہ آ کر اسلام قبول کر لیا۔

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۳۔

Marfat.com

بعض متفرق احکامات جو اس سال نازل ہوئے

(۱) جنگ خیبر کے دوران پالتو گدھے کا گوشت حرام کر دیا گیا۔
(۲) متعہ قیامت تک کے لیے حرام کر دیا گیا۔
(۳) گوشت خور جانوروں (درندوں) کا گوشت بھی اسی سال حرام کر دیا گیا۔
(۴) عدت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔
(۵) مال غنیمت کی تقسیم کے احکامات بھی اسی سال نازل ہوئے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی مکہ مکرمہ میں ہوئی جب کہ آپ ﷺ عمرۂ قضا ادا کرنے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل کی بہن تھیں اور بیوہ تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی شادی کا پیغام حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھجوایا تھا۔ قریش سے اچھے تعلقات قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ شادی کی۔ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا مگر شب عروس مقام سرف (مکہ سے تقریباً دس میل فاصلہ پر ایک جگہ) میں اس وقت گزاری جب کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس لوٹ رہے تھے [1]۔

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا باب نمبر ۲۰۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

Marfat.com

ہجرت کا آٹھواں سال

سریۂ غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ بجانب بنی المُلوَّح

صفر ۸ھ میں کدید کے نزدیک بنی الملوح (بنولیث) کی طرف حضرت غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ کلبی کی سرکردگی میں ایک سریہ بھیجا گیا ❶۔ یہ مقام مکہ کی شاہراہ پر واقع ہے۔ یہ حملہ کامیاب رہا۔ مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر کچھ جانور ملے۔ دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے دوبارہ ایک جماعت اکٹھی کی لیکن سیلاب کی شکل میں اللہ کی بروقت مدد سے مسلمان اس حملہ سے بچ گئے۔ یہ سیلاب بغیر کسی بارش کے آیا تھا۔ بعد میں مسلمان بحفاظت مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریۂ غالب رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ بجانب مصاب:

مندرجہ بالا سریہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دو سو آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی سرکردگی میں بجانب مصاب (قریب فدک) روانہ کی ❷۔ یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ کچھ اونٹ بھی آئے۔

سریۂ شجاع رضی اللہ عنہ ابن وہب بجانب ذات عرق:

ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ نے شجاع رضی اللہ عنہ ابن وہب اسدی کی سرکردگی میں چوبیس (کچھ روایتوں کے مطابق پچیس) آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ بنوعامر کی جانب ذات عرق بھیجا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر تھا ❸۔ ایک معمولی لڑائی کے بعد دشمن بھاگ نکلا اور مسلمانوں کو مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں۔

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۹، ۶۱۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۴۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱۴، ص ۱۲۶۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۱۲۷۔

Marfat.com

سریۂ کعب رضی اللہ عنہ ابن عمیر بجانب ذات اطلح:

ماہ ربیع الاول میں ہی پندرہ آدمیوں پر مشتمل ایک اور سریہ ذات اطلح کی طرف بھیجا گیا۔ یہ مقام شام کی سرحد پر واقع ہے ❶۔ اس سریے کا مقصد دشمن کی پیش رفت پر نگاہ رکھنا تھا۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں پر انھوں نے لوگوں کی ایک بڑی جماعت دیکھی، مسلمانوں نے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں انھوں نے تیروں کی بارش کی۔ مسلمان بڑی جان بازی سے لڑے لیکن ایک کے علاوہ سب شہید ہو گئے۔ جو ایک آدمی بچ نکلا تھا اس نے مدینہ منورہ آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس حادثے کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ اس حادثے پر بہت افسردہ ہوئے اور وہاں ایک غزوہ کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ابھی مسلمان مدینہ سے نکلے بھی نہیں تھے کہ معلوم ہوا کہ دشمن بھاگ کھڑا ہوا ہے اس لیے آپ ﷺ نے فی الحال اس ارادے کو ترک کر دیا❷۔

جیسا کہ پہلے کئی بار تحریر کیا جا چکا ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے سرایا کا مقصد یا تو قزاقوں اور لٹیروں کو سزا دینا تھا اور یا دشمن کو منتشر کرنا تھا۔ اس زمانے میں صحرا میں رہنے والے بدوؤں کا ذریعہ آمدنی صرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان تمام بدعنوانیوں پر پابندی عائد کی تو وہ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے ان مسلمانوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد جزیرۃ العرب کے اندر ایک پُر امن اور خوش حال معاشرہ قائم کرنا تھا۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے رسول اللہ ﷺ ان تمام لوگوں سے نبرد آزما ہوئے جو پاکیزہ مقصد کے حصول میں حائل تھے جس کے نتیجے میں ایک بہت ہی قلیل مدت میں پورے جزیرۃ العرب میں امن قائم ہو گیا۔

غزوۂ موتہ ❸ (یعنی سریۂ موتہ)

رسول اللہ ﷺ نے جو قاصدین مختلف بادشاہوں و امراء کے پاس بھیجے تھے ان میں

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۷۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸۔

❸ موتہ اردن کے شہر کرک سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے تقریباً ۱۱ سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

Marfat.com

سے ایک قاصد حارث رضی اللہ عنہ ابن عمیر ازدی تھے۔ ان کو بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ موتہ پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو قتل کر دیا❶۔ شرحبیل قیصر روم ہرقل کا گورنر تھا۔ قاصدوں کا قتل تمام قبائل کے نزدیک غیر اخلاقی سمجھا جاتا تھا اور بین الاقوامی جرم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے پر بے چین ہو گئے۔ جمادی الاول ۸ھ (اگست/ستمبر ۶۲۹ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ❷ کی سرکردگی میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کو شام کی جانب روانہ ہونا تھا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان ان سے خائف نہیں ہیں۔ ایک آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تمھارے امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو تم اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لینا❸۔''

شرحبیل کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کی روانگی کی اطلاع ملی۔ اس نے ان سے مقابلے کے لیے ایک لاکھ فوج تیار کی اور خود اس کا سپہ سالار بنا۔ مسلمانوں نے سفر کے دوران یہ افواہ بھی سنی کہ خود ہرقل بھی مزید ایک لاکھ فوج کے ساتھ ان کے مقابلے پر آ رہا ہے۔ اس لیے مسلمان ''معان'' کے مقام پر دو راتوں کے لیے ٹھہر گئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ❹ کی جوشیلی و بلیغ تقریر سننے کے بعد انھوں نے طے کیا کہ وہ ہر حال میں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ علم بردار تھے اور انھوں نے کارروائی کے سلسلے میں ہدایت دی۔ ایک سخت جنگ ہوئی جس میں شرحبیل کا بھائی قتل ہو گیا اور خود اس نے ایک قلعے میں پناہ لی۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۴۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۷۳، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۹۸، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۳۶۔

❸ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۰، ۴۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸۔

❹ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۵۔

Marfat.com

اس نے ہرقل کو فوری مدد کے لیے درخواست بھیجی جس کے جواب میں رومی بادشاہ نے ایک زبردست فوج اس کی مدد کے لیے بھیجی، اب مسلمانوں کا مقابلہ ایک زبردست لشکر سے تھا۔ دوران جنگ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ شہید ہو گئے پھر علم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا۔ انھوں نے قصداً اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ کر اس کو ناکارہ بنا دیا تاکہ میدان جنگ سے واپسی کا خیال بھی ذہن میں نہ رہے۔ پھر وہ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور شہادت تک جاں بازی سے لڑتے رہے۔ ان کی شہادت کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے علم تھام لیا لیکن وہ بھی ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد مارے گئے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو اپنا امیر مقرر کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کے سخت جانی نقصان کو محسوس کیا۔ فنون جنگ، ہمت و جواں مردی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی بچی کھچی فوج کو دوبارہ منظّم کیا۔ اس بار مسلمان کچھ زیادہ کامیابی سے لڑے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔ شام کے وقت جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی کر دی گئی ❶۔

اگلے دن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو کافی دور تک پھیلا دیا گویا کہ وہ دشمن کے چاروں طرف گھیرا ڈال رہے ہوں مگر رومیوں نے جنگ نہیں کی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے منصوبے کے مطابق بچی ہوئی فوج لے کر موتہ سے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ رومی مسلمانوں کے جانے پر اور لڑائی کے خاتمے پر خوش ہوئے کیوں کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مزید مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے مسلمان اس لشکر کی اس طرح واپسی پر خوش نہیں ہوئے اور جب اہل لشکر مدینہ منورہ پہنچے تو انھوں نے ان پر دھول پھینکی اور کہا: ''فرارون!'' یعنی ''او فرار یو! تم اللہ کے راستے سے بھاگ آئے۔'' رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی طرف سے مسلمانوں کا جواب دیا: ''لا فرارون بل کرّارون ❷۔'' (یعنی ہم فرار ہونے والے نہیں ہیں بلکہ ان شاء اللہ بار بار حملہ

---

❶ جنگ کی تفصیل کے لیے، ملاحظہ ہو: زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۴، ۴۱۵، السیرۃ النبویۃ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۷۳، ۳۷۶، الطبقات الکبریٰ، از ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۸۔۱۲۹۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۸۲، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۲ (ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں: ویقولون یا فُرار، فررتم فی سبیل اللہ، قال فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیسوا بالفرار ولکنہم الکرار ان شاء اللہ تعالیٰ)

Marfat.com

کرنے والے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اس لشکر میں شہید ہونے والے چنیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت پر بہت افسوس ہوا۔

جنگ موتہ کے اثرات:

جنگ موتہ نے مختلف طبقات کے ذہن و دماغ پر مختلف اثرات ڈالے۔ مسلمان لشکر کی اس طرح واپسی پر خوش نہیں تھے۔ ان کے نزدیک صرف دو ہی راستے تھے۔ یا تو کامیابی یا پھر اللہ کے راستے میں شہادت۔ عیسائیوں نے اس کو نہ تو اپنی کامیابی سمجھا اور نہ ناکامی ہی۔ وہ مسلمانوں کی ہمت، جواں مردی اور دلیری پر حیران تھے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس طرح کے لوگوں سے جنگ کرنا شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ ان کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جیسے شہید سے ہوا جو اپنے دونوں ہاتھ کٹنے کے باوجود بھی لڑتے رہے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ جیسے بہادر سپاہی سے ہوا جن کے ہاتھ سے جنگ کے دوران آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔ اس لیے رومیوں نے یہ مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کو انھی کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ نہ تو ان سے جنگ کی جائے اور نہ صلح ہی۔

یہودی اور کفار مکہ مسلمانوں کی اس ظاہری پسپائی پر بہت خوش ہوئے اور وہ اپنی خوش فہمی میں یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ایک دن رومیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو جنوب سے تنگ و ہراساں کرنا شروع کر دیا جب کہ مسلمان شمال میں رومیوں سے نبرد آزما تھے۔

اس کے برخلاف عرب کے کچھ قبائل مسلمانوں کی اس جنگ سے کافی متاثر ہوئے کہ تین ہزار معمولی سپاہی دو لاکھ کی تربیت یافتہ فوج سے لڑے اور کچھ زیادہ نقصان نہیں اٹھایا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق عرب کے کچھ قبائل نے اس اثر سے اسلام بھی قبول کیا۔

سریۂ عمرو رضی اللہ عنہ ابن العاص بجانب ذات السلاسل:

جمادی الآخر میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابن عاص (جو کہ ایک نو مسلم تھے) کی امارت میں تین سو آدمیوں کی ایک فوج ذات السلاسل کی طرف بھیجی۔ ذات السلاسل مدینہ منورہ سے دس دن کی مسافت [1] پر واقع ہے۔ اس لشکر کا مقصد بنو قضاعہ کو منتشر کرنا تھا۔ بنو قضاعہ

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۱۔

Marfat.com

نے ایک زبردست جماعت مسلمانوں کے خلاف اکٹھی کر لی تھی اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی بھی دھمکیاں دے رہے تھے۔ مسئلے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ ان قبیلوں کو بھی مدد کے لیے بلا لیں جو مسلمانوں کے تابع دار بن چکے تھے مثلاً بنو بلی، بنو عذرا اور بلقین وغیرہ۔ دس دن کی مسافت کے بعد انھوں نے شام کی سرحد کے پاس ایک چشمے سلسل پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ دشمن بہت بڑی تعداد میں جمع ہو چکا ہے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مزید کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ آپ ﷺ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ابن جراح کی امارت میں ۲۰۰ آدمیوں کو بطور کمک بھیجا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص مشترکہ لشکر کے سپہ سالار رہے۔ جب وہ بنو بلی اور بنو عذرہ قبائل سے گزرے تو ان دونوں قبیلوں نے بھی اپنی وفاداری مسلمانوں کے ساتھ ظاہر کی۔ بالآخر وہ اس مقام پر پہنچے جہاں دشمن اکٹھا ہوا تھا لیکن دشمن مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور آپ ﷺ کو اس مہم میں کامیابی کی اطلاع دی۔

Marfat.com

فتح مکہ سے قبل بعض چھوٹے سرایا

ابن سعد نے سریۂ ذات السلاسل کے بعد اور فتح مکہ سے قبل مندرجہ ذیل سرایا کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) سریۂ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ:

رجب ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ابن جراح کی امارت میں تین سو آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ جہینہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ مقام ساحل سمندر پر واقع ہے[1]۔ اس سریے میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی لیکن یہ ایک اور واقعے کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ سریے کے دوران سامان رسد ختم ہو گیا، اور مجاہدین بھوک سے بے تاب ہو گئے۔ اسی دوران اللہ کی ایک مدد آئی اور انھوں نے ایک بڑی مچھلی عنبر کا شکار کیا، جس سے ان کی بھوک دور ہوئی۔

(۲) سریۂ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بجانب خُضرہ:

ماہ شعبان میں دس (کچھ روایتوں کے مطابق پندرہ) آدمیوں پر مشتمل ایک چھوٹا سریہ نجد میں قبیلۂ غطفان کی ایک شاخ کی طرف روانہ کیا گیا[2]۔ اس کے امیر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس سریے میں ایک معمولی لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کو اونٹ اور بھیڑوں اور قیدیوں کی شکل میں کافی مال غنیمت حاصل ہوا۔

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۲، صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر) ابن قیم، زاد المعاد، سریۂ خبط۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۲۔

Marfat.com

۳ سریۂ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بجانب وادیٔ اِضم:

رمضان کے مہینے میں ایک اور چھوٹا سریہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں وادیٔ اضم کی جانب بھیجا گیا[1]۔ اس میں آٹھ آدمی شامل تھے۔ سفر کے دوران سریے میں شامل ایک شخص محلم ابن جثامہ نے ایک شخص عامر کو قتل کر دیا حالاں کہ عامر نے اسلامی قاعدے کے مطابق سلام کیا تھا تا کہ مسلمانوں کو یہ علم ہو جائے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس واقعے پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (النساء۴:۹۴)

”اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو تمھیں سلام کرے (یا تمھارے سامنے اطاعت ظاہر کرے) یوں مت کہہ دیا کرو کہ تم مسلمان نہیں۔“

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۳۔

نوٹ: ابن قیم نے زاد المعاد میں اس جگہ کا نام ضم لکھا ہے اور سریہ کا نام سریۂ ضم لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ج ۱، باب ۴۶

Marfat.com

فتح مکہ کے محرکات و اسباب

قریش اور ان کے حلفا کی عہد شکنی:

صلح حدیبیہ کے نفاذ کو دو سال ہو چکے تھے۔ اس دوران امن وسکون کی جو فضا رہی اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کافی تقویت پہنچی۔ معاہدے کے نفاذ کے بعد قبیلۂ خزاعہ نے اپنے دوستانہ تعلقات رسول اللہ ﷺ سے قائم کر لیے تھے جب کہ بنی خزاعہ کا مخالف قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف ❶ بن گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہر دل عزیزی کو دیکھ کر قریش اندر ہی اندر سلگ رہے تھے۔ قریش نے بنو بکر اور ان کے حلیفوں کو رسول اللہ ﷺ کے حلیف قبیلۂ خزاعہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا۔ ایک رات جب کہ بنو خزاعہ وتیر نامی چشمے کے پاس سو رہے تھے بنو بکر ان پر حملہ آور ہوئے اور نہ صرف ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا بلکہ ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لے گئے۔ کچھ مؤرخین کے مطابق قریش نے آدمیوں اور ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی ❷۔ عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو وغیرہ نے منہ پر نقاب ڈال کر بنو بکر کی طرف سے اس جنگ میں حصہ لیا ❸۔ بنو خزاعہ نے مکہ میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے حرم میں بھی خون ریزی کی جہاں کہ عرب کی روایات کے مطابق قتل و غارت ممنوع تھی۔ بنو خزاعہ نے قریش سے شکایت کی لیکن قریش نے ان کی کوئی فریاد نہیں سنی۔ چنانچہ بنو خزاعہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے مدد کی درخواست کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۳۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۹۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۴، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۴۴، ابن البر، الدرر، ص ۲۲۴، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۹۔

❸ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۴۔

Marfat.com

بعد رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سامنے ایک پیغام کے ذریعے تین شرطیں رکھیں اور کہلوایا کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں:

(۱) قریش قبیلۂ بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔

یا

(۲) قریش بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

یا

(۳) یہ اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ صلح حدیبیہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے پہلی دو شرطیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے ایک قاصد قرط ابن عمر کے ذریعے یہ کہلوا بھیجا کہ وہ صرف تیسری شرط منظور کرتے ہیں ❶۔ قریش کا یہ ایک غیر مدبرانہ فیصلہ تھا۔ ابوسفیان کو جب اس غلطی کا احساس ہوا اور قریش کے لیے خطرہ محسوس ہوا تو وہ خود فوراً مدینہ منورہ گیا تا کہ آپ ﷺ سے معاہدے کی دوبارہ تجدید کی جائے ❷ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مسلمانوں کے مطالبات بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ یہ ایک مہمل بات تھی۔ رسول اللہ ﷺ اس کو پوری طرح سمجھ چکے تھے اس لیے آپ ﷺ نے معاہدے کی تجدید سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی فتح مکہ کے لیے تیاریاں:

تقریباً 20 سال سے قریش مسلمانوں کے لیے باعث اذیت و پریشانی بنے ہوئے تھے۔ مسلمانوں اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خاطر انھوں نے تین بار مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا۔ مسلمانوں کے لیے قریش کو ان کی غداری اور بدسلوکی کا بدلہ دینے کا یہ وقت انتہائی موزوں تھا۔ اس میں تھوڑی سی بھی تاخیر حالات کو بدل سکتی تھی اور دشمن اس کا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ جنگ کی تیاری شروع کر دیں اور آپ ﷺ نے عرب کے دیگر حلیف قبائل کو بھی دعوت دی کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہو جائیں ❸ لیکن

---

❶ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۳۶۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۹۶، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۴، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۶، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۰۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۹۷، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۴، ۱۳۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳۲، ص ۴۷۔

Marfat.com

ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ نے اس تیاری کو نہایت راز میں رکھا یہاں تک کہ مدینہ کے بعض مسلمان سمجھتے رہے کہ آپ ﷺ رومیوں کو سزا دینے کے لیے شام جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ایک مسلمان حاطب رضی اللہ عنہ ابن ابی بلتعہ کی کچھ قرابت داری مکہ میں تھی، ان کو اپنے رشتے داروں کی فکر ہوئی کہ کہیں مکہ پر حملے کے دوران ان کو نقصان پہنچے اس لیے خفیہ طور پر انھوں نے ایک قاصد کے ذریعے اپنے رشتہ داروں کے پاس مسلمانوں کے اقدام کے بارے میں ایک خط بھیجا۔ ان کی یہ نادان حرکت تھی۔ اگر وہ خط قریش کو مل جاتا تو وہ مقابلے کی تیاری کر لیتے جس کے نتیجے میں شاید کافی خون ریزی اور جانی اتلاف ہوتا مگر رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی اس خط کی اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے فوراً کچھ آدمیوں کو بھیجا جنھوں نے قاصد کو جا لیا اور خط واپس لے آئے۔ مسلمان بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی اس حرکت پر بہت برہم ہوئے اور وہ ان کو سزا دینا چاہتے تھے لیکن چوں کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ایک مخلص مسلمان تھے اور انھوں نے اپنی اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ سے صدق دلی سے معافی مانگ لی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کو معاف فرما دیا[1]۔ یہ معافی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

قریش کی حیرانی و بدحواسی:

۱۰ رمضان ۸ھ کو رسول اللہ ﷺ دس ہزار جاں نثاروں[2] کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے اور اس طرح وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو دو ہزار سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی: ''وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔'' (استثناء: ۲:۳۳)[3] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے

---

[1] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۹، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۴۹، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۱، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الفتح و ما بعث حاطب ابن ابی بلتعہ۔

[2] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۰، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۰، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳۵، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔

[3] توریت کی پوری آیت اس طرح ہے: ''وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے محبت رکھتا ہے اور اپنے مقدس لوگوں کو (برکت کی) دعا دیتا ہے۔'' (استثناء: ۳۳: ۲، ۳)

The New English Bible. Oxford University Press, Deut. 33:2,3—

Marfat.com

زمانے میں سوائے فتح مکہ کے واقعے کے کوئی دوسرا واقعہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ (رضی اللہ عنہم) تھے جو بغیر کسی استثنا کے سب کے سب نیک اور صالح تھے جس کے لیے توریت کے انگریزی ترجمے میں "Saints" (سینٹس) کا لفظ استعمال ہوا ہے اور جس کا اردو میں ''قدسیوں'' سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ Saint (سینٹ) نیک اور صالح آدمی کو کہتے ہیں۔ بعض انگریزی مصنفین مسلمان صوفیا کو "Muslim Saint" (مسلم سینٹ) لکھتے ہیں۔ اس سے لفظ ''سینٹ'' کے اردو معنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ''مرالظہران'' پر خیمہ زن ہوئے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے۔ ایک بڑے لشکر کو خیمہ زن دیکھ کر قریش حیران و پریشان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لشکر کے ہر خیمے میں خوب آگ روشن کی جائے۔ اس سے قریش پر یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر بے شمار ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں پورا کا پورا صحرا آگ سے روشن دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کا سردار ابوسفیان حالات کا جائزہ لینے کے لیے ان پہاڑیوں پر آیا جہاں مسلمان لشکر خیمہ زن ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس کو پہچان لیا اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ یہ وہی ابوسفیان تھا جو اسلام کا شدید ترین دشمن تھا۔ جس نے مسلمانوں اور خود رسول اللہ ﷺ کے خلاف متعدد لڑائیاں لڑی تھیں اور اسلام و مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے جو کچھ وہ کر سکتا تھا اس میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آج وہی ابوسفیان رحمۃ للعالمین ﷺ کے حضور میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ رحم دلی، حسن اخلاق، حلم و بردباری کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ نے نرم دلی سے ابوسفیان سے دریافت کیا: ''ابوسفیان! کیا اب بھی تمھیں یقین نہیں آیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں؟'' (1) ابوسفیان نادم تھا۔ اس نے جواب دیا: ''اگر کوئی

نوٹ: (ا) بائبل کے کچھ دوسرے ترجموں میں انگریزی لفظ Myriads ہے جس کا اردو ترجمہ ہے: دس ہزار، بے شمار، لاتعداد، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں (اس لفظ کے اردو ترجمے کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی، اردو ڈکشنری از بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب) (۲) ویسے اکثر ترجموں میں الفاظ ''دس ہزار'' مذکور ہیں۔

(1) سیرت کی کچھ کتابوں میں مکالمے کی پوری تفصیلات درج ہیں۔ ہم مختصراً اس کو اتنا ہی درج کرتے ہیں۔ ابوسفیان کے ان کلمات کو محققین نے ان کے اسلام لانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ کچھ روایتوں میں ہے کہ انھوں نے رسالت کے اقرار میں تذبذب ظاہر کیا لیکن حضرت عباسؓ کی تنبیہ پر رسالت کا اقرار بھی با دل نخواستہ کر ہی لیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۰۳، زاد المعاد، ج ا، ص

Marfat.com

اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔" جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمام پچھلی خطائیں معاف فرمادیں (کیوں کہ اسلام اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔) اور ان کے گھر کو جائے امان بناتے ہوئے فرمایا: "جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو پناہ ملے گی❶۔" زیادہ تر سیرت نگاروں کی یہ رائے ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت بظاہر ایمان لے آئے تھے لیکن کامل ایمان نہیں لائے تھے۔ (ملاحظہ ہو نوٹ ۲۷) بہر حال بعد کو وہ ایک مخلص مسلمان بن گئے۔ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رحم دِلانہ اور کریمانہ برتاؤ پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدترین دشمن کے ساتھ ایسے بے مثال اخلاق کا مظاہرہ کیا کہ اس کے گھر کو بھی دارالامان بنادیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اپنا دروازہ بند کر لے گا اس کو امان ملے گی اور جو مسجد حرام میں چلا جائے گا اس کو بھی امان ملے گی❷۔

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۰۹، وغیرہ۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۰۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۴، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳۰، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۳۔

Marfat.com

فتح مکہ

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے اہل مکہ کو اس امان کے بارے میں بتایا جو کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے زبردست لشکر کے بارے میں بھی ان کو اطلاع دی گویا کہ اشارہ دیا کہ اگر ان کو روکا گیا تو شدید خون ریزی ہوگی۔ چناں چہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں اور مسجد حرام میں پناہ گیر ہو گئے۔

دوسرے دن صبح کو رسول اللہ ﷺ پرامن طریقے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ خون نہ بہایا جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے دستے کے علاوہ مسلمانوں کے تمام دستے بغیر کسی رکاوٹ کے پُرامن طریقے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے لیکن جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا دستہ داخل ہو رہا تھا تو قریش اور بنوبکر کے کچھ لوگوں نے جن میں قریشی سرداران صفوان، سہیل اور عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھے مسلمانوں کے اس دستے پر تیر برسائے۔ ان کے تیروں سے دو مسلمان شہید ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے جواب دینے کو کہا۔ ایک معمولی سی لڑائی کے بعد وہ لوگ بارہ لاشیں چھوڑ کر فرار ہو گئے [1]۔

رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اللہ کے حضور میں عاجزی وانکساری کے طور پر سر جھکائے ہوئے تھے [2] اس لیے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو فتح سے نوازا تھا۔ اس کے تشکر میں آپ ﷺ کا سر سواری پر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کجاوے سے لگ رہی تھی۔

---

1. ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۰۷، ۴۰۸۔
2. محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ج ۲، ص ۵۴۸۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور اللہ نے اسے بتوں سے پاک کیا۔ جب آپ ﷺ بتوں کو وہاں سے ہٹا رہے تھے تو مندرجہ ذیل آیت کریمہ پڑھتے جاتے تھے [1]۔

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (الاسراء ۱۷:۸۱)

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے کی ہی چیز تھی۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کے مؤذن تھے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان [2] دی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے نماز میں امامت فرمائی۔

دشمنوں کے ساتھ مثالی عفو و درگزر:

نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ ابن طلحہ کو بلایا۔ ان کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی۔ ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ صرف کعبہ میں داخل ہونے سے منع کر چکا تھا بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی بھی کی تھی۔ آپ ﷺ نے اسی چابی عثمان رضی اللہ عنہ ابن طلحہ کے سپرد کی اور فرمایا: ''اگر کوئی شخص کعبہ کی چابی کو عثمان رضی اللہ عنہ ابن طلحہ (یا اس کے خاندان کے کسی آدمی سے) لے گا تو وہ ظالم ہوگا [3]۔''

قریش اور ان کے سردار خاموشی سے مسجد حرام کے صحن میں یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر قریش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے مکہ کے سردارو! تم آج اپنے ساتھ کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: ''آپ ﷺ (ہم میں سے چھوٹے

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۷۔

نوٹ: ابن سعد نے اس موقع پر پوری آیت تحریر کی ہے جب کہ دوسری کتابوں میں کچھ الفاظ آیت کے ہیں اور کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

مزید ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۱۱، صحیح بخاری، کتاب المغازی، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴۔

2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۷۔

3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۶، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۵، مزید ملاحظہ ہو الدرر از ابن عبد البر، ص ۲۳۴، ابن عبد البر نے صرف یہ نقل کیا ہے۔ آپؐ نے (عثمان ابن طلحہ سے) فرمایا: تم اور تمھاری نسل اس کو قیامت تک اپنے پاس رکھو۔''

Marfat.com

کے) ایک شریف بھائی ہیں اور (ہم سے بڑے کے) ایک کریم النفس بھتیجے ہیں[1]۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا وَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" (یوسف:۱۲)

"تمھارے اوپر آج کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

جب اہل مکہ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے کانوں کو یقین نہیں آیا۔ آپ ﷺ کا یہ حسن سلوک اس مجمع میں موجود ہر شخص کی دل کی گہرائیوں تک اتر گیا، آپ ﷺ بلاشبہ ان خطابات کے مستحق تھے:

"انسانیت میں سب سے عظیم انسان، انسانیت کے لیے باعث فخر" اور "رحمۃ للعالمین۔"

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایک مثالی سلوک کیا۔ آپ ﷺ کو، آپ کے متبعین کو مکہ میں 13 سال تک سخت اذیتیں پہنچائی گئی تھیں۔ ان اذیتوں کی وجہ سے بالآخر آپ ﷺ اور مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ قریش کے اس مجمع میں وہ لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، اس میں وہ لوگ بھی تھے جو آپ ﷺ کی محبوب صاحب زادی کی موت کا سبب بنے۔ اس میں ہند (ابو سفیان کی بیوی) جیسی عورت بھی تھی جس نے آپ ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اپنے غلام وحشی سے جنگ اُحد میں شہید کرا کے ان کا کلیجا اور دل چبایا تھا، مگر ان لوگوں کے یہ تمام قصور معاف کر دیئے گئے۔ اور بھلا دیئے گئے۔ اسلام کے بدترین دشمن کو بھی درگزر کر دیا گیا۔ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کسی فاتح نے فتح کے بعد مفتوحین سے اس محبت و رحم دلی کا برتاؤ کیا ہو۔

مغربی مؤرخین نے بھی یہ اعتراف کیا ہے: "تاریخ کے صفحات میں کسی فتح میں بھی اس فتح جیسا (مفتوح شہر میں) داخلہ نہیں ملتا[2]۔" کوئی بھی فتح بغیر خون بہائے نہیں ہوئی۔ قدیم و جدید دنیا کی تاریخ میں مفتوحین کو اس طرح کی عام معافی کبھی نہیں دی گئی۔ تاریخ عالم کا ریکارڈ ایسی بے مثال شخصیت پیش کرنے سے قاصر ہے جو عفو و درگزر اور رحم دلی کی ان چوٹیوں تک پہنچا ہو جہاں رسول اللہ ﷺ پہنچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی ہمیں انسانیت کی ہمدردی اور

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۱۲، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۶۱، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۴۲۴۔

[2] کے۔ علی، A study of Islamic History, P.63

Marfat.com

اس اعلیٰ عفو عام کی مثال نہیں ملتی کیوں کہ ان کو وہ طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی جس سے وہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کر دکھاتے جنھوں نے ان پر ظلم کیا تھا۔

بوسورتھ اسمتھ فتح مکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مکہ میں کوئی ایسی چیز واقع نہیں ہوئی تھی جو آپ ﷺ کی خوشی کے ارادے میں حائل ہوئی، اگر آپ ﷺ نے (اعلیٰ کردار کا) کوئی تمغا پہنا ہوتا تو اب آپ ﷺ اس کو بھی اتار دیتے۔ اگر مقاصد سفلی بتدریج مقاصد علیا میں بدل جاتے ہوں یا جیسا کہ گبن خیال کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے ذاتی مفاد نے آپ ﷺ کو اعتدال پر قائم رکھا تو ہمارے سامنے یہ تمام چیزیں اس موقع پر عیاں ہوتیں، یہ وہ موقع تھا جب جاہ طلبی و بوالہوسی پوری ہو سکتی تھی، ہوائے نفس شکم سیر ہو سکتی تھی اور آپ ﷺ کا انتقام کا جذبہ آسودہ ہو چکا ہوتا۔ کیا اس قسم کی کوئی چیز رونما ہوئی۔ مکہ میں محمد ﷺ کے داخلے کا جائزہ لیجیے اور اسی کے ساتھ ساتھ ماریس یا سلا کے روم میں (فاتحانہ) داخلے کو پڑھیے اور دونوں کے حالات کا مقابلہ بھی کریے اور پھر دیکھیے اس ظلم وستم کو جو ان فتوحات کے بعد ہوا کہ کس طرح انھوں نے دوبارہ حاصل کی ہوئی طاقت کا استعمال کیا۔ اس کے بعد ہی ہم نبی عربی ﷺ کی اولوالعزمی اور اعتدال پسندی کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہاں پر کسی قتل کا فتویٰ نہیں تھا۔ کوئی لوٹ نہیں تھی اور کوئی وحشیانہ بدلہ نہیں تھا[1]۔''

---

[1] Bosworth Smith, "Mohmmad and Mohammedanism", p.142, as quoted in "Muhammad, The Holy Prophet, by H.G. Sarwar` P.454.

Marfat.com

خطبہ فتح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخی دن مندرجہ ذیل خطبہ دیا:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ صدق وعدہ ونصرعبدہ وھزم الاحزاب وحدہ الا کُلُّ ماثرۃ ومال ودم فھو تحت قدمیَّ ھاتین الا سدانۃ البیت وسقایۃ الحاج، یا معشر قریش، ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاباءِ الناس من آدم وآدم من تراب ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ [1]

(حجرات:۴۹:۱۳)

''ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی، اور تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔ یاد رکھو تمام مفاخر، تمام انتقامات، تمام خوں بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور ونسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں۔''

(اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھارے

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۱، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۶۰۔۶۱، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۰۹، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴۔

Marfat.com

قبیلے اور خاندان بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

((ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر))

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے شراب کی خرید وفروخت حرام کر دی ہے۔❶"

آپ ﷺ نے مہاجرین کو ممانعت فرما دی کہ وہ اپنی اس جائیداد کا دعویٰ کریں جو انھوں نے مکہ سے ہجرت کے وقت چھوڑ دی تھی اور جو اہل مکہ کے قبضے میں تھی❷۔

فتح مکہ دراصل اسلام کی بے مثال فتح ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اللہ کے راستے میں غیر متزلزل یقین کی عظیم کامیابی ہے۔

---

❶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۱۸، مزید ملاحظہ ہو: صحیح بخاری۔

❷ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۲۰۔

Marfat.com

بڑے بتوں کو مسمار کرنے کے لیے بعض سرایا

(الف) عزیٰ کو گرانے کے لیے سریۂ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید:

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ ر رمضان کو ۳۰ گھڑ سواروں [1] کے ساتھ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو مشرکوں کے ایک بڑے بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ وہ بت کو مسمار کر کے مکہ واپس آ گئے۔

(ب) سواع کو گرانے کے لیے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ابن عاص کی سرکردگی میں بنو ہزیل کے بت سواع کو منہدم کرنے کے لیے ایک اور سریہ بھیجا [2]۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بت مسمار کر دیا اور بت کے نگران نے اسلام قبول کر لیا۔

(ج) منات کو گرانے کے لیے سریۂ سعد رضی اللہ عنہ ابن زید:

رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ بن زید اشہلی کو منات مسمار کرنے کے لیے بھیجا [3]۔ وہ بیس گھڑ سواروں کے ساتھ گئے۔ اس بت کے نگران نے مزاحمت کی اور لڑائی میں مارا گیا۔ پھر بت کو مسمار کر دیا گیا۔

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۳۶، ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۴۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳۶۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۶۔

[3] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۷۔

Marfat.com

سریہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بجانب جُذیمہ

عزیٰ کو مسمار کرنے کے بعد جب خالد رضی اللہ عنہ بن ولید مکہ مکرمہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ۳۵۰ آدمیوں پر امیر مقرر کر کے کنانہ کے ایک قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ ان کو دعوتِ اسلام دیں۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو انھوں نے بتایا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں [1] لیکن وہ ہتھیار بند تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے ہتھیار رکھنے کو کہا جس پر انھوں نے مزاحمت کی اور ایک لڑائی پیش آئی جس کے بعد ان کو زیر کر لیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ جب یہ قیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے جا رہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے مزاحمت کی جس کا دفاع کیا گیا اور وہ لوگ قتل کر دیے گئے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ قیدیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ ان سے بہت خفا ہوئے اور فرمایا: ''اے اللہ! میں اس سے بری ہوں جو کچھ کہ خالد رضی اللہ عنہ نے کیا ہے [2]۔''

---

1. ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۲۸، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۴۷، ۱۴۸، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۶۶، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳۶۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۸۔

Marfat.com

غزوۂ حنین ❶

ہوازن اور ثقیف:

بلاشبہ فتح مکہ عربوں کے داخلۂ اسلام کے لیے ایک بڑا دروازہ بنی لیکن اسلام کی مخالفت کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ طائف کا حکمران قبیلہ بنو ثقیف اور ہوازن کا جنگجو قبیلہ جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان رہتا تھا اب بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ قبیلہ ہوازن بہت طاقت ور سمجھا جاتا تھا اور پہاڑیوں پر رہنے کی وجہ سے وہ کبھی بھی اہل مکہ کے اقتدار میں نہیں آیا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے اچانک تشریف نہ لاتے تو یہ عین ممکن تھا کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے قریش کے ساتھ مل کر آپ ﷺ سے مزاحمت کرتے۔

فتح مکہ سے ان کے اندر اضطراب و بے چینی پیدا ہوگئی اور انھوں نے اپنے غیر اسلامی طریقہ ہائے حیات کے لیے ایک زبردست خطرہ محسوس کیا۔ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے انھوں نے اس وقت ایک زبردست فوج تیار کی جب کہ رسول اللہ ﷺ فتح کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اور وہاں تبلیغی فرائض انجام دے رہے تھے۔ مضر اور جشم کے قبیلے بھی ان قبائل سے مل گئے یہ لوگ مکہ کے جنوب مشرق میں اوطاس کی پہاڑیوں پر جمع ہو گئے جہاں سے مکہ ایک یا ڈیڑھ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے وادیٔ حنین میں جمع ہو گئے اور انھوں نے اپنے تیر انداز وادی کے اطراف کی پہاڑیوں پر بٹھا دیے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے لشکر کو اس وادی سے گزرنا ناگزیر تھا۔

❶ ابن قیم نے اس کا نام غزوۂ اوطاس لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: زاد المعاد لیکن زیادہ تر مؤرخین و محدثین بشمول بخاری نے غزوۂ اوطاس کو غزوۂ حنین کا ذیلی غزوہ بتایا ہے جو غزوۂ طائف سے پہلے وقوع پذیر ہوا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی ہوازن وثقیف کے لیے روانگی:

فتح مکہ کے تقریباً ایک ماہ بعد رسول اللہ ﷺ کو ہوازن، ثقیف اور آس پاس کے دوسرے قبائل کی تیاریوں کا علم ہوا۔اس کی اطلاع ملتے ہی آپ ﷺ نے خبر رساں بھیجا تاکہ وہ ان کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے اور رسول اللہ ﷺ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرے۔خبر رساں جلد ہی واپس آ گیا اور اس نے نہ صرف اس اطلاع کی تصدیق کی جو آپ ﷺ کو ملی تھی بلکہ مزید تفصیلات بھی بتلائیں ❶۔

بغیر کسی تاخیر کے رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو منتشر کرنے کے لیے ایک فوج جمع کی۔ یہ فوج دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں دو ہزار وہ اہل مکہ بھی شامل تھے جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا ❷۔اس لشکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے وادیٔ حنین کی طرف کوچ کیا جہاں قبیلۂ ہوازن کے لوگ ایک بڑی جماعت کے ساتھ اکٹھے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس غزوے میں مسلمانوں کو اپنی تعداد پر غیر معمولی اعتماد تھا یہاں تک کہ کچھ نو مسلم اپنی تعداد پر گھمنڈ کرنے لگے تھے جو اللہ کو پسند نہیں تھا۔قرآن اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (التوبہ۹: ۲۵،۲۶)

”تم کو اللہ تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت سے موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرور ہو گیا تھا پھر

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۴۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۷۳، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۱۲۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۴۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۷۳، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳۸۔

Marfat.com

وہ کثرت تمھارے لیے کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ اٹھے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین (کے قلوب) پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لیے) لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔"

میدانِ جنگ:

قبیلہ ہوازن کے لوگ اپنی تیر اندازی کے لیے مشہور تھے۔ جنگی نقطۂ نظر سے بھی وہ محفوظ مقام پر تھے۔ انھوں نے اپنے بہترین تیر اندازوں کو آس پاس کی پہاڑیوں پر متعین کر دیا تھا۔ جیسے ہی مسلمان فوجیں آگے بڑھیں ان کے تیر اندازوں نے چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع کر دی اور ان کے فوجی دستوں نے سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مکہ کی امدادی افواج جن میں نومسلم شامل تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابن ولید کے زیر کمان سب سے آگے تھیں۔ اس لیے سب سے پہلے ان کو ہی اس اچانک حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ دشمنوں کے تیروں کے سامنے نہیں ٹک سکے اور پیچھے بھاگنا شروع کیا جس سے مسلمانوں کی صفوں میں زبردست کھلبلی مچ گئی۔ بدحواسی کے عالم میں ایک دستہ دوسرے دستے پر گرنے لگا یہاں تک کہ انصار و مہاجرین کے دستے نے بھی میدان چھوڑنا شروع کر دیا اور زبردست انتشار پیدا ہوگیا۔

جب مسلمانوں میں انتشار کی یہ کیفیت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ اپنی جگہ مضبوطی سے جمے رہے۔ ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے جب مسلمانوں کو بھاگتا ہوا دیکھا تو پہاڑیوں کے مورچوں سے انھوں نے نیچے اترنا شروع کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے قریب آگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے۔

فتح:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزم و استقلال کی چٹان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی پناہ میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار پکار کر فرما رہے تھے: "میں نبی ہوں! اس میں کوئی شبہ نہیں۔ میں

Marfat.com

عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ❶۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے پکار پکار کر کہہ رہے تھے: ”اے انصار! وہ انصار جنھوں نے مسلمانوں کی مدد کی اور ان کو پناہ دی۔ اے مہاجرین! وہ لوگ جنھوں نے پیڑ کے نیچے بیعت کی حضرت محمد ﷺ ہمارے اندر موجود ہیں۔ ادھر آؤ۔“

ان سحر آفریں الفاظ کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ انھوں نے میدان سے بھاگتے ہوئے لوگوں کے دل و دماغ میں ایک نئی روح پھونک دی اور انھوں نے بلند آواز میں کہا لبیک اور رسول اللہ ﷺ کی جانب بڑھے۔ بہت سے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ چھوڑ دیئے اور دشمن پر پوری طاقت سے بھرپور حملہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے پھینکی، تمھارا چہرہ خاک آلود ہو ❷۔ مٹی پھینکنے کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ دشمن نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا۔ ان میں کا ایک گروہ پہلے ہی بھاگ چکا تھا اور باقی کچھ مزاحمت کے بعد بھاگنا شروع ہو گئے۔ ان کا علم بردار بھی مارا گیا۔ علم بردار کو مرتا ہوا دیکھ کر باقی لوگ بھی میدان جنگ میں اپنی عورتیں، بچے، اور جانور چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو میدان جنگ میں اس لیے لائے تھے تاکہ ان کی موجودگی میں ان کے اندر زیادہ جوش و خروش پیدا ہو۔ مسلمانوں کو بڑی تعداد میں مال غنیمت ملا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے ❸:

(۱) چوبیس ہزار اونٹ۔
(۲) چالیس ہزار بھیڑیں۔
(۳) چار ہزار اوقیہ چاندی۔
(۴) چھ ہزار قیدی۔

---

❶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۷۴، ۷۶، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳۹، صحیح بخاری، کتاب المغازی۔

❷ ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۱۔

نوٹ: مٹی کے پھینکنے کا تذکرہ ان کتابوں میں بھی ہے: ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۴۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۷۸۔

❸ ابن سعد، الطبقات، الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۲۔

Marfat.com

غزوۂ اوطاس

قیدیوں کو وادیٔ جعرانہ میں رکھا گیا اور رسول اللہ ﷺ نیز مسلمان بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں گئے۔ مسلمانوں نے ان کو اوطاس کے مقام پر جا لیا۔ پھر ایک جنگ لڑی گئی جس میں دشمن کو شکست ہوئی❶۔ اس لڑائی میں دشمن کے کافی لوگ مارے گئے، ان کا سردار مالک ابن عوف اور باقی ماندہ لوگ طائف بھاگ گئے۔ طائف ایک فصیل بند شہر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر لیا❷۔

محاصرۂ طائف:

احتیاطاً قبیلہ ٔ ہوازن نے طائف میں رسد کی ایک بڑی مقدار جمع کر لی تھی۔ انھوں نے شہر پناہ کے چاروں طرف جگہ جگہ زبردست فوجی چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا لیکن اس دوران دشمن شہر سے باہر نکل کر نہیں آیا تاکہ مسلمان ان سے جنگ کر سکیں۔ وہ مختلف اوقات میں شہر پناہ کے اندر سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرتے رہے جس سے کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور ایک اچھی تعداد زخمی بھی ہوئی۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ محاصرے اٹھا لیا جائے اور فی الحال دشمن کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا جائے❸ محاصرہ کو ختم کرنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس غزوے کا اور اسی طرح دوسرے غزوات کا مقصد اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو بڑھانا نہیں تھا اور

---

❶ ابن کثیر، السیرۃ، ج ۳، ص ۶۶۰، صحیح بخاری، باب غزوۂ اوطاس۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۸۳، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۸۔

❸ ابن قیم، زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۵۷، مزید ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، باب غزوہ طائف، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۳۴۵۔

Marfat.com

نہ دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنا ہی تھا بلکہ ان غزوات کا مقصد تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کرنا اور دشمنوں کے حملے سے اسلام کی حفاظت کرنا تھا۔ محاصرہ اٹھانے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس لوٹ رہے تھے تو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اہل طائف کو بددعا دیں لیکن آپ ﷺ نے بددعا دینے کے بجائے ان کے حق میں یہ دعا دی: ''اے اللہ تو ثقیف کے قبیلوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج دے [1]۔'' یہ دعا رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کے مقاصد کو صاف طور پر ظاہر کرتی ہے اور آپ ﷺ کے حسن اخلاق کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی فیاضی:

طائف سے مکہ واپسی کے دوران رسول اللہ ﷺ وادیٔ جعرانہ میں رُکے جہاں قیدیوں اور مال غنیمت کو رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے قرآنی احکام کے مطابق مال غنیمت تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا رکھا گیا اور باقی مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ بچپن میں رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے پالا پوسا تھا۔ آپ ﷺ کے دل میں ہمیشہ سے ان کے لیے اور ان کے خاندان کے لیے ایک فطری محبت تھی۔ قیدیوں میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما یعنی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی صاحب زادی بھی تھیں۔ ان کو دیکھ کر آپ ﷺ فرط محبت میں کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی [2]۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بہت ہی رحم دلی کا برتاؤ کیا گویا کہ وہ آپ ﷺ کی سگی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سے مدینہ منورہ چلنے کو کہا لیکن انھوں نے اپنے گھر ہی جانا پسند کیا۔ ان کو اور ان کے خاندان والوں کے لیے بہت سے تحائف بھی آپ ﷺ نے عطا فرمائے۔

دشمنوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ جنگی قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ رحم کا مظاہرہ کریں اور ان کے حصے میں جو جنگی قیدی آئے ہیں ان کو آزاد

---

1. ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۵۷، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۳۵۰۔
2. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۵۸۔

Marfat.com

کر دیں ❶۔ سب لوگ اس بات پر راضی ہو گئے اور فوراً چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ بعض مغربی مصنفین (مستشرقین) کے اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے نو مسلموں کے ساتھ خاص فیاضی کا معاملہ کیا تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو اور وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ اس سے انصار کافی کبیدہ خاطر ہوئے خاص طور سے ان کے نوجوان غیر مطمئن نظر آئے۔ وہ آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کے ساتھ جانب داری برتی ہے۔ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے اور قریش مال غنیمت سے لدے ہوئے ہیں ❷۔

رسول اللہ ﷺ کا انصار کو تاریخی خطبہ:

انصار کی چہ مگوئیاں سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک چرمی خیمے میں جمع کیا اور معاملے کی تفتیش کی۔ جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ان کا جو قول آپ ﷺ تک پہنچایا گیا تھا وہ صحیح ہے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک ایسی تقریر کی جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے انصار! تمھارے دل میں یہ کیا نئی بات آ گئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ پہلے تم گمراہ تھے پھر اللہ نے میرے ذریعے تمھیں ہدایت دی؟ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمھیں آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ تم مفلس تھے۔ اللہ نے میرے ذریعے تمھیں دولت مند کیا۔'' ہر سوال کے جواب میں انصار کہتے جاتے تھے بالکل صحیح ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم سب پر بہت فضل و احسان ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار سے کہا: ''اے انصار اگر تم اس طرح جواب دو تو غلط نہ ہو گا۔ اے محمد ﷺ! جب دوسرے لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب دوسرے لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''اے انصار! کیا تمھیں پسند

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۴۸۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۸۷، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۴۵۔

❷ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۴۴، صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف۔

Marfat.com

نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ اپنے گھروں کو جائیں تو بھیڑ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم اپنے گھروں کو جاؤ تو محمد ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ [1]۔ اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر سب لوگ ایک راستہ اختیار کریں اور انصار دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں اسی راستے پر چلوں گا جس پر انصار چلے تھے۔''

یہ خطبہ سن کر انصار کی چیخیں نکل گئیں اور وہ رونے لگے۔ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور وہ کہتے جاتے تھے: ''ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صفائی میں کہا کہ مکہ کے لوگ نومسلم ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا ان کے حق کے طور پر ان کو نہیں دیا گیا ہے بلکہ تالیف قلب کے طور پر دیا گیا ہے تا کہ وہ اسلام کی فیاضی سے واقف ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تقریر سے انصار کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے جو ان کو آپ ﷺ کے قریش اور دوسرے اعرابی قبائل کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کی وجہ سے ہوئے تھے۔ یہ تقریر صاف ظاہر کرتی ہے کہ درحقیقت زندگی کی قدرشناسی محبت میں ہے نہ کہ دولت میں، وہ شخص جس سے اس کے لوگ محبت کرتے ہیں اس کے پاس دنیوی دولت سے بڑی ایک دولت ہے، ایسی دولت جو سونے اور چاندی سے نہیں خریدی جاسکتی۔

رسول اللہ ﷺ کا عمرۂ جعرانہ:

جعرانہ سے رسول اللہ ﷺ جب مکہ تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ایک اور عمرہ ادا کیا اور مکہ میں عتاب رضی اللہ عنہ ابن اسید کو اپنا نائب مقرر کیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ ابن جبل کو معلم اور خود مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے [2]۔

فتح مکہ اور فتح حنین کے اثرات:

مکہ پورے جزیرۃ العرب کا روحانی مرکز تھا۔ ہر سال ہزاروں لوگ جزیرۃ العرب کے

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۹۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۳، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۰، صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۰۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۱۔

Marfat.com

مختلف حصوں سے وہاں حج کے لیے آتے تھے۔ اس وجہ سے قریش ایک بہت ہی بااثر و باعزت حیثیت کے حامل تھے۔ چوں کہ قریش اسلام کے اور رسول اللہ ﷺ کے دشمن تھے اور اس مذہب کو بہر صورت صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے اس لیے عرب کے بیشتر قبائل اسلام قبول کرنے میں ہچکچا رہے تھے، وہ قریش اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک فیصلہ کن فتح کے منتظر تھے اور اس انتظار میں تھے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کی اپنی قوم بھی اس مذہب کو قبول کرتی ہے یا نہیں۔ بالآخر یہ مبارک وقت آ ہی گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا اور آپ ﷺ کے بے مثال رحم و کرم کے مظاہرے نے اہل مکہ کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔ آپ ﷺ کی اس رحمت نے نہ صرف اہل مکہ کو بلکہ پورے جزیرۃ العرب کو ڈھانپ لیا۔ اور لوگ جوق در جوق اللہ کے اس عظیم نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر اس کی نبوت و رسالت کا اقرار کرنے لگے جو تن تنہا برسوں تک ان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرانے کی جدوجہد کر رہا تھا اور اس کی دعوت دے رہا تھا جو متعدد جنگوں اور بے شمار سرایہ کے باوجود اپنے مقام پر اٹل رہا۔ بالآخر قبیلہ در قبیلہ ذات عالی کی طرف کھنچ کھنچ کر آیا تاکہ صراط مستقیم کی ہدایت ملے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر)

"(اے محمد ﷺ) جب اللہ کی مدد اور (مکہ کی) فتح ہو گئی اور تو نے (لوگوں کو) دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں، تو تُو (اب) اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور حمد کر۔ اور اس سے استغفار کر۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

عمومی طور پر اسلام فتح مکہ کے بعد ہی پھیلا۔ امام بخاری تحریر کرتے ہیں: "عرب قریش کے اسلام کے انتظار میں تھے اور یہ کہا کرتے تھے: کہ محمد ﷺ اور اس کی قوم کو تنہا چھوڑ دو، اگر وہ فتح یاب ہوتا ہے تو وہ ایک سچا نبی ﷺ ہے۔ اس لیے جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام قبائل اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے لگے [1]۔"

ایک معتمد سیرت نگار ابن ہشام تحریر کرتے ہیں: "اسلام لانے کے بارے میں عرب، قریش اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چل رہی لڑائی کے انجام کے منتظر تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی

[1] صحیح بخاری، فتح مکہ۔

Marfat.com

کہ قریش کو تمام قبائل کے لوگ اپنا رہنما تسلیم کرتے تھے۔ انھیں خانۂ کعبہ کا متولی مانتے تھے، قریش درحقیقت مشہور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور قریش ہی اللہ کے نبی کی مخالفت اور آپ کے خلاف ہر لڑائی میں پیش پیش رہتے لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے اسلام قبول کر کے دوستی و صداقت کا مظاہرہ کیا تو ان قبائل نے دیکھا کہ اب رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لیے وہ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے جیسا کہ قرآن حکیم نے سورۂ نصر ❶ میں اس بات کا انکشاف کیا ہے۔''

اس بات کا اندازہ سپاہیوں کی اس تعداد سے لگایا جا سکتا ہے جس کو ہم غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد دیکھتے ہیں۔ غزوۂ تبوک جو غزوۂ حنین کے ایک سال بعد ۹ھ میں پیش آیا اس میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد غزوۂ حنین کے مقابلے میں تین گنی زیادہ تھی۔ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی جب کہ غزوۂ تبوک میں ان کی تعداد ۳۰ ہزار سے بھی زیادہ تھی۔

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۰۔

Marfat.com

۸ھ کے متفرق واقعات

رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن کو قریش کے دو آدمیوں نے زخمی کر دیا تھا جب کہ وہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آ رہی تھیں، اسی سال جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس آئے تو انتقال کر گئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس زخم کی وجہ سے مستقل بیمار رہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی ایک اور صاحب زادی تھیں، اسی سال انتقال کر گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک اب ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئی تھی لیکن آپ ﷺ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اللہ کے فضل سے ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ ﷺ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو مصر کے بادشاہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ آپ ﷺ لڑکے کی پیدائش سے بہت خوش ہوئے اور اس کا نام اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ آپ ﷺ نے اس کی پیدائش پر (بطور صدقہ) نقدی تقسیم کی، اور ایک دایہ اس کی نگرانی کے لیے مقرر کی۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو ایک الگ مکان رہنے کے لیے دیا گیا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس میلان کو دیکھ کر آپ ﷺ کی بقیہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کچھ آزردہ خاطر ہوئیں۔ آپ ﷺ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے پاس روزانہ جاتے، کچھ دیر وہاں بیٹھتے اور بچے کی دیکھ بھال کرتے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی بیویوں کے درمیان کچھ تناؤ سا پیدا ہو گیا جس کی تفصیل ہم اگلے باب میں بیان کریں گے۔

Marfat.com

ہجرت کا نواں سال

۹ ھ کے شروع میں پیش آنے والے بعض چھوٹے سرایا

(۱) سریۂ عیینہ ابن حصن بجانب بنی تمیم:

ماہ محرم ۹ ھ میں عیینہ ابن حصن الفزاری کی امارت میں ۵۰ آدمیوں کا ایک دستہ بنی تمیم کی طرف بھیجا گیا[1]۔ مسلمانوں نے دشمن پر حملہ کیا۔ ایک معمولی لڑائی پیش آئی جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور انھوں نے ۱۱ مردوں، ۱۱ عورتوں اور ۳۰ نوجوانوں کو قیدی بنا لیا۔ مال غنیمت میں انھیں کچھ مویشی ملے۔ ان سب کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ لایا گیا۔ قیدیوں کو رملہ رضی اللہ عنہا ابن حارث کے مکان میں رکھا گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے مسجد کے فرش پر بیٹھے اور فیصلہ یہ فرمایا کہ ان سب کو آزاد کر دیا جائے۔ ظہر کی نماز کے وقت ایسا ہوا کہ بنو تمیم کے ان لوگوں میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حجرات کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور آپ ﷺ سے قیدیوں پر رحم کرنے کے لیے چیخنا چلّانا شروع کر دیا تھا۔ ان کے چیخنے چلّانے کے خلاف مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(الحجرات ۴۹: ۴، ۵)

”جو لوگ حجروں کے باہر آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر کو عقل نہیں اور اگر یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود باہر ان کے پاس آ جاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ غفور الرحیم ہے۔“

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۰۔

Marfat.com

(۲) سریۂ قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بجانب خثعم:

ماہ صفر میں رسول اللہ ﷺ نے ۲۰ آدمیوں کو قطبہ رضی اللہ عنہ ابن عامر ابن حدیدہ کی سرکردگی میں خثعم بھیجا۔ اس سریے میں ایک معمولی لڑائی پیش آئی جس میں دونوں طرف کے آدمی زخمی ہوئے۔ بالآخر دشمن پر فتح یابی ہوئی اور دشمن کے کچھ آدمی مارے بھی گئے۔ مسلمان مال غنیمت اور کچھ قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

(۳) سریہ ضحاک رضی اللہ عنہ ابن سفیان بجانب بنی کلاب:

ماہ ربیع الاول ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا دستہ بنی کلاب کے قراطہ قبیلہ کی جانب بھیجا[1]۔ اس کے امیر ضحاک رضی اللہ عنہ ابن سفیان تھے۔ مسلمان وہاں گئے اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے لیکن شکست کھائی۔

(۴) سریۂ علقمہ رضی اللہ عنہ ابن مجزز حبشیوں کے دفاع میں:

ربیع الآخر میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ حبشیوں کی ایک جماعت بحر احمر پار کر کے جدہ کے پاس کچھ عربوں سے آملی ہے تاکہ آپ ﷺ پر حملہ کریں۔ آپ ﷺ نے علقمہ ابن مجزز کی امارت میں ۲۰۰ آدمیوں کو ان سے مقابلے کے لیے بھیجا[2]۔ یہ لشکر بحر احمر کے کنارے ایک جزیرے پر پہنچ گیا جس کو دشمنوں نے اپنا اڈہ بنا لیا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع پاتے ہی دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن طالب کی سرکردگی میں بنو طے کی طرف ایک تبلیغی مہم:

ماہ ربیع الآخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی قیادت میں ڈیڑھ سو آدمی فلس کے

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۲۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۳۔

Marfat.com

بت خانے کو ڈھانے کے لیے بھیجے گئے ❶۔ اس کا تعلق بنی طے سے تھا۔ بنی طے قبیلے کے کچھ لوگ مشرکین میں سے تھے اور کچھ عیسائی تھے ❷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو بہت کامیابی کے ساتھ انجام دیا اور مالِ غنیمت نیز کافی قیدیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

قیدیوں میں عرب کے مشہور عیسائی اعرابی حاتم طائی جو اپنی سخاوت میں مشہور تھا کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم کا کئی سال پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا لڑکا عدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد کے بارے میں سن کر ملک شام بھاگ گیا تھا۔ جب حاتم طائی کی لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ سواری کے لیے اونٹ اور ایک پوشاک بھی تحفے میں دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے بھائی کو تلاش کرنے کے لیے شام جانے کی بھی اجازت دے دی۔ وہ ایک کارواں کے ساتھ شام گئی اور پھر اپنے بھائی کو لے کر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بے مثال کردار دیکھ کر عدی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ❸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ ان کے قبیلے کا سردار بنا دیا۔

⑥ سریۂ عکاشہ رضی اللہ عنہ ابن محصن:

ابن سعد نے عکاشہ رضی اللہ عنہ ابن محصن کا ایک سریہ اور بیان کیا ہے ❹ جو ماہ ربیع الآخر میں جِناب کی طرف بھیجا گیا تھا، ابن سعد نے اس کی تفصیلات درج نہیں کی ہیں۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۴۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔
نوٹ: طبری نے دو بت خانوں کے نام لکھے ہیں: رَسُوب اور مُخذَم۔

❷ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۴۔
نوٹ: طبری نے ''رکوسیہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا مذہب مشرکین اور عیسائیوں کے بیچ میں ایک مذہب تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ علی تاریخ الرسل والملوک للطبری، ص ۱۱۴۔

❸ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۲۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۴۔

Marfat.com

واقعۂ ایلاء

۹ھ کے شروع میں ❶ رسول اللہ ﷺ کو کچھ گھریلو تناؤ کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے قسم کھائی کہ آپ ﷺ ایک مہینے تک اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کے پاس نہیں جائیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس دوران نمازوں کے بعد آپ ﷺ اپنے نجی کمرہ میں بغیر بستر کی چارپائی پر آرام فرماتے۔ اس عرصے میں آپ ﷺ لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے۔ کچھ مؤرخین کے مطابق آپ ﷺ نے یہ قسم بھی کھائی تھی کہ آپ ﷺ شہد نہیں کھائیں گے۔ مسلمان یہ سمجھے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ ان کو کچھ وقت دینا چاہتے تھے تاکہ وہ آپسی رشک وحسد کو چھوڑ دیں اور ان کی طبیعت نرم پڑ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کے اس معاملہ پر کسی کو گفتگو کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ مسلمان اس واقعے سے بے حد فکر مند ہو گئے تھے۔ بڑی مشکل سے کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرف باریابی ہوا اور وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔ اس کی اطلاع مسلمانوں کو دی گئی جو اصل خبر معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے۔ اس موقعے پر اللہ نے سورہ تحریم نازل فرمائی جو ان آیات سے شروع ہوتی ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ (التحریم ۶۶:۱،۲)

''اے نبی ﷺ جس چیز کو اللہ نے آپ ﷺ کے لیے حلال کیا ہے آپ ﷺ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں۔ پھر وہ بھی اپنی بیویوں کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے

❶ فتح الباری، ج ۹، ص ۲۵۰، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۵۵۷۔

Marfat.com

والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمھاری قسموں کا کھولنا (قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارے کا طریقہ) مقرر فرمایا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔"

مؤرخین ومحدثین نے واقعہ ایلاء کی تشریحات مختلف انداز میں کی ہیں۔ امام بخاری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ❶ کے پاس کئی دن تک شہد تناول فرمایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ شہد آپ ﷺ کو بہت مرغوب تھا۔ اس کی وجہ سے دوسری بیویوں کے پاس جانے میں تاخیر ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر رشک ہوا اور انھوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے یا تمھارے گھر میں آئیں تو کہنا کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے (مغافیر کے پھولوں سے مکھیاں شہد کا رس چوستی ہیں۔) اس پر رسول اللہ ﷺ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا۔ جس پر قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئی تھیں۔

بعض دوسرے مؤرخین ❷ کے مطابق ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے میں موجود نہیں تھیں تو ان کے حجرے میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ آئیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ وقت گزارا۔ اسی درمیان حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی آ گئیں اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ان کو حجرے میں داخل ہونے کے لیے انتظار کرنا پڑا۔ جب حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا باہر نکل آئیں تو وہ اپنے حجرے میں داخل ہوئیں۔ اس واقعے پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ ناراض ہوئیں اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو قسم کھانے پر آمادہ کیا کہ آپ ﷺ ایک مقررہ مدت تک حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ملیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے یہ وعدہ کر لیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ وہ اس واقعے کو راز میں رکھیں گی اور کسی سے نہیں کہیں گی لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس راز کو نہیں چھپا سکیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی اس کامیابی کو فخریہ بیان کیا۔ ان مؤرخین کے مطابق سورۂ تحریم کی مندرجہ ذیل آیتیں بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعے کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ

❶ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، صحیح مسلم، سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۵۴۸۔

❷ فتح الباری، ج ۸، ص ۵۰۳، سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۵۵۰، ۵۵۹، مزید ملاحظہ ہو تاریخ طبری اور تفسیر ابن کثیر۔

Marfat.com

عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ O اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ O عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿

(التحریم ۶۶: ۳، ۵)

''اور جب کہ پیغمبر (ﷺ) نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بیوی نے وہ بات (دوسری بیوی کو) بتلا دی اور پیغمبر ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس ظاہر کر دینے والی بیوی کو تھوڑی سی بات تو جتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے۔ سو جب پیغمبر ﷺ نے اس بیوی کو جتلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ ﷺ کو اس کی خبر کس نے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے، خبر رکھنے والے (خدا نے) خبر کر دی۔ (اے پیغمبر ﷺ کی دونوں بیویو) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمھارے دل مائل ہو جائیں گے اور اگر (اسی طرح) پیغمبر ﷺ کے مقابلے میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو) پیغمبر ﷺ کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل علیہ السلام ہے اور نیک مسلمان ہیں اور (ان کے علاوہ) فرشتے (آپ ﷺ کے) مددگار ہیں۔ اگر پیغمبر ﷺ تم کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمھارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔ جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی۔ (کچھ) بیوائیں (اور کچھ) کنواریاں۔''

اوپر کی آیات میں ''تم دونوں'' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے آیا ہے جنھوں نے مندرجہ بالا منصوبہ بنایا تھا۔ واقعۂ ایلاء سے ان دونوں کے دل اللہ سے توبہ کی طرف مائل ہو گئے اور ان دونوں نے اس سے توبہ کر لی کہ آئندہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گی جس سے رسول اللہ ﷺ کبیدہ خاطر ہوں۔

Marfat.com

زکوٰۃ کی وصول یابی

اس سال سے رسول اللہ ﷺ نے ان قبیلوں سے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا باضابطہ زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام قائم کیا۔ آپ ﷺ نے بہت سے محصلین زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمائے۔ زکوٰۃ بیت المال (پبلک خزانہ) کا ایک بڑا ذریعۂ آمدنی تھا۔ بیت المال کا نظم ونسق مرکز کے زیرِاہتمام تھا۔ جزیے کے احکامات بھی اسی سال نازل ہوئے۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک ❶

فتح مکہ کے بعد اسلام جزیرۃ العرب کے وسیع وعریض خطے میں تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس نے لوگوں کے قلوب کو متاثر کیا اور لوگ پُر امن طریقے سے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پڑوس کے عیسائی ممالک (خصوصاً عظیم رومی سلطنت) اسلام کی اس غیر معمولی فتح و کامیابی کو انتہائی اضطراب و تشویش سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اسلام کے اس تیزی سے پھیلنے پر حسد کرنے لگے تھے۔ کیوں کہ ان کو اسلام کی بڑھتی ہوئی ہر دل عزیزی اور طاقت میں خود اپنے لیے زبردست خطرہ نظر آ رہا تھا۔ ان حالات میں انھوں نے عرب پر ایک زبردست حملہ کا ارادہ کیا تاکہ وہ اسلام کی اس ترقی کو روک سکیں۔ اس مقصد کے لیے ہرقل کی ہدایات پر رومیوں کی ایک زبردست فوج جمع ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ رومی اور ان کے اتحادی عیسائی مسلمانوں سے لڑائی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں ❷۔ اسلام کے دفاع کے لیے کوئی اقدام کرنا ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے ملک پر غیر ملکی حملہ کریں۔ یہ سخت گرمی کا موسم تھا، فصلیں بہت اچھی تھیں اور پکنے کے قریب تھیں۔ اس سے ایک سال قبل کی فصل خراب ہو چکی تھی، اس لیے لوگوں کے پاس وافر مقدار میں کھانے کا سامان جمع نہ ہو سکا تھا۔ رومیوں کی چڑھائی کی خبریں دن بدن نت نئے طریقے سے پہنچ رہی تھیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے دفاع کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے قاصد تمام حلیف قبائل کے پاس بھجوائے اور ان سے کہا کہ وہ مدینہ میں آ کر لشکر کے ساتھ شامل ہوں۔

---

❶ تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان پڑتا ہے۔ آج کل یہ مملکت سعودی عرب کی ایک بڑی چھاؤنی ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً ۷۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۵؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۳، ص ۶۳، ۶۴۔

Marfat.com

سفر کی سختیاں:

شام کا سفر بہت لمبا تھا۔ گرمی کے موسم میں ریگستانِ عرب میں سفر کرنا بہت دشوار تھا۔ اس سال گرمی اپنے شباب پر تھی۔ بہت سے غریب صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جن کے پاس سفر کے لیے کوئی سواری نہیں تھی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی ان کے لیے سواری مہیا کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غزوے کی تیاری کے لیے ایک ہزار دینار کا عطیہ دیا تھا[1]۔ کچھ مؤرخین کے مطابق انھوں نے اس کے علاوہ دو سو اونٹ بھی دیئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا تمام اثاثہ لے آئے اور غزوے کی تیاری کے لیے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کل اثاثے کا نصف آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ۳۰ ہزار آدمیوں اور دس ہزار گھوڑوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی[2]۔ آپ ﷺ رجب ۹ ھ میں روانہ ہوئے[3]۔ عرب کی تاریخ میں اس وقت تک عرب کی یہ سب سے بڑی فوج تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان لوگوں کو ہتھیار سے لیس ایک منظّم رومی فوج کا سامنا کرنا تھا۔ قرآن اس سخت مشقت والے اور تکلیف دہ سفر کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے:

﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (التوبہ ۹:۴۲)

"اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ (منافق) لوگ

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۱۸، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۳، ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۶۱۹۔

نوٹ: ابن عبدالبر اور ابن خلدون کے مطابق حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار ۸۰۰ اونٹ اور ۱۰۰ گھوڑے دیئے تھے۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۶۔

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۱۵، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۵، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۰۰، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۳۔

Marfat.com

ضرور آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی اور ابھی اللہ کی قسم کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ضرور ہم تمھارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ جھوٹ بول بول کر اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔"

کچھ منافقین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمی کا بہانہ بنا کر نہیں گئے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے دوسروں کو بھی آپ ﷺ کے ساتھ جانے سے روکنے کی کوشش کی۔

قرآن کریم مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرف اشارہ کرتا ہے:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبہ ۹:۸۱)

"پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا۔ اور (دوسروں کو بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ (اس سے بھی) زیادہ گرم ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے مدینہ منورہ پر مسلمانوں کے گھر والوں اور ان کی جائیداد کی حفاظت کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا[1]۔

رومیوں کا شام کی جانب پیچھے ہٹنا:

تقریباً ۱۵ دن کے سخت سفر کے بعد مسلمان لشکر نے تبوک نامی ایک مقام پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ وہاں پر مسلمان رومیوں کی مزید حرکات

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۱۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۰۴، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۴، صحیح بخاری، غزوہ تبوک۔

نوٹ: ابن سعد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پر محمدؓ ابن مسلمہ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۵، مگر زیادہ تر مورخین ابن سعد سے اتفاق نہیں رکھتے۔

Marfat.com

سکنات کی اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔ رومیوں نے پورے ملک میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا، ان کو رسول اللہ ﷺ کی تیاری کی پہلے ہی سے اطلاع مل چکی تھی۔ ان کو یہ معلوم تھا کہ آپ ﷺ موتہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کا بدلہ لینے ضرور تشریف لائیں گے۔ اس لیے وہ فوراً ہی اپنی سرحدوں کے اس پار چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد ان سے دفاع کرنا تھا نہ کہ شام پر حملہ کرنا۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کا پیچھا نہیں کیا۔

سرحد کا ایک سردار جس کا نام یوحنہ ابن روبہ تھا اور جو عائلہ کا رہنے والا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کی اطاعت قبول کی۔ اس نے جزیہ ادا کرنے پر رضا مندی ظاہر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے ایک معاہدۂ امن کیا [1]۔ اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں بہت سے ہدایا اور سونا پیش کیا جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ آپ ﷺ کا باج گزار بن گیا ہے۔ کچھ اور عیسائی قبائل مثلاً جرباء اور اذرُح نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت قبول کرلی۔

آپ ﷺ تقریباً ۲۰ روز تبوک میں قیام پذیر رہے، پھر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ غزوۂ تبوک سے تمام عرب کو اسلام کی مادی و روحانی قوت کا پورا اندازہ ہوگیا۔ اس کے بعد جزیرۃ العرب کے تقریباً تمام حصوں سے وفود مدینہ منورہ آکر اسلام قبول کرنے لگے یہاں تک کہ پورے عرب کا مذہب اسلام بن گیا۔

منافقین کے کردار کی نقاب کشائی اور عبداللہ ابن اُبی کی موت:

منافقین مسلسل مسلمانوں کے راستہ کا کانٹا تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے تبوک روانہ ہونے سے قبل ہی اپنے لیے الگ ایک مسجد بنالی تھی۔ وہ لوگ اس مسجد میں جمع ہوتے اور آپ ﷺ کے خلاف خفیہ میٹنگ کرتے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس مسجد کا افتتاح کریں اور وہاں نماز پڑھیں لیکن آپ ﷺ نے اس پروگرام کو کچھ عرصے کے لیے ملتوی کردیا تھا [2]۔ بعد میں اللہ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو منافقین کے ناپاک ارادوں کی اطلاع

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۲۵، ۵۲۶۔
2. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۲۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۰، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۷۔

Marfat.com

دی۔ اس مسجد کے متعلق بھی مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾

(التوبہ ۹: ۱۰۷، ۱۰۸)

''اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں، اور ایمان والوں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس سے قبل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مخالف ہے۔ اور (یہ منافق لوگ) قسمیں کھائیں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں ہے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، آپ ﷺ اس میں کبھی (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوں۔''

صاف صاف الفاظ میں وحی نازل ہونے کے بعد اس سازش کے گھر کو جس کا نام منافقین نے مسجد رکھا تھا ختم کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو ڈھانے اور جلا دینے کا حکم دیا[1] تاکہ وہ دوبارہ اللہ اور اسلام کے خلاف استعمال نہ ہو۔ اس واقعے کے کچھ ہی دن بعد منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی چل بسا۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۳۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۰، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۷۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکے کی پیدائش پر بہت خوش ہوئے تھے مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے ابراہیم رضی اللہ عنہ ابھی سترہ، اٹھارہ مہینے کے ہی تھے کہ وہ بیمار پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے تشریف لے گئے تو وہ اپنی ماں کی گود میں حالت نزاع میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود ہی میں انھوں نے دم توڑ دیا۔ اس واقعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور صرف یہ فرمایا: ''اے ابراہیم! اللہ کے اوامر اور اس کے وعدے سچے ہیں۔ اور ہم میں کے آخری کو ہم میں کے پہلے سے جا ملنا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''ہماری آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہیں، ہمارے دل غم زدہ ہیں لیکن ہمارے لبوں پر وہی جملہ ہے جس میں اللہ کی رضا ہے۔''

اتفاق سے جس دن ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اسی دن سورج گرہن بھی ہو گیا۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے۔ اس لیے لوگوں نے سمجھا کہ یہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک مختصر خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا: ''چاند اور سورج اللہ کی علامتوں میں سے علامت ہیں۔ کسی کے مرنے سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ پس جب تم گرہن دیکھو تو نماز کی طرف سبقت کرو۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز با جماعت ادا فرمائی [1]۔

---

[1] صحیح بخاری، باب الکسوف۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ❶

اب تک حج عربوں کے پرانے مشرکانہ طریقوں کے مطابق ادا ہوتا چلا آتا تھا۔ اس سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں ۳۰۰ مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ لوگوں کو حج کا صحیح طریقہ سکھائیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں یہ قافلہ روانہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی وہ آیات نازل کیں جن میں ان مشرکین کو جنھوں نے بلا تعین مدت معاہدہ کیا تھا چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے اور آئندہ مشرکین کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے اور حج کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس حج کو ''حج اکبر'' کہا ہے کیوں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ حج اصل ابراہیمی ملت کے مطابق انجام پایا تھا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قافلے سے جا ملیں اور حج کے موقع پر یہ اعلان سب کے سامنے کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اس ڈیوٹی کو پوری طرح انجام دیا۔ حج کے بعد تین سو آدمیوں کا یہ قافلہ مدینہ منورہ واپس آ گیا۔ سورۂ برات کی ابتدائی آیتیں اس طرح ہیں:

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْۤءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۴۳ تا ۵۵۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۸، ۱۶۹، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۶۶، ۲۶۷، ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۴، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۶۔

Marfat.com

اَلِیْمٌ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (التوبہ۹: ۱تا۴)

''اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلاتعیین مدت) عہد کر رکھا تھا۔ سو تم اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور یہ (بھی جان رکھو) کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ (بھی جان رکھو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو آخرت میں رسوا کرے گا اور اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ''حج اکبر'' کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ دونوں ان مشرکین (کو امن دینے) سے دست بردار ہوتے ہیں، پھر اگر تم (کفر سے) توبہ کر لو تو تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (اسلام سے) اعراض کیا تو سمجھ رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے۔ ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد کیا پھر انھوں نے تمھارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، سو ان کے معاہدے کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کر دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس موقع پر سورۂ توبہ کی چالیس آیتیں نازل ہوئی تھیں جن میں مندرجہ ذیل آیت بھی شامل ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (التوبہ۹: ۲۸)

''اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں اب وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔''

طبری کی ایک روایت کے مطابق اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے[1]۔

---

[1] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج۱، ص ۵۷۱، ۵۷۲۔

Marfat.com

مختلف عرب قبائل کے وفود

فتح مکہ کے بعد مدینہ نہ صرف ''مدینۃ النبی ﷺ'' بن گیا بلکہ اسلام کا دارالحکومت بھی۔ تمام جزیرۃ العرب سے مختلف وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آنا شروع ہو گئے ❶۔ ابن اسحق نے ایسے صرف ۱۵ وفود کا حال لکھا ہے جب کہ ابن سعد نے ۷۰ وفود کا تذکرہ کیا ہے لیکن مصنف سیرت شامی نے ۱۰۴ وفود کا تذکرہ کیا ہے ❷۔ حافظ ابن قیم نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے ۳۴ وفود کا ذکر کیا ہے۔ وہ خاص قبائل جن کے وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

''مزینہ ○ اسد ○ تمیم ○ عبس ○ فزارہ ○ مرہ ○ ثعلبہ ○ محارب ○ کلاب ○ رواس ابن کلاب ○ اشجع ○ بجیلہ ○ سلیم ○ ثقیف ○ ابوالقیس ○ حنیفہ ○ شیبان ○ مراد ○ زبید ○ سدی ○ خثعم ○ ازد ○ غمید ○ اسلم ○ جزام ○ مہرہ ○ حمیر ○ نجران ○ عنس وغیرہ۔''

یہ وفود مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام کرتے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسلامی تعلیمات حاصل کرتے۔ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے کسی وفد کی مہمانی کرنے اور اسلام سکھانے کو فرماتے۔ مندرجہ ذیل سطور میں تین اہم وفود کی تفصیلات دی جارہی ہیں:

---

❶ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۶۰ تا ۵۹۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۹۱ تا ۳۵۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۱۵ تا ۱۲۵، اور ص ۱۳۰ تا ۱۴۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۶۹ تا ۲۷۴۔

❷ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۳۶۔

Marfat.com

(۱) وفد ثقیف:

ایک اہم وفد جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا وہ طائف کے قبیلہ ثقیف کا تھا۔ یہ وفد رمضان ۹ھ میں آیا[1]۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے ہی تھے۔ اس سے پہلے قبیلۂ ثقیف کے سردار عروہ ۸ھ میں جب کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ طائف سے واپس لوٹ رہے تھے آپ ﷺ سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ اسلام قبول کر لیا تھا اور آپ ﷺ سے طائف واپس جا کر تبلیغ اسلام کی اجازت چاہی تھی۔ طائف جا کر انھوں نے اپنے ایمان کا اعلانِ عام کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ طائف کے لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکے اور ان کے اوپر سنگ باری کی اور تیر برسائے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ مرتے وقت انھوں نے اللہ کے راستے کی اس موت پر اس کا شکران الفاظ میں ادا کیا: ''یہ ایک تحفہ ہے جس سے اللہ نے مجھے شرف بخشا ہے۔ اور ایک شہادت ہے جس کی طرف اللہ مجھے کھینچ کر لایا[2]۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ اپنی موت کے وقت کہے جس کا ان کے ساتھیوں پر بہت اثر ہوا۔ ان کی شہادت کا یہ خون رنگ لایا اور بعد میں ان کے قاتلین نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد قبیلۂ ثقیف کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہم تمام عربوں سے جنگ نہیں کر سکتے، اب تقریباً پورے عرب نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ عبد یالیل جوان کا ایک سردار تھا اس نے دوسرے سرداروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ وہ پانچ آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ جائے گا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے مسجد کے صحن میں خیمہ لگوایا۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن رسول اللہ ﷺ سے اپنے بت ''لات'' کو توڑنے کے لیے کچھ مہلت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرمایا۔ بہر حال وہ اس پر راضی ہو گئے کہ وہ اس بت کو خود نہیں توڑیں گے بلکہ کوئی دوسرا شخص اس کو توڑ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ ابن ابو العاص کو ان کا امیر مقرر کیا حالاں کہ وہ ان سب میں سب سے زیادہ کمسن تھے۔ ان کے امیر بنانے کی وجہ، ان کے اندر اسلامی تعلیمات اور قرآن کو سیکھنے کا جذبہ تھا۔

---

1. ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۳۷، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۷۔
2. ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۵۷، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹، ابن اسحاق، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی ترجمہ از گلیوم)، ص ۶۱۴۔

Marfat.com

(۲) وفد بنو تمیم:

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک اور اہم وفد بنو تمیم ❶ کا آیا۔ ان کو اپنے شعراء پر بہت ناز تھا۔ جب وہ آئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''اے محمد! ہم تم سے فخر میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے ہمارے شاعر و خطیب کو اجازت دو ❷۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھارے خطیب کو اجازت دی۔'' ان کی طرف سے ان کا خطیب عطارد ابن حاجب کھڑا ہوا اور اس نے ایک خطبہ پڑھا۔ جب وہ اپنا خطبہ ختم کر کے بیٹھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ابن قیس (جو بنوخزرج سے تھے) کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر اس کی تقریر کا جواب دیں۔ اس کے بعد ان کا شاعر زبرقان کھڑا ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ ابن ثابت نے اس کے اشعار کا جواب دیا۔ جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کے اشعار کا جواب دے چکے تو بنوتمیم کے قبیلہ کا اقرع ابن حابس کھڑا ہوا اور اس نے کہا: ''باپ کی قسم یہ آدمی (رسول اللہ ﷺ) وہ ہیں، جنھیں توفیق الٰہی حاصل ہے۔ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر اور ان کے الفاظ ہمارے الفاظ سے شیریں ہیں ❸۔'' جب لوگ اس مقابلے سے فارغ ہو گئے تو بنوتمیم کا وفد اسلام لے آیا اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں قیمتی تحائف عطا کیے۔

(۳) وفد بنو عامر ❹:

بنو عامر کا ایک وفد اپنے تین سرداروں کے ساتھ آیا جن کے نام یہ ہیں: عامر ابن طفیل،

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۱۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۷۱۔

❷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۲، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۱۶، ابن اسحٰق، سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، (انگریزی ترجمہ از گلیوم)، ص ۶۲۸۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۲۔

❹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۷، ۵۷۳، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۴۴۔

Marfat.com

اربد بن قیس، اور جبار بن سلمی۔ عامر ابن طفیل کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنا تھا۔ اس نے اربد کے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنایا تھا لیکن اربد نے اس کی بات قبول نہیں کی اور وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے پر ایمان لے آئے۔ عامر جب اپنے وطن واپس آ رہا تھا تو راستے میں طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا[1]۔

اس وقت تک عرب کی جو اہم شخصیات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور اسلام قبول کیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

''عدی ابن حاتم (قبیلہ طے کے عیسائی سردار)، فروہ ابن مسیک المرادی (قبیلہ کندہ کے)، عمرو ابن معدیکرب (قبیلہ بنو زبید)، اشعث ابن قیس (قبیلہ کندہ)، صرد ابن عبداللہ ازدی (قبیلہ ازد کے ایک سردار)، حمیر کے بادشاہ حارث بن عبد کلال، نعیم ابن عبد کلال اور نعمان (جو ذورُعین، معافر اور ہمدان کا شاہ تھا)، فروہ ابن عمرو جذامی (قبیلہ نفاثہ)۔

ان کے اسلام قبول کرنے کی تفصیلات سیرت ابن ہشام اور دوسری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۹ھ کے متفرق واقعات:

بذریعۂ وحی سود کو حرام کر دیا گیا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اسی سال انتقال ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۶۸، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۴۵، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۷۰۔

Marfat.com

ہجرت کا دسواں اور گیارہواں سال

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نجران اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یمن کی طرف روانگی

نجران کے کافی عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو اسلام قبول کرنے سے رہ گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک تبلیغی مہم پر نجران کے لیے روانہ کیا❶۔ انھوں نے نجران میں تبلیغ کا کام کیا اور وہاں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہاں کے لوگوں نے ایک وفد مدینہ منورہ بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کی بڑی عزت اور خاطر و مدارات کی۔

یمن میں ابھی تک مشرکین باقی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان ۱۰ھ❷ میں تین سو گھڑ سواروں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں کے لیے روانہ کیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن پہنچے تو انھوں نے اہل ایمن کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ ان سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ ایک چھوٹی سی لڑائی ہوئی جس میں مشرکین شکست کھا گئے اور بالآخر انھوں نے اطاعت قبول کر لی اور ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ قبل مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ تک رہے۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۹، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۲۶۔
مزید ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہؐ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۴۱۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۶۹، ابن جریر طبری، ترخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۳۱۔

نوٹ: (۱) ابن ہشام نے بھی اس واقعے کو لکھا ہے مگر کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۶۴۱۔

(۲) حضرت علیؓ کو دوبار یمن بھیجا گیا تھا: ابن ہشام، السیرۃ النبویہؐ، ج ۲، ص ۶۴۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۹۔

Marfat.com

حجۃ الوداع

غزوۂ تبوک کے بعد فوجی مہمات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر ایک سال کے اندر ہی پورے جزیرۂ عرب پر اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ اب مدینہ میں مقیم ہو کر چاروں طرف سے آنے والے لوگوں اور وفود کا استقبال کرنے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ جب قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ اب آپ ﷺ کا مشن اپنے اختتام تک پہنچنے والا ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر)

''(اے محمد ﷺ) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح آ پہنچی اور آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اب آپ ﷺ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجیے۔ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

فرضیت حج کے بعد ابھی تک آپ ﷺ نے کوئی حج ادا نہیں کیا تھا۔ حج کی فرضیت ۹ھ میں ہوئی تھی جس میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت نہیں کی تھی بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے نائب کی حیثیت سے امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جس کا عام اعلان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے عرب کے مختلف حصوں میں قاصدین بھیجے کہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اس حج میں شرکت کریں[1]۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اس مقدس سفر

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۷۱، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۴۸، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۷۵۔

Marfat.com

میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ آنا شروع ہو گئے۔ شہر مدینہ کے باہر حاجیوں کے لیے خیمے لگوائے گئے۔ عرب کے کونے کونے سے مرد وعورت اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ حاجیوں کی کل تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ (عرفات کے دن حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ۲۶/ ذی قعدہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ تقریباً ۶ میل چلنے کے بعد مقام ذوالحلیفہ پر آپ ﷺ نے احرام باندھا۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی اقتدا کی۔ احرام باندھنے کے بعد آپ ﷺ نے لبیک کی صدا لگائی:

لبيك اللهم لبيك' لبيك لا شريك لك لبيك' ان الحمد والنعمة لك والملك لك لا شريك لك !

''اے اللہ ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے اللہ ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں۔ سب تعریفیں، سب نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور سلطنت بھی تیرے ہی لیے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

یہ الفاظ ہزاروں آدمیوں نے دہرائے اور پورا صحرا ان کی آواز سے گونج اٹھا۔

5/ذی الحجہ (کچھ روایتوں کے مطابق 4/ذی الحجہ) کو رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے۔ کعبہ مشرفہ کا طواف کرنے کے بعد آپ ﷺ نے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى (البقرہ۲:۱۲۵)

''اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔''

اس کے بعد آپ کوہ صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ۲:۱۵۸)

''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔''

وہاں سے کعبہ نظر آیا تو آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے:

لا اله الا الله وحده لاشريك له' له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شي قدير، لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده (ابوداؤد)

Marfat.com

''اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے سلطنت اور تمام تعریفیں ہیں۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے۔ اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تن تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے سعی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ پورا کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا۔ اسی درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یمن کے ایک وفد کے ساتھ آپ ﷺ سے آملے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ۸؍ذی الحجہ تک قیام فرمایا۔ اور ۸؍ذی الحجہ کے روز آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوئے جہاں آپ ﷺ نے رات گزاری اور دوسرے دن ۹؍ذی الحجہ کی صبح کو عرفات کے لیے روانہ ہو گئے۔

آپ ﷺ کا تاریخی خطبہ:

میدانِ عرفات میں جب دوپہر ڈھل گئی تو آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور اونٹنی پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ پورا خطبہ سیرت یا حدیث کی کسی ایک کتاب میں نہیں ملتا۔ مختلف کتابوں میں مختلف حصے ملتے ہیں جن کو مندرجہ ذیل سطور میں تحریر کیا جا رہا ہے[1]:

الا کل شی من امر الجاھلیة تحت قدمی موضوع (الدرر، صحیح بخاری، صحیح مسلم) لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی کلکم من آدم و آدم من تراب (عقد الفرید، اس کا کچھ حصہ مسند احمد اور بیہقی میں بھی ہے) کل مسلم اخوالمسلم (طبری وابن ماجہ) ارقاء کم ارقاء کم اطعموھم بما تاکلون واکسوھم بما تلبسون (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد) ودماء الجاھلیة موضوعة وان اول دم

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۰۳، ۶۰۴، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۵۰ تا ۱۵۲، ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۸۲، ۲۸۳، شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ ج ۲، ص ۱۲۴، ۱۲۵۔
مزید ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ، شرح المواہب اللدنیہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ از شیخ محمد زکریا کاندھلوی۔

Marfat.com

اضعه من دمائنا دم ابن ربیعة ابن الحارث (صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد)
وربا الجاهلیة موضوع و اول الربا اضع من ربانا ربا عباس ابن عبدالمطلب۔
(صحیح مسلم، سنن ابوداؤد)

’’سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تمھارے غلام! تمھارے غلام! (یعنی غلاموں کے ساتھ انصاف کرو) ان کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ جاہلیت کے تمام خون (انتقام خون) باطل کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون (یعنی) ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔ آج کے دن جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود (یعنی) عباس ابن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔‘‘

واتقوا الله فی النساء (صحیح مسلم، سنن ابوداؤد) ان لکم علی نساء کم حقا ولهن علیکم حقا (سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری وغیرہ) ان دماء کم واموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا، فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا (صحیح بخاری و مسلم اور سنن ابوداؤد) وانی ترکت فیکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب الله (صحیح بخاری و مسلم) ان الله عزوجل قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارثه الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم علی الله۔ من ادعی الی غیر ابیه اوتولی غیر موالیه فعلیه لعنة الله' الا لایحل لامرأة ان تعطی من مال زوجها شیئًا الا باذنه الدّین مقضی، والعاریة موداة والمنحة مردودة والزعیم غارم (الطبقات لابن سعد، السیرۃ لابن اسحٰق، السنن لابن ماجہ وغیرہم)

’’(اے لوگو) عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری عزت اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن کی حرمت اور آج کے مہینے کی حرمت اور اس شہر کی حرمت۔ میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ عزوجل نے ہر حق دار

(وراثت کے قوانین کے ذریعے) اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی کو وارث کے حق میں ہبت کرنا جائز نہیں۔ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زانی کے لیے پتھر ہیں اور ان احساب اللہ کے ذمے ہے۔ جو بچہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ سن لو! کسی عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض واجب الادا ہے۔ جو چیز عاریتاً لی جائے اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ عطیہ لوٹایا جائے۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔''

خطبے کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کو خطاب کر کے کہا: **انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون** یعنی تم سے اللہ کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''**نشهد انک قد بلغت و اديت و نصحت**'' یعنی ہم گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، اپنا فرض ادا کر دیا، اور نصیحت کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا: ''**اللهم اشهد، اللهم اشهد، اللهم اشهد**'' اے اللہ تو گواہ رہے، اے اللہ تو گواہ رہے، اے اللہ تو گواہ رہے۔

(سنن ابی داؤد، صحیح مسلم وغیرہ)

اس موقع پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی [1]:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ ۵:۳)

''آج کے دن تمھارے لیے تمھارے دین کو ہم نے مکمل کر دیا۔ اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے اسلام کو تمھارے لیے بحیثیت دین قبول کیا۔''

خطبے سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور پھر آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعت اور پھر عصر کی دو رکعت نماز (ایک ہی اذان سے) پڑھی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ ذکر و دعا میں مشغول رہے اور بعد غروب آفتاب مزدلفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مزدلفہ پہنچ کر پہلے آپ ﷺ نے مغرب کی نماز ادا کی اور پھر فوراً ہی عشاء کی نماز ادا کی۔

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج ۲، ص ۱۸۸۔

Marfat.com

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے طلوع فجر تک آرام فرمایا۔ محدثین کے مطابق یہی ایک رات ہے جس میں آپ ﷺ نے تہجد کی نماز ادا نہیں کی۔

۱۰/ذی الحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کر کے آپ ﷺ منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔ منیٰ روانگی سے قبل آپ ﷺ نے مزدلفہ میں ہی جمرات پر پھینکنے کے لیے کنکریاں چن لی تھیں۔ منیٰ پہنچ کر پہلے آپ ﷺ نے جمرات پر کنکریاں پھینکیں۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد منیٰ میں ایک اور بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے یوم نحر کی حرمت سے بھی آگاہ کیا اور اس دن کی فضیلت بھی بتائی نیز دوسرے شہروں پر مکہ مکرمہ کی فضیلت و برتری بھی بتائی، وغیرہ۔

اس کے بعد آپ ﷺ قربان گاہ تشریف لے گئے اور وہاں قربانی کی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ قربانی کے لیے منیٰ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ منیٰ اور مکہ کی ہر ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے۔ ان میں سے ایک روایت کے مطابق ۶۳ اونٹ آپ ﷺ نے خود ذبح کیے اور باقی کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ (آپ ﷺ کی طرف سے) ذبح کر دیں۔ آپ ﷺ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کے گوشت میں سے کچھ پکوا کر تناول فرمایا اور باقی کے لیے حکم دیا کہ خیرات کر دیا جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حلق کروایا (یعنی سر منڈوایا) اور اپنے موئے مبارک اپنے اردگرد کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر چاہ زمزم پر آ کر زمزم پیا اور اس کے بعد منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ منیٰ میں آپ ﷺ نے ۱۲/ذی الحجہ تک (ایام تشریق کے دوران) قیام فرمایا۔ ۱۲/ذی الحجہ کو زوال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہاں سے نکل کر وادئ محصب میں قیام کیا اور شب اسی مقام پر گزاری۔ 14/ذی الحجہ کو پچھلے پہر اٹھ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے طواف کیا اور پھر فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ 14/ذی الحجہ کو ہی روانہ ہو گئے۔

مکہ سے مدینہ واپس جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ غدیر خم پر پہنچے تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد

Marfat.com

قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تلقین کی اور اہل بیت کی عزت وتوقیر کرنے کے لیے بھی کہا۔اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ [1]

''جس کو میں محبوب ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے۔اے اللہ جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔''

جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو رات وہیں بسر کی اور فجر کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔سوادِ مدینہ پر جب رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو آپ ﷺ نے تین بار تکبیر کہی اور یہ دعا پڑھی:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہُ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر، آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ہم لوگ واپس آ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔اس کی حمد کرتے ہوئے۔اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو تنہا شکست دی [2]۔

---

[1] نسائی، مسند احمد، السیرۃ النبویہؐ، لابن کثیر، ج ۴، ص ۴۱۵۔

[2] زادالمعاد، ج ۱، ص ۲۴۹۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد

بیشتر مؤرخین کے مطابق جن غزوات میں رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی تھی ان کی تعداد ۲۷ ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) غزوۂ ابوا (دوان) (۲) غزوۂ بواط (۳) غزوہ عشیرہ (۴) غزوۂ بدر اولیٰ (۵) غزوۂ بدر (کبریٰ) (۶) غزوۂ بنو سلیم (۷) غزوۂ سویق (۸) غزوۂ غطفان (۹) غزوۂ بحران (۱۰) غزوۂ احد (۱۱) غزوۂ حمراء الاسد (۱۲) غزوۂ بنونضیر (۱۳) غزوۂ ذات الرقاع (۱۴) غزوۂ بدر اخیرہ (۱۵) غزوۂ دومتہ الجندل (۱۶) غزوۂ خندق (۱۷) غزوۂ بنوقریظہ (۱۸) غزوۂ بنو لحیان (۱۹) غزوۂ ذی قرد (۲۰) غزوۂ بنی مصطلق (۲۱) غزوۂ حدیبیہ (۲۲) غزوۂ خیبر (۲۳) غزوۂ عمرۃ القضاء (۲۴) غزوۂ فتح مکہ (۲۵) غزوۂ حنین (۲۶) غزوۂ طائف (۲۷) غزوۂ تبوک۔"

ان 27 غزوات میں سے صرف 9 غزوات میں جنگ ہوئی جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:
"غزوہ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ بنوقریظہ، غزوۂ بنو مصطلق، غزوۂ خیبر، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف۔"

جہاں تک ان سرایا کا تعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریک نہیں تھے مؤرخین کی رائے ان کی تعداد کے متعلق مختلف ہے۔ ابن ہشام کے مطابق سرایا و بعوث کی تعداد کل ملا کر ۳۹ ہے [1] ابن سعد کے مطابق چھوٹے بڑے تمام سرایا ملا کر ۴۷ ہوتے ہیں۔ ابن سعد میں ذکر کیے گئے زیادہ تر سرایا اس کتاب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۰۹۔

Marfat.com

نبوت کے جھوٹے دعویدار

حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور دوسرے قبائل کے لوگ اپنے اپنے قبیلوں کی جانب واپس چلے گئے۔ اسلام کو پھیلتا ہوا دیکھ کر آپ ﷺ کو کافی اطمینان ہو گیا تھا۔ اب آپ ﷺ رومیوں کے چیلنج کا جواب دینے کے بارے میں فکرمند تھے کیوں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بظاہر ایک بڑا خطرہ بنتے جا رہے تھے۔

انھی ایام میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو لکھا ہے کہ سرزمین قریش جو آپ ﷺ کو ملی ہے اس کا نصف حصہ اس کے حوالے کیا جائے[1]۔ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کو جواب میں تحریر کیا: ''محمد الرسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ تمام زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے نیک بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وہ اس کو اس کی وراثت عطا کرتا ہے اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی[2]۔''

مسیلمہ کے علاوہ دو اور شخصوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نجد کا طلیحہ زاعم ابن اسد تھا، وہ رسول اللہ ﷺ سے خائف تھا اس لیے اس نے آپ ﷺ کی وفات کا انتظار کیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنی جھوٹی نبوت کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ دوسرا شخص یمن کا اسود عنسی تھا جس نے سحر کے ذریعے اپنے چاروں طرف ایک مجمع جمع کر لیا تھا۔ اس نے یمن کے اس والی کو بھی قتل کر دیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد وہ نجران کی طرف بڑھا اور یمن کے سابق حکمران ابن باذان کو قتل کرنے کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ بعد میں ابن باذان کی بیوہ نے اسے قتل کر دیا۔

---

[1] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۴۹۔

[2] ایضاً۔

Marfat.com

رومیوں کے خلاف لشکر کی تیاری

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ ناگزیر تھی۔ رومی مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر اندر ہی اندر سلگ رہے تھے۔ اگر ان کو جاں باز مسلمانوں کا خوف نہ ہوتا جن کے سامنے یا تو جام شہادت ہوتا تھا یا فتح و کامیابی، تو وہ کافی عرصہ پہلے ہی مسلمانوں پر چڑھائی کر دیتے۔

اپنی حیات کے آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ کو شام کی سرحد پر مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی تیاری کا علم ہوا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان سے مقابلے کے لیے ایک لشکر تیار کیا جائے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ابن زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا گیا[1]۔ ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ رومیوں کے مقابلے میں اس سے پہلے ایک جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اس لشکر میں انصار و مہاجرین کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بلقاء تک جائیں اور دشمن کی سرزمین میں فلسطین کے اس حصے سے داخل ہوں جو موتہ سے قریب ہے جہاں ان کے والد شہید ہوئے تھے۔

ابھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ منورہ سے بمشکل چند میل کے فاصلے تک ہی گیا تھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وفات کی خبر سنی، اس لیے وہ مدینہ کے قریب جرف کے مقام پر ٹھہر گئے تاکہ جنازے میں شرکت کر سکیں۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۴۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۸۹، ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۸۴۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی علالت اور وفات

حجۃ الوداع سے واپسی کے دو ماہ کے بعد رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ تمام کام انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ احد تشریف لے گئے اور وہاں شہداء کے لیے دعا کی۔ وہاں آپ ﷺ نے ایک مختصر سا خطبہ بھی دیا جس میں فرمایا: ''میں تمھارے بارے میں بت پرستی سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت وخون نہ کرو۔ تو پھر تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں۔'' ایک راوی کے مطابق یہ آپ ﷺ کا آخری خطبہ تھا جو اس نے سنا تھا۔

رسول اللہ ﷺ علالت کے باوجود جماعت سے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ اتنے کمزور ہو گئے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھجوایا کہ وہ نماز کی امامت کریں، چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ وفات سے چار روز پہلے رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا اور ظہر کی نماز سے پہلے غسل کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے لیکن آپ ﷺ نے انھیں اشارے سے روک دیا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اور دوسرے لوگ نماز کے ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جو آپ ﷺ کی زندگی کا آخری خطبہ ہے:

((ان عبدا من عباد الله خير الله بين الدنيا وبين ماعنده فاختار ما عند الله)) [1]

(الحدیث)

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱ تا ۶۴۳۔

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ خواہ وہ دنیا (کی زندگی اور نعمتوں) کو پسند کرے یا اللہ کے پاس آخرت میں جو کچھ ہے اس کو۔ اس نے (اس بندے نے) اس کو پسند کیا جو کچھ اللہ کے پاس ہے۔''

راوی کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس جملے کا مطلب سمجھ گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ چنانچہ وہ رو پڑے اور بولے: نہیں نہیں بلکہ ہم لوگ اپنے آپ ﷺ کو اور اپنی اولاد کو آپ ﷺ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((علی رسلك يا ابابكر))

''ابوبکر سہولت سے کام لو۔''

اس کے رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

''یہ دروازے جو مسجد میں کھل رہے ہیں ان سب کو بند کرو مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ بند نہ کرو، کیوں کہ میں کسی بھی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو دست و بازو بن کر صحبت نشین ہونے کے اعتبار سے ان سے (ابوبکر رضی اللہ عنہ سے) افضل ہو۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''میں اگر بندوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا (مگر اللہ ہی میرا دوست ہے۔ اب جو چیز باقی رہ گئی ہے وہ) میری صحبت کا شرف اور ایمانی برادری ہے یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس جمع فرمائے [1]۔''

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''اے لوگو! میں انصار کے معاملے میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمھیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ جو تمھارے نفع و نقصان کا متولی ہو اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہے ان کو معاف کرے [2]۔''

---

[1] یہاں تک کا خطبہ ابن ہشام میں تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱، ۶۴۲، تا ۶۴۳۔

[2] صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۲، ص ۱۷۸۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی! تم اللہ کے یہاں کے لیے کچھ کرلو۔ میں اللہ کے یہاں تمھارے کام نہیں آسکتا[1]۔''

یہ رسول اللہ ﷺ کا آخری خطبہ تھا۔ خطبے سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد علالت نے شدت اختیار کرلی۔
بروز دوشنبہ 12/ربیع الاول کی صبح کو آپ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا اور اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بدستور لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نماز کی صفوں کو دیکھ کر مسکرائے، لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپ ﷺ شاید نماز کے لیے باہر تشریف لائیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا کہ وہ لوگ اپنی نماز اسی طرح پوری کرلیں۔

اسی دن دوپہر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حالت اچانک پھر خراب ہوگئی اور آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی۔ موت کی شدت میں بھی آپ ﷺ اللہ کو یاد کرتے جارہے تھے اور استغفار پڑھتے جارہے تھے۔ سہ پہر کو آپ ﷺ کے سینے میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہورہی تھی۔ اسی درمیان آپ ﷺ کے لب مبارک ہلے اور لوگوں نے یہ الفاظ سنے:

الصلوٰۃ و ماملکت ایمانکم۔ (نماز اور غلام)

آپ ﷺ کے قریب ہی ایک لگن میں پانی بھرا رکھا تھا، اس میں آپ ﷺ بار بار ہاتھ ڈالتے اور گیلے ہاتھوں کو چہرے پر مل لیتے۔ اسی درمیان آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر انگلی سے تین بار اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا:

((اللھم الرفیق الاعلیٰ)) (صحیح بخاری)

''سب سے اعلیٰ اور برتر رفیق اللہ کے پاس۔''

نوٹ: کچھ روایتوں میں ''بل الرفیق الاعلیٰ'' کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ سیرۃ ابن ہشام ج۴، ص ۳۰۵۔

---

[1] مسند امام شافعیؒ، باب استقبال القبلہ، ''کتاب الام'' از امام شافعیؒ ابن سعد، جزء الوفات، شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج۲، ص ۱۷۹۔

Marfat.com

اس طرح بارہ ربیع الاول ۱۱ھ ❶ بروز دوشنبہ (مطابق ۸/ جون ۶۳۲ء) ❷ کو رسول اللہ ﷺ کی روحِ پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

اللھم صل وسلم علیہ وعلی الہ واصحابہ صلوٰۃ کثیراً کثیراً

حضرت فضل رضی اللہ عنہ ابن عباس اور اسامہ رضی اللہ عنہ ابن زید نے پردہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اس وقت موجود تھے۔ غسل و تکفین کے بعد جنازہ مبارک کو گھر ہی میں رکھ دیا گیا۔ لوگ جماعتیں بنا بنا کر آتے اور نماز جنازہ ادا کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں قبر مطہر کھودی گئی اور وہیں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا۔ اب اس حجرے کا نام روضۃ النبی ﷺ ہے۔"

اللھم صل وسلم علیہ وعلی الہ واصحابہ صلوٰۃ کثیراً کثیراً

---

❶ زیادہ تر مؤرخین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲/ ربیع الاول کو ہوئی تھی، ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۳، ص ۱۱۰، ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۲۰۰، ابن عبدالبر، الدرر، ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۷۲، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۵۴ تا ۲۵۶۔

❷ ہجری اور عیسوی تاریخوں کے تقابلی مطالعے کی بنیاد پر مرتب مشہور تقویم، مفتاح التقویم از حبیب الرحمان خان صابری (مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی ۱۹۷۷ء) اور ہجری وعیسوی تاریخون کے تقابلی مطالعہ پر مرتب کتاب مصنفہ۔ اے۔ ایم۔ خالدی وغیرہ کی بنیاد پر ۱۲/ ربیع الاول یک شنبہ (اتوار) کے روز پڑتی ہے جس کے مطابق عیسوی تاریخ ۷/ جون ۶۳۲ء ہوتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ہم اس سے پہلے کا مہینہ یعنی صفر ۱۱ھ ۲۹ دن کا مانیں لیکن اگر ہم صفر ۱۱ھ ۳۰ دن کا مانیں تو بارہ ربیع الاول ۱۱ھ ٹھیک دوشنبہ (پیر) کے روز پڑے گی جس دن عیسوی تاریخ ۸/ جون ۶۳۲ عیسوی ہوگی۔

Marfat.com

اخلاق، اعلیٰ کردار اور حلیۂ مبارک

اس عالم میں بہت سی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جن میں اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل بھی شامل ہیں اور مذہبی وسماجی مصلحین بھی لیکن کسی شخصیت کو یہ مخصوص شرف حاصل نہیں ہے جو کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تمام تفصیلات تاریخ کے اندر ۱۴ سو سال سے پوری طرح محفوظ ہیں۔ ان تفصیلات کو پڑھ کر آج بھی ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات ہماری آنکھوں کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کی تمام تفصیلات، آپ کی زندگی کے ہر گوشے کا مفصل بیان اور تمام جزئیات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رشتے داروں کے ساتھ تعلقات، اپنے ساتھیوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ساتھ معاملات روز روشن کی طرح ہمارے سامنے عیاں ہیں۔ یہ تمام تفصیلات قرآن واحادیث میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ متقدمین سیرت نگاروں اور مؤرخین نے بھی اس سلسلہ میں بیش قیمت سرمایہ فراہم کیا ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی مکمل تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔

مغربی مؤرخین اور نقادوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ نسل انسانی کی تمام مذہبی شخصیات اور دنیا کے تمام رہنماؤں میں صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت ہی ایسی شخصیت ہے جن کی زندگی کے تمام گوشے تاریخ کے اندر پوری طرح محفوظ ہیں۔

بوس ورتھ اسمتھ لکھتا ہے:

''محمڈن ازم (اسلام) میں ہر چیز مختلف ہے۔ یہاں پر دھندلے اور پراسرار (واقعات) کی جگہ ہمیں ایک تاریخ ملتی ہے۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خارجی تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں، ساتھ ہی ساتھ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن کا اعلان کیا اس وقت سے آخری وقت تک کے حالات بھی ایک ایسی کتاب میں محفوظ ہیں

Marfat.com

جس کی اصلیت (وسچائی) کو بے مثال طریقہ سے محفوظ رکھا گیا ہے جس کے مستند ہونے پر کوئی شک وشبہ نہیں کر سکا[1]۔''

ان راویوں کی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو محفوظ رکھا ہے، تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسپرنگر (Springer) تحریر کرتا ہے:

''دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جو پچھلے بارہ سو سال میں گزری ہو اور جس نے کسی بھی صاحب علم و فضل کی زندگی کی تفصیلات کو اس طرح محفوظ کیا ہو جس طرح انھوں نے کیا ہے۔ اگر ہم ان مسلمان راویوں کے حالات کو جمع کریں (جنھوں نے سیرت نبوی ﷺ کی تفاصیل اور احادیث کے جمع کرنے میں حصہ لیا) تو شاید ہم پانچ لاکھ ممتاز اشخاص کی زندگی کا حساب رکھ سکیں گے۔''

پروفیسر مارگولیتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے:

''محمد رسول اللہ (ﷺ) کے سیرت نگاروں کی ایک لمبی فہرست ہے جس کا ختم ہو جانا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پالینا باعث شرف وعزت ہے۔''

جان ڈیون پورٹس نے اپنی کتاب:

"Apology for Muhammad And The Holy Qur`an"

میں لکھا ہے: ''دنیا کے تمام قانون سازوں اور فاتحین میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی زندگی کی تفصیلات محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرح صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوں۔''

مندرجہ ذیل سطور میں ہم مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو مختصراً بیان کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے طور طریقے اور اعلیٰ کردار:

آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے اہم پہلو عملیت ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات پر خود بھی پوری طرح عمل کیا۔ آپ ﷺ اپنے برتاؤ میں انتہائی رحم دل، مہربان اور نرم طبیعت تھے۔ قرآن کریم ان الفاظ میں آپ ﷺ کی نرم مزاجی کو بیان کرتا ہے:

---

1. بوس ورتھ اسمتھ:

Bosworth Smith: Muhammad And Muhammadanism. PP 14-15

Marfat.com

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران ۳:۱۵۹)

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان کے (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ساتھ نرم (مزاج) ہیں اور اگر آپ ﷺ تند خو اور سخت طبیعت کے ہوتے تو یہ (لوگ) آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔"

ایک دوسری جگہ قرآن کریم کہتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبہ ۹:۱۲۸)

"اے لوگو! تمھارے پاس تم میں ہی کے ایک ایسے رسول ﷺ تشریف لائے ہیں جن کو تمھاری تکلیف نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، جو مومنین کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔"

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وہ نصیحت نقل کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے ان کو یمن کا گورنر مقرر کرنے کے بعد اس حال میں کی تھی جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاؤں رکاب میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے معاذ! لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا[1]۔" رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: "میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں[2]۔"

ایک مرتبہ ایک اعرابی مسجد نبویؐ میں آیا اور مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگ بہت خفا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کو چھوڑ دو اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے وہاں ایک بالٹی پانی بہا دو (تاکہ مسجد کا صحن صاف ہو جائے)۔ بے شک تم لوگ آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے کے لیے[3]۔"

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک ایک اعرابی آیا اور آپ ﷺ کو کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کے

---

1. موطا امام مالک، مشکوۃ۔
2. موطا امام مالک، مسند احمد، مشکوۃ۔
3. صحیح بخاری، مشکوۃ۔

Marfat.com

گلے کے قریب آ گئے۔ اس نے اس زور سے کھینچا تھا کہ کپڑوں کے نشان رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اطہر پر آ گئے تھے۔ اس کے بعد اس اعرابی نے کہا: ''اے محمد ﷺ! جو اللہ کا مال تیرے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی دے۔'' رسول اللہ ﷺ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے اور پھر آپ ﷺ نے اس کو کچھ عطا کیا (1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ وہ مزید بیان کرتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا (2)۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی۔ اس دوران نہ تو آپ ﷺ نے مجھے کبھی جھنجھوڑا اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی میرے لیے سخت الفاظ استعمال کیے (3)۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ سے آ کر کبھی کوئی چیز مانگی جاتی تو وہ انکار نہیں فرماتے تھے (4)۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے نہ کسی کو بُرا کہا اور نہ کسی کو گالی ہی دی، اور نہ کسی کو سخت وست ہی کہا، اگر کبھی آپ ﷺ کو غصہ آ جاتا تو آپ ﷺ صرف اتنا فرماتے: ''تیری پیشانی خاک آلود ہو (5)۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی گئی کہ آپ ﷺ مشرکین کے لیے بددعا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں لوگوں کو بددعا دینے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (6)۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: ''اگر رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے

---

(1) صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

(2) صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

(3) صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

(4) صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

(5) صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

(6) صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

کسی ایک چیز کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ اس میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ (دینی نقطۂ نظر سے) قابل اعتراض نہ ہو۔ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی انتقام کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا لیکن اگر کبھی کسی نے اللہ کی عائد کردہ ممنوعات کی خلاف ورزی کی تو آپ ﷺ اس سے سختی سے پیش آتے (1)۔''

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں: ''جب کبھی رسول اللہ ﷺ کسی سے مصافحہ کرتے تو آپ ﷺ اس وقت تک اپنے ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ وہ دوسرا شخص خود ہی اپنا ہاتھ نہ کھینچے اور آپ ﷺ اپنا منہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ دوسرا شخص خود ہی اپنا منہ نہ پھیر لے۔ رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی نے اس طرح بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاؤں دوسرے کی طرف پھیلے ہوئے ہوں (2)۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن حارث بیان کرتے ہیں: ''میں نے کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکراتا ہوا نہیں دیکھا (3)۔''

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب حبشہ سے واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملے تو آپ ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور انتہائی مسرت سے فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا فتح خیبر سے (4)۔'' ان کی واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی تھی۔

جب کبھی رسول اللہ ﷺ کسی شخص کے مکان پر تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ دروازے کے عین سامنے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ اس کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے (اس زمانے میں زیادہ تر دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل اس وجہ سے تھا تاکہ اہل خانہ کی بے پردگی نہ ہو۔) اس کے بعد آپ ﷺ دو یا تین بار فرماتے: ''السلام علیکم (5)۔'' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ جب

---

(1) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔

(2) صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

(3) جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔

(4) شرح السنہ جیسا کہ مشکوٰۃ میں دیا گیا ہے۔

(5) سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تک جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اونٹ پر سوار ہو جائے لیکن احتراماً اس نے اونٹ پر سوار ہونے سے گریز کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یا تو اونٹ پر سوار ہو جاؤ، ورنہ اپنے گھر واپس چلے جاؤ ❶۔" قیس رضی اللہ عنہ مجبوراً اپنے گھر واپس لوٹ گئے۔

ایک یہودی عالم کے کچھ دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے قرض کا مطالبہ کرنے لگا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ یہودی نے کہا: "اے محمدؐ! میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ تم مجھے میرا قرضہ واپس نہ کر دو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں۔ ان تمام اوقات میں قرض خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا رہا۔ یہ دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو دھمکیاں دیں اور (وہ یہودی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھاگنے ہی والے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے رب نے مجھے معاہد پر یا کسی بھی شخص پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔" جب صبح ہوئی تو یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں اپنا آدھا مال اللہ کے راستے میں دیتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح برتاؤ صرف اس لیے کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات کی تصدیق ہو سکے جو توریت میں درج ہیں ❷۔"

اللہ کی مخلوق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی وشفقت:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق خدا کے ساتھ مہربانی وشفقت کے برتاؤ میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" (بخاری ومسلم)

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ ابن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم مؤمنین کو ایک دوسرے پر مہربان، ایک دوسرے سے محبت کرنے والا اور ایک دوسرے کا خیر خواہ

---

❶ سنن ابی داؤد، (کتاب الآداب)

❷ بیہقی، جیسا کہ مشکوٰۃ میں دیا گیا ہے۔

Marfat.com

پاؤ گے۔ ر۰ ایک جسم کی طرح ہیں جس طرح اس کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو تمام جسم اس سے متاثر ہوتا ہے، ۔ بخار میں مبتلا ہو کر رات بھر جاگتا ہے ❶۔''

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کی مخلوق پر مہربانی و رحم دلی کرتے ہیں اللہ ان پر مہربانی و رحم دلی کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا ❷۔''

حضرت ایوب ابن موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے اپنے والد سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''کوئی سے بھی والدین کا اپنے بچے کے لیے اس سے بہتر عطیہ نہیں کہ وہ اس کو اچھے اخلاق کی تربیت دیں ❸۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان محبت و شفقت کی علامت ہے۔ اس کے اندر کوئی خیر نہیں جس کے اندر اپنے مسلمان بھائی کے لیے کوئی ہمدردی نہ ہو اور نہ دوسرے مسلمان ہی اس سے ہمدردی رکھتے ہوں۔'' (احمد و بیہقی)

رسول اللہ ﷺ کی رحم دلی کے متعلق قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ﴾ (التوبہ ۹:۶۱)

''اور آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو تم میں سے ایمان لائے۔''

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبہ ۹:۱۲۸)

''آپ ﷺ مومنین کے ساتھ بڑے شفیق و مہربان ہیں۔''

رشتے داروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ قریب کوئی نہیں تھا۔ وہ بیان فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ اچھی طبیعت کے حامل تھے اور نرم دل تھے، آپ ﷺ نے کبھی کوئی سخت لفظ ادا نہیں کیا اور نہ کسی کی عیب جوئی ہی کی۔ اگر آپ ﷺ کسی کی درخواست کو نامنظور فرماتے تو خاموش رہتے۔ آپ ﷺ نے کسی سے ''نا'' کہہ کر اس کو مایوس نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کی اور لوگ اس خاموشی کا مطلب سمجھ جاتے تھے۔ چوں کہ آپ ﷺ رحم دل تھے اس لیے ہمیشہ

❶ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

❷ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔

❸ جامع ترمذی، بیہقی، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے دوسرے کی مصیبت میں اس کو دلاسہ دیا۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ مزید روایت کرتے ہیں: "آپ ﷺ بہت زیادہ سخی، صادق اور اچھی طبیعت کے تھے۔ جو آپ ﷺ کی صحبت میں آتا وہ خوش ہوتا۔ جو آپ ﷺ کو پہلی مرتبہ دیکھتا اس پر آپ ﷺ کا رعب پڑتا لیکن بعد میں وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا❶۔"

آپ ﷺ کی محبوب بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بجا طور پر آپ ﷺ کی توجہ کا سب سے زیادہ دعویٰ کر سکتی تھیں۔ اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے ذاتی حالات سے جتنا واقف تھیں شاید ہی کوئی دوسرا اتنا واقف ہو۔ وہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ: "آپ ﷺ نے کسی کی ملامت نہیں کی بلکہ برائی کرنے والوں کو بھی ہمیشہ معاف کیا۔ آپ ﷺ ہمیشہ برائیوں سے نفرت کرتے رہے اور اپنی ذاتی تکلیف پر کبھی انتقام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے نہ تو کبھی کسی غلام کو پیٹا اور نہ کسی ملازم کو یہاں تک کہ کسی جانور کو بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے کبھی جائز درخواستوں کو نامنظور نہیں کیا❷۔"

حضرت ہند رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے سوتیلے لڑکے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے لڑکے تھے، کی پرورش آپ ﷺ ہی کی زیر نگرانی ہوئی۔ وہ گواہی دیتے ہیں: "آپ ﷺ رحم دل اور نرم خو تھے۔ آپ ﷺ نے نہ تو کسی کو مایوس کیا اور نہ کسی کو حقیر ہی سمجھا۔ معمولی سے معمولی احسان پر بھی آپ ﷺ نے شکریہ ادا کیا۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے ذاتی دشمنوں سے بدلہ نہیں لیا لیکن اگر کسی نے حق (اسلام) کی مخالفت کی تو آپ ﷺ نے پوری شدت سے اس کا مقابلہ کیا❸۔"

آپ ﷺ کے اخلاق و مہربانی اور رحم دلی کے سلسلے میں یہ ان لوگوں کی شہادت ہے جو آپ ﷺ سے بہت قریب رہے۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی کے برتاؤ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ بے مثال تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے ہر چیز کے ساتھ مہربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور جب تم قربانی کرو تو اچھے طریقے سے قربا

❶ شمائل ترمذی۔

❷ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد (کتاب الآداب)

❸ شمائل ترمذی۔

Marfat.com

کرو۔ قربانی کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کرے اور قربانی کے جانور کو سہولت پہنچائے❶۔''

رسول اللہ ﷺ نے کھیل کی خاطر جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا❷۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ گزر رہے تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک اونٹ کا پیٹ اس کی کمر سے لگا ہوا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان جانوروں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ جب یہ تندرست ہوں تو ان پر سواری کرو اور تندرستی کی حالت ہی میں ان کو چھوڑ دو❸۔''

رسول اللہ ﷺ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک:

اگر کوئی شخص دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کے عملی پیکر کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرے۔ آپ ﷺ نے ایک یا دو موقعوں پر نہیں بلکہ ان گنت مواقع پر اپنے دشمنوں کے ساتھ جس حسن سلوک کا معاملہ فرمایا ہے اس کی مثال ہمیں کہیں نہیں ملتی۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس طرح کے چند واقعات بطور نمونہ تحریر کیے جاتے ہیں:

- ابوسفیان رسول اللہ ﷺ اور اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جنگ بدر، احد اور احزاب اسی کے اکسانے کے نتیجے میں ہوئی تھیں۔ اس کی تلوار نے بے شمار مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کئی بار رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ اس نے اسلام کی ترقی کی ہر مرحلہ پر مخالفت کی۔ وہی ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر رحمت للعالمینؐ کی خدمت میں لایا جاتا ہے۔ اس کے جرائم کا ریکارڈ اتنا بھیانک تھا کہ وہ سخت سے سخت ترین سزا کا مستحق تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے تمام انتقامات کو نظر انداز کر کے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ ان کو شرف صحابیت سے نوازا اور ان کے مکان کو فتح مکہ کے موقع پر جائے امان قرار دیا۔
- ہندہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ یہ وہی عورت تھی جو قریش کی دوسری عورتوں کے ساتھ جنگ میں جا کر رجزیہ اشعار پڑھتی اور کافروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ جس نے جنگ احد میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لاش کی بے حرمتی کی ان کے کلیجہ اور دل کو کچا چبایا اور ان کے کان و ناک کا ہار بنایا۔ یہی ہندہ نقاب ڈال کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی۔

---

❶ صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

❷ صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

❸ سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اسے پہچان لیا لیکن کچھ نہیں فرمایا بلکہ اس کی غلطیاں معاف کر کے بیعت کر لی۔ وہ آپ ﷺ کے اس حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بول اٹھتی ہے: ”محمد ﷺ! آج سے پہلے آپ ﷺ کے خیمے سے زیادہ مبغوض میری نگاہ میں کوئی دوسرا خیمہ نہیں تھا لیکن آج آپ ﷺ کے خیمے سے زیادہ محبوب میری نگاہ میں کوئی اور خیمہ نہیں ❶۔“

⊙ وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ بھاگ کر طائف چلا گیا اور کچھ دنوں کے بعد وہ طائف سے کسی اور مقام پر بھاگ گیا۔ لوگ اس سے کہتے تھے ابو وحشی تم نے محمد (ﷺ) کو پہچانا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے دروازے کے علاوہ تمھارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وحشی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یاد میں بھر آئیں مگر پھر بھی آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور اس کا اسلام قبول کر لیا۔ البتہ آپ ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا: ”تم میرے سامنے نہ آیا کرو کیونکہ تمھیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا کی یاد آجاتی ہے ❷۔“

⊙ ہبار ابن اسود وہی شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کی محبوب بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی موت کا سبب بنا۔ فتح مکہ کے بعد وہ فارس بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن بعد میں اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ”میں فارس بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے آپ ﷺ کی رحم دلی اور عفو و درگزر یاد آیا۔ مجھے اپنے تمام قصوروں کا اعتراف ہے۔“ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا ❸۔

⊙ جنگ بدر کے بعد عمیر رضی اللہ عنہ ابن وہب زہر میں بجھی ہوئی ایک تلوار لے کر مدینہ منورہ آیا تاکہ آپ ﷺ کو دھوکے سے قتل کر دے۔ اس کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا لیکن آپ ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا ❹۔“

⊙ صفوان ابن امیہ وہی شخص ہے جس نے عمیر رضی اللہ عنہ ابن وہب کو رسول اللہ ﷺ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ ”اگر وہ قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے بعد اس کے خاندان

---

❶ صحیح بخاری، (ذکر ہندہ)

❷ صحیح بخاری۔

❸ السیرۃ النبویہ لابن ہشام، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن اسحاق۔

❹ تاریخ الرسل والملوک، للطبری، سیرۃ النبی از شبلی نعمانی۔

Marfat.com

پرورش وہ خود کرے گا۔'' فتح مکہ کے بعد وہ جدہ کے راستے یمن بھاگ گیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: ''صفوان اپنے جرم کی سزا کے خوف میں قریب ہے کہ اپنے آپ کو سمندر کی لہروں کے حوالے کر دے۔'' نبی رحمت ﷺ نے جواب دیا: ''وہ مامون ہے'' نہ صرف یہ بلکہ آپ ﷺ نے عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا عمامہ صفوان کی معافی کی نشانی کے طور پر مرحمت فرمایا[1]۔

⊙ فتح خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دعوت پر مدعو کیا۔ اس نے غدارانہ طور پر آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ بذریعۂ وحی آپ ﷺ کو اس کی اس سازش کی اطلاع ہوگئی۔ اس عورت نے آپ ﷺ سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا لیکن نبی رحمت ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا[2]۔ اس کے زہر کے اثر سے تین دن کے بعد جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوئی تو اس کو قتل کے جرم میں شریعت اسلامی کے مطابق سزائے موت دی گئی۔

⊙ ایک دفعہ آپ ﷺ ایک غزوے کے بعد نجد سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے، اس دوران ایک دوپہر آپ ﷺ اکیلے درخت کے سائے کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے کچھ فاصلے پر تھے۔ آپ ﷺ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ ایک اعرابی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کی تلوار درخت سے اتار لی، اور نیام سے باہر نکال کر آپ ﷺ سے کہا: ''محمدؐ! تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی اطمینان سے جواب دیا: ''اللہ'' وہ اعرابی یہ سنتے ہی خوف زدہ ہو گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اسی اثنا میں صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں آ گئے۔ اب تلوار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ کافر خوف سے کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اب بتاؤ تمھیں محمدؐ سے کون بچائے گا'' وہ آپ ﷺ کی خوشامد کرنے لگا۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: ''ڈرو نہیں'' آپ ﷺ نے اس سے بدلہ نہیں لیا[3] اور معاف کر دیا۔

⊙ ابو عبد یالیل نے طائف میں نبی کریم ﷺ کو سخت تکلیف پہنچائی تھی۔ اس نے اور

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ۔
2. صحیح بخاری، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ۔
3. سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

اس کے خاندان کے لوگوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا تھا اور شہر کے اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا تھا جنھوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ زخموں سے چور ہو گئے تھے اور آپ ﷺ کی ٹانگوں سے خون نکل کر جوتے میں جم گیا تھا۔ وہی عبد یالیل جب آپ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد کے سردار کی حیثیت سے طائف سے مدینہ آیا تو آپ ﷺ نے اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور مسجد کے احاطے میں دائیں جانب ان کے لیے ایک خیمہ نصب کرایا اور ہر رات رحمت عالم ﷺ خود ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے جاتے تھے۔ نبی رحمت ﷺ کے اس کریمانہ برتاؤ اور اخلاق سے وہ لوگ بے حد متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

مذکورہ بالا واقعات تو صرف آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ، مہربانی و رحم دلی کی لمبی فہرست میں سے ایک مختصر سی جھلک ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ اختیار کیا۔ کیا یہ کمزور دشمن کے ساتھ رحم دلی و مہربانی کی ایک انوکھی اور زندہ مثال نہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

رسول اللہ ﷺ وعدہ کے پکے اور امین تھے:

رسولُ اللہ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے، آپ ﷺ نے کبھی جھوٹی بات نہیں کی۔

نبوت سے پہلے ہی آپ ﷺ کو مکہ میں "صادق" و "امین" کا خطاب دیا گیا تھا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے عبداللہ ابن ابی حیثمہ سے کسی خاص مقام پر اور خاص دن میں حاضر ہونے کا وعدے کیا۔ وعدہ کے مطابق وہ اس مقام پر آپ ﷺ سے ملاقات کرنا بھول گیا۔ تین دن کے بعد اچانک اس کو یاد آیا اور اس مقام پر گیا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رسول اللہ ﷺ تین دن سے اسی مقام پر اس کا انتظار کر رہے ہیں [1]۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام جائز چیزوں میں ایفائے عہد کو مومنوں پر واجب قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے جب بھی کسی شخص یا قوم سے کوئی وعدہ یا معاہدہ کیا تو ہمیشہ آپ ﷺ اس کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ خواہ اس کی خاطر آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو کتنی ہی تکلیف برداشت کیوں نہ کرنی پڑی ہو۔

---

[1] سنن ابوداود، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک امانت داری ایک انتہائی اہم اور انسان کی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ آپ ﷺ جن بری باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کیونکہ یہ بہت بُری باطنی چیز ہے ❶۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس کفار کی امانتیں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کو انھیں واپس کرنے کی فکر لاحق تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اس لیے چھوڑ دیا تا کہ وہ کفار کو ان کی امانتیں واپس کر دیں۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تم اس شخص کی امانت کو واپس کر دیا کرو جس نے تم کو اپنی امانت سونپی ہو اور اس شخص کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرو جس نے تمھارے ساتھ خیانت کا برتاؤ کیا ❷۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارے اندر چار چیزیں ہوں تو دنیا کی کوئی بھی مخالف چیز تمھیں ضرر نہیں پہنچا سکتی: امانت کی حفاظت، بات میں سچائی، حسن کردار اور کھانے میں میانہ روی ❸۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''جس کے اندر امانت نہیں اس کے اندر ایمان نہیں اور جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کے اندر دین نہیں ❹۔''

امانت میں خیانت کرنے کے گناہ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ کہتا ہے: میں ان دو فریقوں میں تیسرا ہوتا ہوں جنھوں نے آپس میں کوئی معاملہ کر رکھا ہو جب تک کہ ان میں کا کوئی ایک دوسرے سے خیانت نہ کرے۔ جب خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں کے درمیان سے ہٹ جاتا ہوں ❺۔''

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کسی کے راز کا افشا کرنا بھی خیانت ہے یا اگر

---

❶ یہ ایک مشہور حدیث ہے، ملاحظہ ہو: سیرۃ النبیؐ از سید سلیمان ندوی، ج ۶، ص ۶۲۵۔

❷ جامع ترمذی، مشکوٰۃ، سنن ابی داوٗد۔

❸ مشکوٰۃ۔

❹ بیہقی، جیسا کہ مشکوٰۃ میں دیا گیا ہے۔

❺ سنن ابی داوٗد، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

کوئی شخص کسی پر بھروسہ کر کے اپنی کوئی بات خفیہ طور سے کہے اور وہ اس کو ظاہر کر دے تو یہ بھی خیانت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی بات کہے اور اس کو متوجہ کرے (کہ وہ اس بات کو پوشیدہ رکھے) تو وہ بھی امانت ہے ❶۔''

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے مشورہ کرے تو یہ دوسرا شخص اس مشورے کا امین ہے اور اس کو چاہیے (بغیر اجازت) اس مشورہ کو افشا نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے مشورہ کیا گیا وہ امین ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کے مطابق تمام مجالس اور مشوروں کی بنیاد راز اور امانت پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام مجالس امانت ہیں سوائے تین کے: (۱) ایک وہ مجلس جس میں کسی ناحق خون کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو (۲) حرام طریقے سے شرمگاہوں سے لذت حاصل کرنے کی مجلس (۳) کسی کے مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی مجلس ❷۔

اس موضوع پر بہت سی احادیث ہیں، ہم نے نمونے کے طور پر صرف چند کا تذکرہ کیا ہے، اس سے آپ ﷺ کی عظیم شخصیت اور اعلیٰ کردار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حلیۂ مبارک:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نہ تو حد اعتدال سے زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد اور آپ ﷺ نہ تو بالکل سفید رنگ کے تھے اور نہ گندم گوں بلکہ سرخ و سفید تھے۔ اور آپ ﷺ کے سر کے بال نہ تو زیادہ بل کھائے ہوئے تھے (یعنی گھنگریالے) اور نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ ان دونوں کے درمیان تھے ❸۔'' آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید کہتے: ''رسول اللہ ﷺ میانہ قد تھے۔ نہ تو آپ ﷺ لمبے تھے نہ پست قد اور آپ ﷺ کا رنگ صاف اور چمک دار تھا۔'' ایک دوسری حدیث میں انھوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ''آپ ﷺ کے سر کے بال آدھے کانوں تک تھے ❹۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی روایت کی ہے؟ ''آپ ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا اور قدمین مبارک ایسے

---

❶ جامع ترمذی، سنن ابی داود، مشکوٰۃ۔

❷ سنن ابی داود، مشکوٰۃ۔

❸ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

❹ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

تھے کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد کسی کے ایسے قدم نہیں دیکھے۔ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں فراخ تھیں ❶۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ میانہ قد تھے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان کشادگی تھی۔ آپ ﷺ کے سر کے بال کانوں کی لو تک تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو سرخ لباس میں دیکھا، میں نے آپ ﷺ سے زیادہ خوب صورت کسی کو نہیں دیکھا ❷۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا روشن اور چمکتا ہوا رنگ تھا اور آپ ﷺ کا پسینہ گویا موتی کے قطرے تھے۔ جب آپ ﷺ راستہ چلتے تو آگے کی طرف جھکے رہتے۔ میں نے دیبا اور کسی ریشم کے کپڑے کو بھی آپ ﷺ کی ہتھیلیوں سے نرم نہیں پایا۔ میں نے کوئی مشک وعنبر ایسا نہیں سونگھا جس میں نبی ﷺ کے بدن مبارک کی سی خوشبو ہو ❸۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نہ تو دراز قامت تھے نہ پست قد، آپ ﷺ کا سر بڑا تھا اور داڑھی گنجان تھی۔ ہتھیلیاں اور پاؤں فربہ اور پُرگوشت تھے۔ آپ ﷺ کا رنگ سرخ وسفید تھا، ہڈیوں کے جوڑ موٹے تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک لمبی دھاری یا لکیر تھی۔ جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی جانب جھکے ہوئے گویا آپ ﷺ نشیب میں جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے نہ آپ ﷺ کے بعد میں نے کوئی شخص آپ ﷺ جیسا نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت وسلام ہو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نہ تو لمبے تھے اور نہ پست قد بلکہ متوسط قامت کے تھے۔ آپ ﷺ کے بال نہ تو گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ بل کھائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نہ بہت موٹے تھے اور نہ ہی بہت نحیف ودبلے۔ آپ ﷺ کا چہرہ گول تھا اور سفید سرخی مائل تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں لمبی اور آپ ﷺ کی ہڈیوں کے سرے یعنی جوڑ قدرے موٹے تھے اور آپ ﷺ کے جسم پر بال نہیں تھے، صرف

❶ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

❷ صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

❸ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

ایک دھاری یا لکیر بالوں کی تھی جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ جب آپ ﷺ چلنے کے لیے قدم اٹھاتے تو گویا آپ ﷺ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔ اور جب آپ ﷺ ادھر ادھر دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ ﷺ خاتم النبیین تھے۔ آپ ﷺ لوگوں میں نہایت کشادہ دل اور سخی اور زبان کے نہایت سچے تھے۔ آپ ﷺ نہایت صاف الفاظ میں گفتگو فرماتے تھے آپ ﷺ طبیعت کے نہایت نرم اور خاندان کے لحاظ سے نہایت شریف تھے۔ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور جو شخص آپ ﷺ کو شناخت کر کے آپ ﷺ سے اختلاط رکھتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) آپ ﷺ کی وفات سے پہلے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد میں نے آپ ﷺ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت و سلام ہو[1]۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ابن سمرہ روایت کرتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا کبھی میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف اس وقت آپ ﷺ سرخ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور میرے نزدیک آپ ﷺ کا حسن و جمال چاند سے بہتر تھا[2]۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آفتاب آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں جاری تھا۔ اور نہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو تیز رفتار پایا۔ گویا زمین کو آپ ﷺ کے لیے لپیٹا جاتا تھا۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتے تھے لیکن آپ ﷺ بے پروا چال سے چلتے تھے[3]۔"

---

1. جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔
2. جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔
3. جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

رحمۃ للعالمین

جب اسلام جزیرۃ العرب کا مذہب بن گیا تو مختلف قبائل میں نسلوں سے چلی آنے والی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار عربوں نے اپنے آپ کو امن وسکون کی فضا میں پایا۔ طلوع اسلام سے قبل جزیرۃ العرب میں رہ زنی وقتل وغارت عام تھی۔ کوئی بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ زنا کاری عام تھی اور ایک شخص بغیر شادی کے متعدد عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا تھا۔ شادی شدہ عورتوں کے شوہران کو اس بات کی اجازت دے دیتے تھے کہ وہ کسی اعلیٰ نسب کے شخص سے حمل ٹھہرالیں تا کہ ان کی اولاد کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑنے لگے۔ ایک آدمی لاتعداد بیویاں رکھ سکتا تھا اور ان کو جس طرح چاہے طلاق دے سکتا تھا۔ قبل از اسلام معاشرے میں عورتوں کا مقام سب سے گرا ہوا سمجھا جاتا تھا۔ عرب عورتوں کو جائیداد منقولہ سمجھتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اسلام سے قبل غلامی کا بہت بُرا دستور تھا۔ اور غلاموں پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جاتے۔ عرب کا پورا معاشرہ بداخلاقی، جرائم، توہم پرستی اور ظلم و بربریت کا شکار تھا۔ اسلام سے قبل وہ ایک تاریک غار میں تھے، اس لیے اس دور کا نام دورِ جاہلیت یا ایام الجاہلیہ رکھا گیا۔

جزیرۃ العرب جس کی تاریخ سے اس وقت کی متمدن دنیا ناواقف تھی اچانک نمایاں ہو کر نمودار ہوا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی عظیم الشان درخشاں و تاباں شخصیت اور اسلام کے شہرۂ آفاق پیغام سے یہ سرزمین منور ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام قبائل کو متحد کر دیا۔ قبائلی جنگوں و بدامنی کو روکا۔ اور آپ ﷺ نے پیشین گوئی کی کہ ایک وقت آئے گا، جب کہ ایک عورت صنعاء (یمن) سے تن تنہا مدینہ منورہ کے لیے سفر کرے گی اور اس کو ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کا خوف دامن گیر نہیں ہو گا۔'' دنیا کی تاریخ میں پہلی بار آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک تحریری دستور پیش کیا جس میں

Marfat.com

ہر شخص، مسلم و غیر مسلم، کے جان و مال و مذہب کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی، آپ ﷺ دنیا کے وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر کے دو برسر پیکار مذہبوں کے درمیان مستقل امن قائم کیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ عیسائیوں سے بھی امن چاہتے تھے (ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران: آیت ۶۴ تا ۸۰) بلا کسی تفریق و امتیاز کے آپ ﷺ نے اپنی حمایت، معاونت اور ہمدردی سماج کے ہر طبقہ کو دی۔ آپ ﷺ نے پچھلے انبیاء میں سے کسی کے متعلق کوئی بُرا جملہ ادا نہیں کیا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائے۔

اسلام نے عورتوں کو وہی سماجی حقوق عطا کیے ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ عورت کو اپنی جائیداد رکھنے کا پورا حق ہے۔ جہاں تک کہ جائیداد میں وراثت اور انفرادی حقوق کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ایک مسلمان عورت کی حیثیت تاریخ مذاہب عالم بلکہ انسانی تہذیب کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورتوں کی عزت اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔'' اور ''عورت اپنے شوہر کے گھر میں خود مختار ہے۔'' آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہتر ہو۔'' اس طرح رسول اللہ ﷺ نے عورت کو پوری طرح سے جائز آزادی عطا کی ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا شوہر خود چن سکتی ہیں اور اپنے والد اور متوفی شوہر کی جائیداد میں وراثت کی حق دار ہیں۔ آپ ﷺ نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے پر پوری طرح سے پابندی عائد کر دی اور اس طرح عورت کو مرد کی قید سے نکال کر کامل آزادی عطا کی۔

تاریخ عالم میں رسول اللہ ﷺ کی وہ پہلی شخصیت ہے جنھوں نے رسم غلامی کا خاتمہ فرمایا، جو کہ ان دنوں عرب میں رائج تھی اور جس کے تحت آزاد لوگوں کو زبردستی خرید کر فروخت کر دیا جاتا تھا۔ یہ رسم مغربی ممالک میں نو آبادکاری دور میں بھی جاری تھی۔ اس طرح مغرب نے اس رسم غلامی کو ختم کر کے صدیوں بعد رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ کسی غلام کو آزاد کرنے سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔ اسلام نے مختلف طریقوں سے غلاموں کی آزادی کی ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ عرب کے وہ پہلے شخص ہیں جس نے اپنے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی مطلقہ سے شادی کی اور عرب کی اس جاہلانہ رسم کو مٹایا کہ کوئی شخص اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ احزاب: آیت ۳۷)

آپ ﷺ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سماجی اونچ نیچ کو ختم کر کے اعلان فرمایا:

Marfat.com

((اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ)) (الحجرات ۴۹:۱۳)

''تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

آپ ﷺ نے اس بات کو عقل وانصاف کے منافی قرار دیا کہ محض اعلیٰ خاندان، اعلیٰ نسل یا کسی مخصوص قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے انسانوں کے درمیان تفریق کی جائے۔ اس طرح آپ ﷺ نے سماج کے ان بندھنوں کو توڑ دیا جس میں لوگ جکڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے انسانوں کو دولت، حسب ونسب، رنگ ونسل، ذات وطبقات کی بندشوں سے آزاد کیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ایک بین الاقوامی برادری قائم کی جس میں تمام نسلیں، اونچی ذات اور نیچی ذات کے لوگ، مال دار اور غریب، کالے اور گورے سب اسلامی اخوت ومساوات کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تمھارے اجسام اور تمھارے چہروں کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے وہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

سیاسی اعتبار سے آپ ﷺ نے ہر انسان کو برابر کے حقوق عطا فرمائے۔ حکومت کی پالیسی کی تشکیل کے سلسلے میں لوگوں کو اس بات کا مساوی اختیار دیا کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو مشورے (شوریٰ) ہوتے تھے ان کا مطالعہ کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اہل شوریٰ کو اپنی رائے میں کامل آزادی حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے ایسے اصولوں پر مبنی قوانین کا نظام عطا کیا، جس کی وجہ سے پورے ملک میں امن اور خوشحالی قائم ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے معاشی اصلاحات بھی کیں اور موجودہ دور کی زبان میں آپ ﷺ ایک عظیم ماہر معاشیات بھی تھے۔ اس زمانے میں لوگ سودی قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے تھے اور قرض خواہ نادار قرض داروں کا استحصال کر رہے تھے۔ اسلام نے سودی لین دین کو مکمل طور سے حرام قرار دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے غریبوں کی مدد کا ایک مکمل نظام پیش کیا۔ قوانین وراثت کے ذریعے چند ہاتھوں میں دولت کے محصور ہو جانے کو ختم کیا، اور ایسے قوانین نافذ کیے کہ متوفی کی جائیداد و دولت اس کے ورثا میں با اصول طریقے سے تقسیم ہو۔ لوگوں کی توجہ تجارت اور زراعت کی طرف دلا کر آپ ﷺ نے قومی معیشت کے نظریے کی ابتدا کی۔ بیت المال قائم کر کے آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے عملی طور پر پہلی ''پبلک

Marfat.com

ٹریژری'' (Public Treasury) پیش کی❶۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جیسا عظیم و مصلح و رہنما دنیا نے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ تمام انسانیت کے لیے رحمت ہیں جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء ۲۱: ۱۰۷)

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت، دعوت اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے۔ آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوع انسان کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے اس تلوار کو ہٹا لیا اور اس کو وہ تحفے عطا کیے جنھوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت، اور نئی منزلِ سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت میں تہذیب و تمدن، علم و فن، روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا❷۔''

شیخ ابوالحسن علی ندوی مزید تحریر فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی۔ اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو آپ ﷺ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات، جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد و معبود کا سا فرق تھا۔ وحدت و مساوات کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ ﷺ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا:

---

❶ ابتدا سے یہاں تک کا مضمون راقم السطور کی ایک اور انگریزی تصنیف سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:
Majid Ali Khan, The Last Prophet. PP.58-59

❷ سید ابوالحسن علی ندوی، محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء ص ۲۳۔

Marfat.com

((ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم و آدم من تراب ان اکرمکم عندالله اتقکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ))

(کنز العمال)

''لوگو! تمھارا پروردگار ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب اولاد آدم علیہ السلام ہو۔ اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔''

''آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی کا تیسرا مظہر، اور نوع انسانی پر تیسرا احسان عظیم، احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ ﷺ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانے میں ہوا اس زمانے میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا۔ انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض ''مقدس'' حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہو گئی تھیں انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابل حفاظت تھے۔ ان کے لیے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جا سکتی تھیں اور انسانوں کے خون و گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جا سکتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے۔ آپ ﷺ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا اور یہ سارا کارخانۂ عالم، اس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ﴾ (البقرہ ۲:۲۹)

''وہی ہے جس نے تمھارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔''

وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس بزم عالم کا صدر نشین ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء ۱۷:۷۰)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔''

Marfat.com

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے:

"الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الیٰ عیاله" (مشکوٰۃ بروایت بیہقی)

(رسول اللہ ﷺ انسانوں میں جو انقلاب لائے ان میں سے ایک یہ تھا) "کہ بعثت محمدیؐ سے پہلے انسان اپنی منزل مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لیے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لیے تھے؛ جن میں ان انسانوں کی ذہانت اور قوتِ عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقت ور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبہ، زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرماں روائی قائم ہو جائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کی پروازِ تخیل، نقش و نگار، رنگ و آہنگ، لذت و ذائقہ اور بلبل و طاؤس، یا چوپایہ و حیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے نسل انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کھڑی کردی آپ ﷺ نے یہ بات دل پر نقش کردی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت، اس کی ذات و صفات اور لامحدودیت کی دریافت، ایمان و یقین کا حصول، خدا کی محبت و محبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور یافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمال آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعے خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا اور کمال و ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا اصل میدان ہے۔

"آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا۔ خدا طلبی کا ذوق عام ہوا۔ انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی۔"

یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ [1] اور آپ ﷺ کی "رحمۃ للعالمینی" کا کرشمہ ہے۔

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم (متفرق جملے) ص ۲۳ تا ۳۴۔

Marfat.com

اقبال نے سچ کہا ہے:

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے اُمتش
در شبستان حرا خلوت گزید قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم تا بہ تخت خسروی خوابیدہ قوم
وقت ہیجا تیغ او آہن گداز دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمین تیغ او قاطع نسل سلاطیں تیغ او
در جہاں آئین نو آغاز کرد مسند اقوام پیشیں در نورد
از کلید دیں در دنیا کشاد ہمچو او بطنِ اُم گیتی نزاد
در نگاہ او یکے بالا و پست با غلام خویش بر یک خواں نشست
امتیازات نسب را پاک سوخت آتش او ایں خس و خاشاک سوخت

''اگرچہ ایک بوریے پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے لیکن کسریٰ (شاہ ایران) کا تاج آپ ﷺ کے امتیوں کے پاؤں تلے تھا۔''

''حرا کی خلوت گاہ میں آپ ﷺ نے کچھ دن تنہائی اختیار کی اور قوم، آئین و دستور اور ایک نئی حکومت دنیا میں پیدا کر دی۔''

چند راتیں آپ ﷺ کی آنکھیں بے خواب رہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ کے صحرا نشیں اور شتر سوار پیرو تختِ خسروی پر آرام کرنے کے قابل ہو گئے۔''

''جنگ کے وقت آپ ﷺ کی تلوار میں وہ حرارت ہوتی تھی کہ لوہا اس سے پگھلتا تھا، اور نماز میں آپ ﷺ کے قلب مبارک میں وہ رقت اور محبت ہوتی تھی کہ آنکھیں اشک بار ہوتیں۔''

''فتح و نصرت کی دعا میں آپ ﷺ کا آمین کہنا تلوار کا کام کرتا تھا اور جنگ میں آپ ﷺ کی تلوار سلاطین (پیدائشی بادشاہوں) کی نسل کا خاتمہ کرنے والی تھی۔''

''دنیا میں آپ ﷺ نے آئین نو کا آغاز کیا اور گذشتہ قوموں کی مسندیں الٹ دیں۔''

''دین و مذہب کی کنجی سے آپ ﷺ نے دنیا کا نیا دروازہ کھولا، مادرِ گیتی نے آپ ﷺ جیسا فرزند پیدا نہیں کیا۔''

''آپ ﷺ کی نگاہ میں اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک تھے، آپ ﷺ اپنے غلام کے

Marfat.com

ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے۔"

"آپ ﷺ نے نسل ونسب کے امتیازات کو یکسر ختم کر دیا۔ آپ ﷺ کی پیدا کی ہوئی حرارت ایمانی نے اس خس وخاشاک کو جلا کر رکھ دیا۔"

حالی نے اسی مضمون کو اپنے سادہ شعر میں ادا کیا ہے:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے [1]

وصدق الله العظيم: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾ (الانبیاء۲۱:۱۰۷)

"اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: "بے شک ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، محسن عالم، ص ۳۴ تا ۳۶۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خاص معجزات

شریعت کی اصطلاح میں انبیاء کے ذریعے دکھائے جانے والے خوارق عادت افعال کو معجزات کہتے ہیں۔ اس کا مادہ "عجز" ہے جس کا مطلب ہے لاچار ہونا۔ یعنی یہ مخاطب کو لاچار و بے بس بنا دیتا ہے، اس لیے معجزہ وہ فعل ہے جو کسی انسان سے عادۃً سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی مادی توجیہہ کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم نے معجزے کے لیے آیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسلام میں خوارق عادت افعال مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم کیے جا سکتے ہیں [1]:

(۱) معجزہ: وہ خرق عادت فعل جو صرف انبیاء کے ذریعے ہی سرزد ہو سکتا ہے۔

(۲) کرامت: وہ خرق عادت فعل جو کسی نیک و صالح مسلمان کے ذریعے بھی رونما ہو سکتا ہو۔

(۳) معونہ: وہ خرق عادت جو کسی عام مسلمان سے سرزد ہو سکتا ہے۔

(۴) استدراج: وہ خرق عادت فعل جو کسی کافر یا فاسق سے سرزد ہو، اس دنیا کے آخری دور میں دجال سے جو خوارق عادات افعال سرزد ہوں گے وہ استدراج کے تحت آتے ہیں۔

چونکہ معجزات فطری قانون کے خلاف رونما ہوتے ہیں اس لیے عام آدمی ان کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ خود ان کو دیکھ نہ لے۔ یا پھر اس کا ان میں یقین کامل ہو اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ ایسا ہوا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیا کو ان کی نبوت کی علامت کے طور پر معجزات عطا فرمائے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داوٗد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بہت مشہور ہیں اور قرآن کریم میں کثرت سے مذکور ہیں۔ قرآن نے کچھ دوسرے انبیا کے معجزات کا بھی ذکر کیا ہے۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ (اردو) ج ۱ ص ۳۱۴۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ تمام انبیا و رسل کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ کے ذریعہ جتنے معجزات رونما ہوئے ہیں ان کی تعداد کسی بھی نبی کے ذریعے رونما ہونے والے معجزات سے کہیں زیادہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک پوری جلد (سیرۃ النبی ﷺ: ج سوم جو ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے) رسول اللہ ﷺ کے معجزات پر لکھی ہے۔ معجزات پر لکھی جانے والی عربی کتابوں میں یہ کتابیں کافی مشہور ہیں۔ دلائل النبوۃ از امام بیہقی، دلائل النبوۃ از ابونعیم اصفہانی، دلائل النبوۃ از مستغفری، اور خصائص الکبریٰ از امام سیوطی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب میں تقریباً ایسے دوسو معجزات کا ذکر کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے رونما ہوئے۔ ان کے مطابق ان میں سے ۴۵ معجزات قرآن میں مذکور ہیں اور تقریباً ۱۵۵ مستند احادیث میں۔ اگر ان معجزات کو بھی شمار کیا جائے جو غیر مستند احادیث میں مذکور ہیں تو ان معجزات کی تعداد دوسو سے کہیں زیادہ ہو جائے گی۔

اختصار کی وجہ سے اس کتاب میں ان سب معجزات کا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یہاں چند خاص معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف: قرآن میں مذکور کچھ معجزات

(۱) معراج:

معراج یا اسراء رسول اللہ ﷺ کا ایک نہایت نمایاں معجزہ ہے جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ زیادہ تر سیرت نگاروں کے مطابق معراج ہجرت سے تقریباً 18 ماہ قبل ہوئی۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾

(الاسراء ۱:۱۷)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمدؐ) کو رات کے وقت مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تا کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھا دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا سننے والا اور بڑا دیکھنے والا ہے۔"

Marfat.com

ایک اور مقام پر قرآن بیان کرتا ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی O فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی O فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی﴾ (النجم ۵۳: ۷ تا ۱۰)

''پھر وہ قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا (بلکہ) اس سے بھی کم۔ پھر اس نے اپنے بندے کو وحی بھیجی جو کچھ وحی بھیجنا تھی۔'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے سے جو باتیں کرنا تھیں کیں)

معراج کا معجزہ صحیح احادیث کی تقریباً تمام کتابوں میں مذکور ہے اور اسی طرح سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ یہاں پر ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جو واقعہ بیان کیا ہے اس کے خاص خاص حصے نقل کیے جاتے ہیں۔

(مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱/۴۰۳، ۴۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس اثنا میں کہ میں مقامِ ''حجر'' (حطیم) میں سو رہا تھا میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے پھر انھوں نے مجھے اپنے پاؤں سے دبایا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا، میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی تو پھر میں لیٹ گیا۔ وہ دوبارہ پھر آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو میں اٹھ گیا لیکن پھر جب میں نے کسی کو نہیں دیکھا تو لیٹ گیا۔ تیسری بار وہ پھر میرے پاس آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو میں اٹھ بیٹھا، انھوں نے میرا بازو پکڑ لیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مجھے لے کر مسجد کے دروازے کی طرف نکلے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید چوپایہ خچر اور گدھے کے درمیان قد والا (یعنی براق) موجود ہے۔ اس کی رانوں میں دو پر تھے جن سے وہ اپنے دونوں پاؤں کریدرہا تھا۔ (اس کی یہ صفت تھی کہ) اپنی نظر کی انتہا پر اپنا اگلا پاؤں رکھتا تھا۔ انھوں نے مجھے اس پر سوار کرایا، اس کے بعد میرے ساتھ چل نکلے، نہ وہ مجھ سے دور ہوتے اور نہ میں ان سے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ چلے اور جبریل علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو لے کر بیت المقدس پہنچے۔ وہاں ''حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو چند دوسرے انبیا کے ساتھ پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت کی اور ان کو نماز پڑھائی۔ پھر دو برتن لائے گئے، ان میں سے ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ رسول اللہ ﷺ نے دودھ کے برتن کو لیا اور نوش فرمایا اور شراب کے برتن کو چھوا بھی نہیں۔ راوی

Marfat.com

کہتے ہیں: ''جبریل علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ نے فطرت کا راستہ اختیار کیا اور آپ ﷺ کی امت بھی سیدھے راستے پر لگ گئی اور شراب آپ ﷺ لوگوں پر حرام کردی گئی۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المقدس میں جو کچھ ہوا اس سے میں فارغ ہوا تو سیڑھی لائی گئی اور میں نے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی اور یہی وہ چیز ہے جس کی جانب تمھارے مردے اپنی آنکھیں کھولتے تکتے رہتے ہیں جب (انھیں) موت آتی ہے۔ اس کے بعد میرے ساتھی (حضرت جبریل علیہ السلام) نے مجھے اس پر چڑھا دیا❶ یہاں تک کہ مجھے لے کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہنچے جس کا نام باب الحفظہ (نگہبانوں کا دروازہ) ہے۔ اس پر فرشتوں میں سے ایک فرشتہ (مامور) تھا جس کا نام اسماعیل تھا۔ اس کے تحت ۱۲ ہزار ایسے فرشتے تھے جن میں سے ہر ایک کے تحت بارہ ہزار فرشتے تھے۔ پھر جب مجھے لے کر (جبریل علیہ السلام) داخل ہوئے تو اس (اسماعیل) نے کہا اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہے؟ انھوں نے (جبریل علیہ السلام نے) جواب دیا: محمد (ﷺ)۔ اس نے کہا بلوائے گئے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا ہاں! پھر اس نے میرے لیے دعا کی اور بھلی بات کہی۔ جب میں نچلے آسمان میں داخل ہو رہا تھا تو مجھ سے فرشتوں نے ملاقات کی اور ہر فرشتہ مجھ سے ہنستے ہوئے اور خوشی خوشی ملتا، اچھی بات کرتا اور اچھی دعا دیتا۔ (سوائے دوزخ کے منتظم فرشتہ ''مالک'' کے) جب میں نچلے آسمان میں داخل ہوا تو اس پر ایک شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں۔ انھوں نے کہا: یہ آپ ﷺ کے والد آدم علیہ السلام ہیں۔ ان پر ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔''

نوٹ: یہاں پر ان لوگوں کی تفصیلات ہیں جن کو ان کے گناہوں کی پاداش میں مختلف عذاب دیے جا رہے تھے۔ ان تفصیلات کو یہاں تحریر کیا جا رہا ہے۔

معراج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: ''پھر (جبریل علیہ السلام) مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے تو میں نے دیکھا دونوں خالہ زاد بھائی عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم، اور یحییٰ علیہ السلام ابن زکریا علیہ السلام موجود ہیں۔ پھر وہ مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے تو اس میں دیکھا کہ ایک شخص ہے جس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی سی ہے۔ میں نے کہا: جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں۔ انھوں نے کہا: یہ آپ ﷺ کے بھائی یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر مجھے چوتھے

❶ بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق سے ہی آسمان پر معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ براق کی تفصیلات اوپر بیان کردی گئی ہیں۔

Marfat.com

آسمان پہ لے گئے تو میں نے ایک شخص کو دیکھا اور جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے، انھوں نے کہا یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ راوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ﴿ورفعنا مکانا علیا﴾ (یعنی کلام مجید میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ہم نے اسے بلند جگہ بٹھا دیا، وہ اسی رتبہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔) پھر مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ادھیڑ عمر کا ایک شخص سفید سر، سفید بڑی داڑھی والا ہے۔ میں نے ادھیڑ عمر کے کسی شخص کو اس سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ اپنی قوم کے محبوب ہارون علیہ السلام ابن عمران ہیں۔ پھر مجھے چھٹے آسمان لے گئے تو اس میں دیکھا کہ ایک گندم گوں شخص، دراز قامت بلند ناک والا ہے گویا وہ قبیلہ شنوہ کے لوگوں میں سے ہے۔ میں نے کہا جبریل علیہ السلام! یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ آپ ﷺ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ابن عمران ہیں۔ پھر مجھے ساتویں آسمان پہ لے گیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک میانہ عمر شخص ''بیت المعمور'' کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن تک پھر اس میں کوئی دوبارہ واپس نہیں آئے گا۔ میں نے اس شخص سے مشابہ تمھارے دوست (خود ذات مبارک ﷺ) سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا اور نہ تمھارے دوست سے مشابہ اس کے علاوہ کسی اور شخص کو دیکھا۔ میں نے کہا: جبریل علیہ السلام یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ آپ ﷺ کے والد (جد امجد) ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر مجھے لے کر جنت میں داخل ہوئے تو میں نے اس میں ایک لڑکی دیکھی۔ میں نے اسے دیکھا تو بہت بھلی معلوم ہوئی میں نے اس سے پوچھا تو کس کی ہے۔ اس نے کہا زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ کو اس کی خوش خبری دے دی۔''

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے عبداللہ ﷺ ابن مسعود کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کی روایت پہنچی ہے: ''آپ ﷺ کو لے کر جبریل علیہ السلام ہر آسمان پر جاتے اور اندر آنے کی اجازت طلب کرتے تو پوچھا جاتا: اے جبریل علیہ السلام یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام کہتے ''محمد'' (ﷺ)، وہ کہتے کیا بلوائے گئے ہیں؟ یہ کہتے ہاں تو وہ (فرشتے) کہتے: اللہ اس بھائی اور دوست کو زندہ رکھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو لے کر وہ ساتویں آسمان پر پہنچے۔ پھر آپ ﷺ کو پروردگار کے پاس پہنچایا گیا۔ اس نے آپ ﷺ پر روزانہ پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔''

راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر میں واپس آیا اور موسیٰ علیہ السلام ابن

Marfat.com

عمران کے پاس سے گزرا اور وہ تمھارے لیے بڑے اچھے شخص نکلے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ﷺ پر کتنی نمازیں فرض کی گئیں؟ میں نے کہا: روزانہ پچاس (۵۰) نمازیں۔ انھوں نے کہا نماز بڑی بوجھل چیز ہے اور آپ ﷺ کی امت بہت کمزور ہے، اس لیے آپ ﷺ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جایئے اور درخواست کیجیے کہ آپ ﷺ پر سے اور آپ ﷺ کی امت پر سے (یہ) بوجھ کم کر دے۔ پس میں واپس گیا اور اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ مجھ پر سے اور میری امت پر سے بوجھ کم کر دیا جائے۔ چنانچہ دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ انھوں نے مجھ سے پھر ویسا ہی کہا۔ میں پھر لوٹ گیا اور درخواست کی تو دس اور کم کر دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا تو اسی طرح مجھ سے کہتے رہے کہ آپ ﷺ لوٹ جایئے اور پروردگار سے درخواست کیجیے یہاں تک کہ یہ تخفیف روزانہ پانچ نمازوں تک پہنچ گئی۔ پھر میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ پھر انھوں نے مجھ سے ویسے ہی کہا تو میں نے کہا: میں اپنے پروردگار کے پاس بار بار گیا اور درخواست کی یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے، پس اب تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس لیے ان نمازوں کو تم میں سے جو شخص ایمان داری سے ثواب سمجھ کر ادا کرے گا اسے پچاس (۵۰) نمازوں کا اجر ملے گا۔ محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر اللہ کی رحمتیں ہوں [1]۔"

صحیحین (بخاری و مسلم) کی ایک روایت کے مطابق بیت المقدس اور آسمانوں پر براق پر سوار ہو کر جبریل علیہ السلام کے ساتھ جانے سے قبل رسول اللہ ﷺ کا سینۂ مبارک بھی چاک کیا گیا تھا۔ اس طویل حدیث کا ابتدائی حصہ اس طرح ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے انس رضی اللہ عنہ ابن مالک نے بیان کیا اور انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان سے مالک ابن صعصعہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس رات کا حال صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیان فرمایا جس میں آپ ﷺ کو (آسمان پر) لے جایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں حجر (حطیم کعبہ) میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک میرے سینے کو چیرا، روایت کے راوی مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گردن سے ناف کے گڑھے تک اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں سے یہاں تک میرے سینے کو شق

[1] شروع سے لے کر یہاں تک کی سب روایت ابن اسحاق کی ہے جو سیرت ابن اسحاق میں بھی درج ہے اور جس کو ابن ہشام نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ، لابن ہشام، ج ۱، ص ۴۰۲، تا ۴۰۸۔

Marfat.com

کیا گیا، اور پھر فرمایا کہ میرے دل کو نکالا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اس میں میرے دل کو دھویا پھر دل میں (اللہ کی محبت) بھری گئی اور پھر دل کو سینے کے اندر کر دیا گیا۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "پھر میرے پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر اس میں ایمان و حکمت کو بھرا گیا اور پھر سواری کا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا۔ یہ جانور سفید رنگ کا تھا اور اس کا نام براق تھا۔ (بجلی کی طرح دوڑنے والا) اس کا ایک قدم حد نظر تک اٹھتا تھا۔ پھر مجھ کو اس پر سوار کیا گیا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ میں آسمان دنیا کے نیچے پہنچا [1]۔"

موجودہ دور میں جب کہ انسان چاند تک پہنچ چکا ہے معراج کے اس عظیم معجزے کو سمجھنا نہایت آسان ہے۔ انسان مصنوعی سیاروں اور آواز کی رفتار سے تیز چلنے والے جہازوں کے ذریعے دوسرے سیاروں پر جانے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ جب انسان اتنی تیز رفتار سواریاں ایجاد کر سکتا ہے تو پھر کیوں نہ خالق کائنات اپنے محبوب بندے حضرت محمد ﷺ کو ایک بہت قلیل وقت میں کائنات سے گزار کر ساتوں آسمانوں تک لے جا سکتا؟۔

زیادہ تر صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء اسلام کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ معراج میں اپنے جسم اطہر کے ساتھ تشریف لے گئے تھے یعنی آپ ﷺ کو جسمانی (مکمل جسم مع روح) معراج ہوئی تھی۔ یہ حضرات قرآن کریم میں مذکور ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے:

"(یعنی وہ اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ "عبد" لفظ "روح" سے الگ ہے اور عبد سے مراد روح اور جسم دونوں ہیں [2]۔"

معجزۂ معراج اسی لیے ایک عظیم معجزہ مانا گیا ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ اپنے جسم اطہر کے ساتھ آسمان دنیا پر تشریف لے گئے تھے۔ جہاں تک روحانی معراج کا تعلق ہے تو یہ تو بہت سے نیک لوگوں (صوفیا) وغیرہ کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مزید برآں اگر معراج جسمانی نہیں ہوتی تو قریش مکہ اس کا یکسر انکار نہ کرتے۔ ابن اسحاق قریش مکہ کے اس انکار کے واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: "پھر (معراج کے بعد) رسول اللہ ﷺ مکہ کی جانب لوٹے اور جب صبح ہوئی تو خانہ کعبہ کے پاس پہنچے اور اس واقعے کی انھیں اطلاع دی۔ اکثر لوگوں نے کہا: واللہ! یہ تو بالکل ناقابل قبول ہے۔ خدا کی قسم! مکہ سے شام کی جانب قافلہ ایک مہینے میں

---

[1] مشکوۃ المصابیح، باب فی المعراج۔

[2] شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص ۲۴۹۔

جاتا ہے اور ایک مہینے میں لوٹ کر آتا ہے، کیا محمد (ﷺ) یہ مسافت ایک رات میں طے کر کے واپس مکہ آسکتے تھے۔ راوی نے کہا: اس سبب سے کچھ لوگ جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مرتد ہو گئے۔ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیا تمھیں اپنے دوست کے متعلق اب بھی حسن ظن ہے؟ وہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ آج کی رات بیت المقدس پہنچا، اس میں نماز پڑھی اور مکہ واپس آ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا تم انھیں جھٹلاتے ہو؟ انھوں نے کہا: کیوں نہ جھٹلائیں؟ وہ تو مسجد میں لوگوں سے بیان کر رہے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! اگر انھوں نے ایسا کہا تو سچ کہا۔ تمھیں اس پر حیرت کیوں ہے؟ اللہ کی قسم! انھوں نے تو مجھے یہ خبر دی ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے رات یا دن کی ایک گھڑی میں خبر آتی ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ بات تو اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو۔ پھر آپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) آئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی (ﷺ) کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں سے بیان فرمایا کہ آج رات آپ ﷺ بیت المقدس تشریف لے گئے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ اس کے اوصاف مجھ سے بیان فرمایئے کیوں کہ میں وہاں جا چکا ہوں۔ اس حدیث کے راوی حسن کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **فرفع لی حتی نظرت الیه** وہ میرے سامنے اس طرح پیش کر دیا گیا کہ میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کے اوصاف بیان فرمانے لگے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرتے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جو جو چیز اس میں کی آپ ﷺ ان سے بیان فرماتے وہ عرض کرتے جاتے، آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہاں تک کہ بیان ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''**انت یا ابابکر الصدیق** (اے ابوبکر! تم صدیق ہو) غرض اسی دن سے آپ ﷺ نے انھیں صدیق کا لقب عطا فرمایا[1]۔''

مذکورہ بالا حدیث کے راوی حسن مزید بیان کرتے ہیں اسی وجہ سے ان لوگوں کے متعلق جو اپنے اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا[2]۔

---

[1] سیرت ابن اسحاق، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۱، ص ۴۰۳ تا ۴۰۸۔

[2] السیرۃ النبویہ از ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۰۳ تا ۴۰۸۔

Marfat.com

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾ (الاسراء۱۷: ۶۰)

''اور ہم نے جو نظارہ (شب معراج میں) آپ ﷺ کو دکھلایا تھا اور جس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ہم نے ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لیے موجب گمراہی کر دیا اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سخت سرکشی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔''

﴿۲﴾ معجزۂ شق قمر:

ایک دفعہ مکہ کے کچھ کفار نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ اپنی نبوت کی دلیل میں ان کو کوئی نشانی (معجزہ) دکھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا ہے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (القمر۵۴: ۱،۲)

''قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔''

جیسا کہ قرآن خود کہہ رہا کہ کفار نے اس معجزے کا بھی انکار کر دیا اور اس کو ایک جادو بتایا۔ یہ معجزہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں میں مذکور ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو کوئی نشانی (معجزہ) دکھایئے۔ آں حضرت ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے انھیں دکھا دیئے یہاں تک کہ حراء (پہاڑ) ان دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں آ گیا[1]۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند شق ہو گیا یعنی درمیان سے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا نیچے

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

کی جانب۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ معجزہ دکھا کر) کافروں سے فرمایا: ''(میری نبوت کی) شہادت دو[1]۔''

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ (آپ ﷺ کے معجزے سے) چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی ایک جانب اور دوسرا پہاڑ کی دوسری جانب چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ معجزہ دکھا کر) کافروں سے کہا: ''میری نبوت کی شہادت دو[2]۔''

جامع ترمذی کی ایک روایت کے مطابق مکہ کے لوگوں (کفار) نے رسول اللہ ﷺ سے ایک معجزہ دکھانے کی فرمائش کی اور (آپ ﷺ کے معجزہ سے) چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾[3]

(آیت کا ترجمہ اور حوالہ اوپر گزر چکا ہے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس معجزے کو دیکھ کر کفار نے کہا: ''محمد (ﷺ) نے ہمارے اوپر جادو کر دیا ہے۔'' (جامع ترمذی، تفسیر سورۃ القمر، مسند احمد)۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کچھ مسافروں نے بھی اس کی گواہی دی کہ انھوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے دیکھے تھے۔

چاند جس پر جدید سائنسی تحقیقات کی بدولت جانا آسان ہو گیا ہے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک انگلی سے اشارہ کر کے اس کے دو ٹکڑے کر کے تمام انسانوں کو بتا دیا کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی مبارک انگلی کا اشارہ چاند سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر حمید اللہ تحریر کرتے ہیں: ''ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل کے علاقے مالا بار میں ایک واقعہ کافی مشہور ہے کہ وہاں کے ایک راجہ ''چکرورتی ورما'' نے رسول اللہ ﷺ کے اس معجزہ کو دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے اس کی تحقیقات کروائی تو معلوم ہوا کہ عرب میں اللہ کے ایک رسول ﷺ کے آنے کی پیشین گوئی کی گئی تھی جس سے یہ معجزہ رونما ہوا۔

---

1. صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔
2. صحیح بخاری، جامع ترمذی، صحیح مسلم۔
3. جامع ترمذی (تفسیر سورۃ القمر)

Marfat.com

اس نے اپنے لڑکے کو اپنا نائب بنایا اور خود آپ ﷺ سے ملاقات کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور عرب پہنچ کر نبی ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب وہ وہاں سے اپنے وطن واپس لوٹ رہا تھا تو یمن میں ظفر کے مقام پر اس کا انتقال ہو گیا جہاں اس کی قبر ہے۔ یہ قبر ''ہندوستانی راجہ کی قبر'' کے نام سے مشہور ہے اور صدیوں سے لوگ اس قبر کی زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔ انڈیا آفس لندن کے ایک مخطوطہ (نمبر، عربی، ۲۸۰۷، ص ۱۵۲ تا ۱۷۳) میں اس بارے میں کافی تفصیل سے لکھا ہے ❶۔''

۳ قرآن کریم بطور معجزہ:

متعدد جگہوں پر قرآن کریم نے خود اپنے آپ ﷺ کو ایک معجزہ کہا ہے۔ ایک جگہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝ بَلْ هُوَ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ فِى صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِـَٔايَٰتِنَآ إِلَّا الظَّٰلِمُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَٰتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْءَايَٰتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (العنکبوت ۲۹: ۴۸ تا ۵۱)

''اے (پیغمبر!) آپ ﷺ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست لوگ شک کر سکتے۔ بلکہ یہ کتاب خود بہت ہی واضح دلیلیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف گناہ گار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیوں اس (پیغمبر) پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نازل نہیں ہوتیں۔ آپ ﷺ یوں کہہ دیجیے کہ وہ نشانیاں تو اللہ کے قبضے میں ہیں اور میں تو صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ نشانی (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر

❶ پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ، Muhammad Rasulullah، پیراگراف ۴۰۰، ص ۱۰۷۔

Marfat.com

کتاب اتاری جو اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی رحمت ونصیحت ہے۔"

مندرجہ بالا آیات میں قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا رسول ﷺ پر بذریعہ وحی نزول خود ایک معجزہ ہے کیوں کہ آپ ﷺ اُمّی تھے اور پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ایسی کتاب پیش کی "جس نے زندگی کی تمام حقیقتوں کو واضح کیا، جس قدیم وجدید زبان میں کوئی ثانی نہیں۔ جو اپنے حسن بیان، الفاظ کی شیرینی و وضاحت، گہرائی اور فصاحت و بلاغت میں کوئی نظیر نہیں رکھتی۔ اس کے علاوہ اس کی اثر آفریں نصیحتیں، افکار کی گہرائی انوکھا انداز بیان، لافانی اسلوب، وسیع و جامع موضوعات اور سب سے بالا یہ کہ اس کا دستور حیات ہونا اور گمراہوں کو صراط مستقیم کی ہدایت دینا یہ سب وہ خصوصیات ہیں جو اس کے معجزہ ہونے کی دلیلیں ہیں❶۔ قرآن کریم نے اپنے مثل کسی کتاب کو پیش کرنے کے لیے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کیا ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۸)

"آپ ﷺ فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔"

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (یونس ۱۰:۳۸)

"کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو گڑھ لیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک سورۃ (بنا) لاؤ اور (اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو بلاسکو ان کو (مدد کے لیے) بلالو اگر تم سچے ہو۔"

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ (الطور ۵۲:۳۳،۳۴)

---

❶ M.R. Muhajir, Muhammad As Depicted In The Holy Qur`an PP. 177-178.

Marfat.com

”(کفار) یہ بھی کہتے ہیں کہ انھوں نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ (اس دعوی میں) سچے ہیں۔“

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الشوریٰ ۴۲:۵۲)

”اور اسی طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر نہیں تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے۔ اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیدھے راستے کی ہدایت کر رہے ہیں۔“

قرآن کا یہ معجزہ قیامت تک کے لیے ہے۔ آسمان سے نازل شدہ کتابوں میں صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی شکل میں چودہ سو سال سے محفوظ ہے جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ یہ کبھی بدل نہیں سکتی:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر ۱۵:۹)

”بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ اور (نگہبان) ہیں۔“

﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الواقعہ ۵۶:۷۷ تا ۸۰)

”یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگا پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔“

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ (البروج ۸۵:۲۱،۲۲)

”بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔“

قرآن کی حفاظت کے سلسلے میں مندرجہ بالا پیشین گوئیاں چودہ سو سال سے اب تک

Marfat.com

پوری ہوئی ہیں کہ قرآن جوں کا توں اسی طرح محفوظ ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ جو درحقیقت بذات خود نہ صرف ایک بڑا معجزہ ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی دلیل بھی ہے۔

(۴) قرآن کریم میں مذکور کچھ اور معجزات:

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے صرف تین اہم معجزات کا ذکر کیا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ قرآن کریم میں ذکر کیے گئے باقی معجزات کی تفصیلات اختصار کی وجہ سے یہاں بیان نہیں کی جارہی ہیں۔ بہرحال ان میں سے کچھ کے عنوانات ذیل میں تحریر کیے جارہے ہیں:

(۱) رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کی پیشین گوئی۔ (ملاحظہ ہو سورہ روم، آیت ۱ تا ۶)

(۲) ابرہہ کی فوج پر ابابیلوں کے لشکر کی کنکریوں کی بارش۔ (ملاحظہ ہو سورہ فیل، آیت ۱ تا ۵)

(۳) شرح صدر۔ اس میں آپ ﷺ کے سینۂ مبارک کو ہدایت اور نور ایمان سے معمور کیا گیا۔ (اس کا حوالہ سورہ الم نشرح میں دیا گیا ہے)

(۴) ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی قریش کی سازش کا انکشاف۔
(ملاحظہ ہو، سورہ انفال، آیت ۳۰)

(۵) رسول اللہ ﷺ کو خواب میں غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کی تعداد کا ان کی اصلی تعداد سے کم نظر آنا۔ (ملاحظہ ہو سورہ انفال، آیت ۴۴)

(۶) غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کا کفار کو ان کی اصلی تعداد کے مقابلہ میں کم دکھائی دینا۔
(سورہ آل عمران، آیت ۱۳)

(۷) بدر کی لڑائی کے موقع پر کفار کا مسلمانوں کو ان کی تعداد سے کئی گنا زیادہ دیکھنا۔
(سورہ آل عمران، آیت ۱۳)

(۸) مختلف غزوات میں فرشتوں کا اترنا۔
(ملاحظہ ہو سورہ آل عمران، آیت ۱۲۴، ۱۲۵، اور سورہ انفال، آیت ۹)

(۹) غزوۂ بدر سے پہلے مسلمانوں کی پیاس بجھانے کے لیے بارش کا نازل ہونا۔
(سورہ انفال، آیت ۱۱)

(۱۰) رسول اللہ ﷺ کے کنکریوں کو پھینکنے سے کفار کو شکست ہونا۔ (سورہ انفال، آیت ۱۷)

Marfat.com

⑪ غزوہ خندق کے موقع پر آندھی وطوفان کا آنا جس کی وجہ سے کفار کے متحد لشکر کے دل ٹوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (سورہ احزاب، آیت ۹)

⑫ غزوہ حنین کے موقع پر اللہ کی خاص مدد کا نزول جس کی وجہ سے دشمنوں کو شکست ہوئی۔

(سورہ توبہ، آیت ۲۵)

⑬ رسول اللہ ﷺ کو بنونضیر کی سازش کی اطلاع۔ (سورہ مائدہ، آیت ۱۱)

⑭ مسلمانوں کو زمین کی خلافت اور اس پر حکمرانی کرنے کی پیشین گوئی۔ (سورہ نور، آیت ۵۵)
مسلمانوں کے لیے خلافت و حکمرانی کی یہ پیشین گوئی خلافت راشدہ کے زمانے میں پوری ہوئی۔

⑮ مسلمانوں کے ذریعے کفار مکہ کی شکست اور فتح مکہ کا وعدہ۔

(سورہ قصص، آیت ۵۸، سورہ صف، آیت ۱۳، سورہ فتح، آیت ۲۷، سورہ فتح، آیت ۱)

⑯ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی پیشین گوئی۔ (سورہ نصر، آیات ۱ تا ۳)

ب: احادیث میں مذکور کچھ معجزات

① معجزۂ شق صدر:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ معجزہ شق صدر رسول اللہ ﷺ کی حیات میں دو بار پیش آیا:

① جب آپ ﷺ تقریباً پانچ سال کے تھے اور اپنی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پرورش پا رہے تھے۔

② جب آپ ﷺ معراج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ پہلے موقع پر آپ ﷺ کے سینۂ اطہر سے شیطانی اثرات کو نکالا گیا تھا جب کہ دوسرے موقع پر جب آپ ﷺ معراج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ ﷺ کے سینے کو علم و حکمت سے معمور کر دیا گیا، اور آب زمزم سے صاف کیا گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کے باب نمبر ۴ میں مذکور معجزہ شق صدر کا موضوع)

Marfat.com

(۲) ٹوٹی ہوئی ہڈی کو فوراً جوڑ دینا:

حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے ایک جماعت بھیجی، عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن عتیق رات کے وقت جب وہ سویا ہوا تھا اس کے مکان میں گھس گئے اور اس کو مار ڈالا۔'' وہ خود بیان کرتے ہیں: ''میں نے اپنی تلوار اس کے پیٹ پر رکھ دی یہاں تک کہ وہ اس کی کمر تک پہنچ گئی۔ تب میں نے سمجھ لیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے (محل کے) دروازے اپنی واپسی کے لیے کھولنا شروع کر دیئے یہاں تک کہ میں زینے تک آ گیا۔ چاندنی رات تھی، میں نے اپنا پاؤں زینے پر رکھا لیکن گر پڑا جس سے میرے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنے عمامے سے اسے باندھ لیا اور اپنے ساتھیوں کے ہم راہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے پاؤں کو پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا اور مجھے محسوس ہوا کہ جیسے اس سے پہلے مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں تھی [1]۔''

(۳) آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے فوّاروں کا جاری ہونا:

کئی موقعوں پر سفر کے دوران صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پانی کی کمی ہو گئی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پانی کے ایک پیالے میں رکھ دیا پھر آپ ﷺ کے ہاتھ میں سے پانی کے فوارے نکلنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے برتن اور مشکیزے پانی سے بھر لیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے تھے۔ صرف رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن میں پانی تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو کیا۔ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارے پاس بالکل پانی نہیں ہے سوائے اس پانی کے جو آپ ﷺ کے برتن میں ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس برتن کے اندر رکھ دیا اور پانی کے فوارے آپ ﷺ کی انگلیوں کے بیچ کے حصے سے جاری ہونا شروع ہو گئے اور ہم نے اس پانی کو پیا اور وضو بھی کیا۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اس موقع پر آپ ﷺ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ''اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو

[1] صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا (اس موقع پر) ہم لوگ پندرہ سو تھے ❶۔

مستند احادیث میں اس قسم کے کئی واقعات ہیں جن کو یہاں اختصار کے باعث تحریر نہیں کیا جا رہا۔

④ آپ ﷺ کے دم کرنے سے زخم کا اچھا ہو جانا:

غزوۂ خیبر کے موقع پر سلمیٰ رضی اللہ عنہ ابن اکوع کی ٹانگ میں تلوار سے زخم لگ گیا تھا۔ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا سلمیٰ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے زخم پر تین دفعہ پھونک کر دم کیا جس سے وہ زخم اچھا ہو گیا ❷۔

⑤ رسول اللہ ﷺ پر کیے گئے سحر کا انکشاف:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو یہ بھول ہونے لگی کہ آپ ﷺ نے کسی کام کو کیا ہے حالاں کہ آپ ﷺ نے اسے نہیں کیا تھا۔ ان ہی ایام میں ایک روز رسول اللہ ﷺ میرے یہاں تھے کہ آپ ﷺ نے اللہ سے دعا کی اور پھر دعا کی (یعنی مکرر دعا کی) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اللہ سے جو بات دریافت کی تھی وہ اللہ نے مجھے بتا دی (اور وہ اس طرح کہ) دو شخص (دو فرشتے) میرے پاس آئے، ایک ان میں سے میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائنتی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے دریافت کیا: اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پھر پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے۔ دوسرے نے کہا لبید ابن اعصم یہودی نے۔ پھر پہلے نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑتے ہیں اور وہ درخت خرمہ کے تازہ شگوفوں میں ہے۔ پہلے نے پوچھا وہ جادو کی ہوئی چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ دوسرے نے کہا: ذروان کے کنویں میں۔ یہ معلوم کر کے رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور فرمایا یہ وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے۔ اس کنویں کا پانی مہندی جیسا سرخ تھا اور درخت خرمہ کے شگوفے (جو

❶ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

❷ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

کنویں میں دفن تھے) ایسے تھے گویا کہ وہ شیطانوں کے سر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو کنویں سے نکال لیا (اور جادو کا اثر جاتا رہا)❶۔"

❻ منافقوں کے ایک سردار رفاعہ ابن ضرار کی موت کی پیشین گوئی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر سے تشریف لائے، جب مدینہ کے قریب پہنچے تو سخت آندھی آئی اس قدر کہ سوار کو گرا کر زمین میں دفن کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لیے بھیجی گئی ہے۔ پھر جب مدینہ میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق (رفاعہ ابن ضرار) مر گیا ہے❷۔"

❼ پیڑوں اور پتھروں کا سلام کرنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن طالب روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا ہم آپ ﷺ کے ساتھ گرد و نواح میں جاتے، جو پہاڑ (پتھر) اور درخت سامنے آتا وہ یہ کہتا "السلام علیکم یا رسول اللہ"!❸

❽ آپ ﷺ کے حکم سے درختوں کا چلنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو اس کا یقین کیسے ہو کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کھجور کے اس خوشے کو بلاتا ہوں، وہ میرے پاس آ کر اس چیز کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس خوشے کو بلایا۔ وہ خوشہ درخت سے اترنے لگا اور رسول اللہ ﷺ کے قریب زمین پر آ کر گرا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا واپس چلا جا تو وہ واپس چلا گیا، یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا❹۔"

---

❶ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

❷ صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

❸ جامع ترمذی، دارمی جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔

❹ جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہے تھے کہ ایک افتادہ وادی (میدان) میں ہم ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ قضا حاجت کے لیے تشریف لے گئے لیکن پردے کی کوئی جگہ آپ ﷺ کو نہیں ملی۔ اچانک آپ ﷺ کی نظر میدان کے کنارے درختوں پر پڑی۔ آپ ﷺ ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر کہا: خدا کے حکم سے میری فرمانبرداری کر۔ اس درخت نے فوراً اطاعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا جیسا کہ نکیل پڑا ہوا اونٹ اپنے ہانکنے والے کی اطاعت کرتا ہے اور اپنی شاخوں کو جھکا لیا۔ پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر فرمایا: خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، اس نے بھی اسی طرح اطاعت کی اور اپنی شاخوں کو جھکا لیا۔ پھر آپ ﷺ دونوں درختوں کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا خدا کے حکم سے تم دونوں میرے لیے مل جاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں مل گئے اور آپ ﷺ نے درخت کی اوٹ میں قضا حاجت کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس واقعے کو دیکھ کر حیران تھا اور اپنے دل سے اس عجیب واقعے پر باتیں کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر دوبارہ پڑی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں اور ان درختوں کو دیکھا کہ وہ دونوں پھر علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں اور ہر ایک درخت جدا جدا اپنی جگہ پر کھڑا ہے[1]۔

اس طرح کے متعدد واقعات احادیث میں آئے ہیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود نے غزوۂ خیبر کے موقع پر اور حضرت یعلی رضی اللہ عنہ ابن مرہ نے ایک سفر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے معجزانہ طور پر درختوں کا چلنا دیکھا ہے۔

(۹) بھنے ہوئے بکری کے گوشت کا رسول اللہ ﷺ کو زہر کے بارے میں مطلع کرنا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ خیبر کے لوگوں میں سے یہودی عورت نے بھنے ہوئے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا پھر اس کو ہدیے کے طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے ایک دست (شانے کی بوٹی) لے لی اور خود بھی کھایا اور

[1] صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کھایا۔ کھاتے کھاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنا ہاتھ روک لو (یعنی اس کو مت کھاؤ) پھر اس یہودی عورت کو بلوایا اور اس سے پوچھا: کیا تم نے اس میں نے زہر ملایا ہے۔ اس نے پوچھا آپ ﷺ سے کس نے کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو اس دست (شانہ کی بوٹی) نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا ہاں میں نے زہر ملایا ہے اور اس خیال سے ملایا ہے کہ اگر آپ ﷺ نبی ہوں گے تو یہ زہر آپ ﷺ پر اثر نہیں کرے گا اور اگر آپ ﷺ نبی نہیں ہوں گے تو ہم کو آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی، آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا اور سزا نہیں دی۔ بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جن لوگوں نے اس بکری سے کھایا تھا ان میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس گوشت کے کھانے کے سبب رسول اللہ ﷺ نے مونڈھوں کے درمیان سینگیاں کھنچوائیں اور ابو ہند رضی اللہ عنہ نے سینگیاں کھینچیں جو انصار کے ایک قبیلہ بنی بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے [1]۔"

(۱۰) کھجور کے درخت کے تنے کا رسول اللہ ﷺ کی محبت میں رونا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں (جمعہ کے روز) خطبہ دیتے تو کھجور کے اس تنے پر جو ستون کے طور پر کھڑا تھا ٹیک لگا لیتے تھے۔ پھر جب منبر تیار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ اس پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو وہ ستون جس سے ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے (آپ ﷺ کی محبت وفراق میں) رویا اور چیخا اور قریب تھا کہ وہ (فراق کی اذیت سے) پھٹ جائے کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور ستون کو ہاتھوں سے پکڑا۔ پھر اس ستون نے بچوں کی طرح رونا اور نالہ کرنا شروع کر دیا، ہاں ان بچوں کی طرح جن کو تسلی دے کر خاموش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس ستون کو سکون حاصل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ستون اس لیے رویا کہ جو بیان وہ سنا کرتا تھا وہ اس نے نہ سنا، یا وہ اس سے محروم رہ گیا [2]۔"

(۱۱) معمولی سے کھانوں میں ہزاروں آدمیوں کے لیے برکت:

جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئی وقت تک بغیر کھانا

---

[1] سنن ابی داؤد، دارمی جیسا کہ مشکوۃ میں نقل کیا گیا ہے، صحیح بخاری۔

[2] صحیح بخاری، مشکوۃ۔

Marfat.com

کھائے دن و رات کام کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "خندق کھودنے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ میرے پاس ایک کم عمر کی چھوٹی سی موٹی تازی بکری تھی، میں نے سوچا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے لیے تیار کروں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہا بیوی نے کچھ جو پیس کر ہمارے لیے روٹی تیار کر دی۔ میں نے یہ بکری ذبح کی اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بھون کر رکھ لی۔ دن بھر خندق کھودنے کے بعد جب شام ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو ہم تمام لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہونے لگے۔ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس ایک چھوٹی سی بکری تھی جو میں نے ذبح کر کے آپ ﷺ کے لیے تیار کی ہے اس کے ساتھ جو کی روٹی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لے چلیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی تشریف لے چلیں لیکن جب میں عرض کر چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا۔ اور دوسرے لوگوں کو آواز دینے کا حکم دیا۔ آواز لگانے والے نے پکارا لوگو! تم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کے گھر چلو۔ یہ دیکھ کر میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھا، اب آپ ﷺ کے ساتھ سب لوگ چل پڑے۔ گھر پہنچ کر آپ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم نے آپ ﷺ کے سامنے بکری کا تیار شدہ گوشت لا کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے "بارک اللہ" اور "بسم اللہ" کہہ کر کھانا شروع کیا اور دوسرے لوگ بھی باری باری کھانے لگے، ایک جماعت آ کر کھاتی اور فارغ ہو کر چلی جاتی پھر دوسری جماعت آتی۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا یہاں تک کہ تمام اہل خندق نے کھا لیا[1]۔" (مستند روایتوں کے مطابق اہل خندق کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی)۔ (صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس کھانے میں اپنا لعاب دہن ملا دیا تھا۔)

کھانے میں برکت کے واقعات بہت سے مواقع پر پیش آئے۔ ان تمام کو اس مختصر سی کتاب میں لکھنا مشکل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے کھانے میں برکت کے متعلق ۱۷ مختلف معجزات ذکر کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سیرت النبی ﷺ، حصہ سوم، ص ۵۹۲ تا ۶۰۲۱)

احادیث میں مذکور سب معجزات یہاں تحریر نہیں کیے جا رہے ہیں، ہم صرف مندرجہ بالا معجزات ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۱۸، ص ۲۱۹۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت و رسالت

الف: کسی نبی کی بعثت کا مقصد:

کسی قوم یا طبقے میں نبی خاص طور سے تین مقاصد کے پیش نظر بھیجا جاتا تھا:

(۱) پہلی وجہ یہ ہوتی تھی کہ اس قوم یا طبقے میں اس نبی سے قبل کوئی اور نبی نہیں بھیجا گیا تھا۔

(۲) یہ کہ متعلقہ قوم یا طبقے میں اس سے پہلے انبیاء کو تو بھیجا جا چکا تھا مگر ان کی تعلیمات محفوظ نہیں رہی تھیں یا پچھلے نبی (یا انبیاء) کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی تھی جس کی وجہ سے اس قوم یا طبقہ کے لوگ ان تعلیمات پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔

(۳) یہ کہ پچھلے انبیاء کی تعلیمات ناکافی تھیں اور وہ سماج کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں۔

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے معاملے کا مندرجہ بالا مقاصد کی روشنی میں جائزہ لیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد وہ تمام اسباب و وجوہات ختم ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت پیش آئی۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت عالم گیر ہے اس لیے آپ ﷺ کے بعد اب کسی علاقائی یا قومی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ آپ ﷺ جو پیغام لے کر تشریف لائے وہ نہ صرف آپ ﷺ کی بعثت سے اب تک پوری طرح محفوظ ہے بلکہ آپ ﷺ کی نجی اور عوامی زندگی کے بھی تمام پہلو اور تمام گوشے پوری طرح محفوظ ہیں۔ جو شخص بھی آپ ﷺ کی اتباع کرنا چاہے وہ آج بھی آپ ﷺ کی زندگی کے تمام حالات کا پوری طرح جائزہ لے سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا پیغام مکمل ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات و فرمودات بین الاقوامی سطح پر قابل عمل ہیں۔ انسانی سماج کا ایسا کوئی گوشہ نہیں ہے جس کے لیے آپ ﷺ کی ہدایت موجود نہ ہو اور

Marfat.com

زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں آپ ﷺ نے رہنمائی نہ کی ہو۔ آپ ﷺ کی تعلیمات جامع ہیں جن میں کسی قسم کی تنقیح و تعدیل کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس لیے حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور اب کسی اور نبی کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ نہ تو دائرۂ اسلام کے اندر اور نہ دائرۂ اسلام کے باہر ہی۔

مذکورہ بالا حقائق پر قرآن نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کی عالم گیر رسالت و نبوت:

اس سلسلے میں قرآن کریم میں مذکور ہے:

﴿قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

(الاعراف ۷:۱۵۸)

”آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اے (تمام عالم کے) لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اس لیے ایسے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے ایسے نبی امی پر بھی جو خود اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان (نبیؐ) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔“

ایک دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سبا ۳۴:۲۸)

”اور ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام (عالم کے) لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوش خبری سنانے والا، اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے) ڈرانے والا (بنا کر بھیجا ہے) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

Marfat.com

قرآن حکیم مزید اعلان کرتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء۲۱:۱۰۷)

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

ایک دوسری جگہ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ (البقرۃ۲:۱۸۵)

''رمضان کا وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت (کا ذریعہ) ہے۔''

۲ آپ ﷺ کے پیغام و رسالت کی حفاظت:

اللہ نے یہ صاف صاف فرما دیا ہے کہ قیامت تک آپ ﷺ کا پیغام محفوظ رہے گا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر۱۵:۹)

''ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ (یونس۱۰:۱۵)

''اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ ﷺ سے) یوں کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لائیے یا (کم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے، آپ ﷺ یوں کہہ دیجیے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں۔ میں تو بس اسی کی اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔''

Marfat.com

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ پچھلی امتوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی تھی۔

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ○ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

(المائدہ ۵: ۱۵، ۱۶)

”اے اہل کتاب تمھارے پاس یہ رسول آئے ہیں، کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمھارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں۔ اور بہت سے امور کو واگذاشت کر دیتے ہیں۔ تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک واضح کتاب (یعنی قرآن مجید) کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے۔ اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔ ان کو راہِ راست پر قائم رکھتا ہے۔“

﴿مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (النساء ۴: ۴۶)

”یہ لوگ جو یہودیوں میں سے ہیں (اللہ کے) کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔“

﴿وَ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ﴾ (المائدہ ۵: ۴۱)

”...... اور وہ لوگ جو یہودی ہیں غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں۔ آپ ﷺ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سنتے ہیں۔ (جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ) وہ آپ ﷺ کے پاس نہیں آئے۔ (اور اللہ کے) کلام کو اس کے موقعے و محل سے بدلتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ

Marfat.com

(یعنی بدلا ہوا) حکم ملے تو اس کو لے لو......''

﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ مبَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ۲:۷۵)

''اور ان میں (یہودیوں میں) سے کچھ لوگ (ایسے گزرے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے پھر اس میں تحریف کر دیتے تھے اور اس کو سمجھنے کے بعد ایسا کرتے اور وہ جانتے تھے۔''

کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل شدہ کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی۔ اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ضمانت کے ساتھ بھیجا جاتا کہ ان کی تعلیمات و ارشادات نیز زندگی وحیات کی تفصیلات پوری طرح محفوظ رہیں۔

(۳) دین کا مکمل ہونا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا تیسرا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کر آئے وہ کامل اور مکمل دین ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی ہدایت کی تکمیل ہو چکی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ۵:۳)

''آج کے دن تمھارے لیے تمھارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام تمھارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔''

ایک مقام پر ہے:

﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

(یونس۱۰:۳۷)

''اور یہ قرآن افترا کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان

Marfat.com

کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور اس میں کوئی بات شک و شبہے کی نہیں اور وہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔''

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ (النحل ۱۶:۸۹)

''اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا ہے جو تمام (دین کی) باتوں کو بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت وخوش خبری سنانے والا ہے۔''

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ قرآن کریم نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الاحزاب ۳۳:۴۰)

''محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں (یعنی آخری نبی ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

Marfat.com

لفظ خاتم کی تحقیق

مذکورہ بالا آیت (سورہ احزاب، آیت ۴۰) میں جو لفظ خاتم آیا ہے اس کا مطلب ہے ''مایختم به'' (القاموس العصری) یعنی وہ مہر جو کسی چیز کے آخر میں اس کا آخری حصہ بند کرنے کے لیے لگائی جائے۔ یہ معنی لفظ خَاتِمْ میں زیادہ واضح ہو جاتے ہیں جس کو کچھ ائمہ قرأت نے مذکورہ بالا آیت میں خَاتَمْ کی جگہ پڑھا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، جامع البیان فی تفسیر القرآن لابن جریر طبری، اور تفسیر القرآن لابن حبان الاندلسی) اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ''خاتم القوم'' کا مطلب ہمیشہ کسی گروہ کا آخری آدمی مراد لیا جاتا ہے یعنی ''آخر هم''.

(ملاحظہ ہو تاج العروس لامام محبّ الدین ابو الفرید مرتضٰی)

قرآن کریم کی تمام مشہور تفاسیر اس پر متفق ہیں کہ ''خاتم النبیین'' کا مطلب آخری نبی ہے۔ علامہ زمخشری اپنی مشہور تفسیر ''الکشاف'' میں کہتے ہیں:

''خاتم النبیین کا مطلب ہے سب سے آخری نبی ﷺ۔'' ابن حبان اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں رقم طراز ہیں: ''خاتم النبیین کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ (محمد ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' محی السنہ حسین ابن مسعود اپنی تفسیر ''معالم التنزیل'' میں تحریر کرتے ہیں: ''خاتم النبیین کا مطلب ہے ان میں کا (انبیاء میں کا) آخری۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر (محمد ﷺ پر) نبوت کو ختم کر دیا۔''

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں: ''یہ آیت اس حقیقت کے لیے نص ہے کہ آپ ﷺ کے (محمد ﷺ کے) بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس کے متعلق بہت سی متواتر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔''

علامہ شہاب الدین سید محمود اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں: ''ایسے لوگ جو اس حقیقت (ختم نبوت) کو تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ قطعی طور پر کافر ہیں اور ان کو دارالاسلام میں سزائے موت

Marfat.com

دینا چاہیے ❶۔“

ابن حبان اپنی تفسیر ”البحر المحیط“ میں اس مسئلہ پر امت کا اجماع بتاتے ہیں کہ جو لوگ ختم نبوت کا اقرار نہ کریں ان کو سزائے موت دینا چاہیے۔

مزید برآں قرآن کریم نے لفظ خاتم کو مذکورہ بالا معنی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ...﴾ (یٰس ۳۶:۶۵)

”آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔“

مذکورہ بالا آیت میں یہ لفظ صاف صاف مہر کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جب قیامت میں ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ بند ہو جائیں گے اور وہ کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ...﴾ (البقرہ ۲:۷)

”اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔“

یہاں دلوں پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل ہدایت کے لیے بند کر دیئے گئے ہیں۔

﴿وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ ...﴾ (الجاثیہ ۴۵:۲۳)

”اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے۔“

﴿وَخِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ (سورۃ تطفیف ۸۳:۲۶)

”جس پر مشک کی مہر ہوگی۔“

﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ﴾ (سورۃ تطفیف ۸۳:۲۵)

”اور ان کو (جنتیوں کو) پینے کے لیے مہر بند شراب دی جائے گی۔“

مذکورہ بالا تمام آیات میں لفظ ”ختم“ کا مطلب کسی چیز کا خاتمہ ہے۔

سورہ احزاب کی مذکورہ آیت ۴۰ میں وارد لفظ ”ختم“ میں اور بھی گہرائی ہے۔ اس جملے ”خاتم النبیین“ کے مطلب میں نہ صرف نبوت کا خاتمہ مضمر ہے بلکہ اس کی تکمیل بھی مضمر ہے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گو کہ قیامت تک کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن کار نبوت کا بارِ عظیم اب خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے امتیوں کے کندھوں پر آ پڑا ہے۔

❶ یہ حکم ان مسلمانوں کے لیے ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود ختم نبوت پر یقین نہ رکھتے ہوں۔

Marfat.com

اب دین کی تبلیغ کا کام جو ختم نبوت سے قبل انبیاء کے ذمے ہوتا تھا خاتم النبیین کی امت کے ذمے ہے۔ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں کیوں کہ آپ ﷺ پر سلسلۂ وحی کا خاتمہ ہوا اور آپ ﷺ اس وجہ سے بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد انبیاء تو آئیں گے نہیں لیکن انبیاء والا کام آپ ﷺ کے امتیوں میں جاری رہے گا جس کی طرف قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اشارہ کرتی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران۳: ۱۱۰)

”تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کی (بھلائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔“

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء۲۱: ۱۰۷)

”اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی ایک تقریر میں کہا: ”اللہ کی رحمتوں میں سے ایک بڑی رحمت لوگوں کی ہدایت کے لیے وقت وقت پر انبیاء کو بھیجنا تھا لیکن خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اللہ کی مذکورہ بالا رحمت آپ ﷺ کی امت کے ذریعے جاری رہے گی۔ یعنی اب رسول اللہ ﷺ کی امت کا ہر فرد کار نبوت کا ذمہ دار ہے اور اس کے ذمہ اس دین حق کی تبلیغ ہے۔“ منصب نبوت، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، کا مقصد وحی الٰہی اور قوانین الٰہی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دینا تھا اور پچھلے انبیاء علیہم السلام کی رسالت کی تکمیل تھی۔ اس کا مقصد بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئی نسلوں کو نئی ہدایت سے نوازنا بھی ہوتا تھا۔ اسی مقصد کے تحت پچھلی امتوں میں یکے بعد دیگرے انبیاء آتے رہے چونکہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو ایسا کامل دین عطا کیا گیا جو قیامت تک آنے والے ہر زمانے، ہر قوم اور ہر عہد کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اس لیے اب کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ یہ وہ نظریہ ہے جس پر ہر دور کے مسلمان متفق رہے ہیں۔

Marfat.com

ختم نبوت پر احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی ختم نبوت کے بارے میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس قصر کی سی ہے جس کی عمارت اور دیواریں بہت عمدہ ہوں لیکن دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو۔ پھر لوگوں نے اس کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھا اور اس کی خوبی سے خوش ہوئے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر تعجب اور حیرت میں پڑ گئے۔ میں اس اینٹ کی جگہ بھرنے والا ہوں۔ میں اس عمارت کو ختم (مکمل) کرنے والا ہوں اور مجھ پر رسالت کا خاتمہ ہوا ہے۔'' ایک دوسری روایت میں ہے: ''میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں، یعنی میں ہی نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں[1]۔''

ایک مثال کے ذریعے اس حدیث میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے آخری نبی ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام انبیاء نے ایک ہی دین، ''دین اسلام'' کی دعوت دی، جو کہ حدیث میں قصر نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دین کی مکمل اور کامل ترین شکل انسانوں کے سامنے پیش کی۔

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دوسرے انبیاء پر میں چھ خصلتوں میں فضیلت دیا گیا ہوں۔ یعنی مجھ کو ایسی چھ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں:

(۱) میں جامع کلمہ دیا گیا ہوں (یعنی جو الفاظ کہتا ہوں وہ مختصر مگر جامع ہوتے ہیں)
(۲) رعب سے مجھ کو فتح عطا کی گئی ہے۔
(۳) مال غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا ہے۔
(۴) ساری زمین میرے لیے مسجد (سجدہ کرنے کی جگہ) اور پاک بنائی گئی۔
(۵) ساری مخلوق کے لیے مجھ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔
(۶) انبیاء کا مجھ پر خاتمہ ہو گیا[2]۔

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

[2] صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

Marfat.com

ایک دوسری حدیث میں ہے:

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ ابن ساریہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے یہاں میں اس وقت النبیؐ لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم علیہ السلام اپنی گوندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے (یعنی آدم علیہ السلام کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا) میں تم کو اپنے امور کی اولیت (فضیلت) بتاتا ہوں! (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا (کا نتیجہ) ہوں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں (جو قرآن مجید میں مذکور ہے) اور میں اپنی والدہ کے خواب (کی تعبیر) ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا۔ (اور میری ولادت کے وقت) میری والدہ کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محل ان کو نظر آئے[1]۔''

مذکورہ بالا احادیث سے یہ واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ تو کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

اس موقع پر ہم اہل سنت والجماعت کے اس عقیدے کو واضح کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو نزول عیسیٰ کے بارے میں ہے کہ قیامت کے قریب ان کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے ہوگا۔

ب: نزول عیسیٰ علیہ السلام

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں مستند وصحیح روایات وارد ہوئی ہیں جن کو امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ نے بھی نقل کیا ہے۔ خلفاء راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ عظام، محدثین و فقہا سب نے متفقہ طور پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے اس عقیدہ پر امت کا اجماع ہے اور تمام مسلمانوں پر اس کا عقیدہ رکھنا ناگزیر ہے۔

عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے اور مسلمانوں کے عقیدے میں فرق ہے۔ امت مسلمہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے اس دنیا میں نازل ہوں گے۔ البتہ ان کے اندر عظیم روحانی قوت ہوگی۔ اس موضوع پر متعلقہ احادیث کے ذکر کرنے سے پہلے میں کچھ لوگوں (قادیانیوں اور

[1] مسند احمد، شرح السنۃ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

احمدیوں) کے غلط عقیدے کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

یہ لوگ (قادیانی اور احمدی) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب نازل نہیں ہوں گے کیوں کہ وہ اپنی قدرتی موت مر چکے ہیں اور سری نگر کشمیر میں مدفون ہیں۔ (ملاحظہ ہو محمد علی کا انگریزی ترجمۂ قرآن: نوٹ نمبر ۱۷۲۳، ص ۶۷۰ اور ۶۷۱، نوٹ نمبر ۷۵۲، ص ۲۷۶ اور ۲۷۷) جب کہ قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر مصلوب نہیں ہوئے ہیں بلکہ اللہ نے ان کو اپنے پاس اٹھالیا ہے۔

﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء۴: ۱۵۷، ۱۵۸)

''اور ان کے اس بات کے کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو کہ اللہ کے رسول ہیں قتل کر دیا ہے۔ حالاں کہ انھوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز گمان والی باتوں پر عمل کرنے کے۔ اور انھوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔''

ایک جگہ ہے:

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...﴾

(آل عمران۳: ۵۵)

''جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ تحقیق میں لینے والا ہوں تجھ کو، اٹھانے والا ہوں تجھ کو طرف اپنی اور پاک کرنے والا ہوں تجھ کو ان لوگوں سے کہ کافر ہوئے۔''

نوٹ: یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا ہے۔

Marfat.com

مذکورہ بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو اپنی جانب اٹھالیا۔

یہ لوگ (قادیانی واحمدی) مندرجہ بالا آیت کریمہ میں مذکور لفظ "متوفیک" کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں لفظ "توفیتنی" کی انھوں نے غلط تشریح کی ہے۔

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ﴾ (المائدہ ۵:۱۱۷)

"میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا، کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا (یعنی آسمان پر بلالیا) تو تو ان پر مطلع رہا۔ اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔"

اردو میں مندرجہ بالا ترجمے مستند تراجم قرآن کے مطابق ہیں۔ انگریزی میں عبداللہ یوسف علی اور مارماڈیوک پکتھال نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ بہت سی عربی تفسیروں میں بھی "توفیہ" کا مطلب "رفع" لکھا ہے۔ وکذا قال ابن جریر توفیہ ھو رفعه (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۱/۳۶۶، تفسیر لابن جریر للطبری)۔ قال الحسن، قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم للیھود" ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۱/۳۶۶)

یعنی حضرت حسن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ "عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی ہے اور وہ قیامت سے قبل تمھارے پاس واپس آئیں گے" لیکن محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمہ میں لکھا ہے: "When thou didst cause me to die" یعنی (اے خدا) "جب تو نے مجھے موت دی۔" یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ لفظ "توفی" کا ہمیشہ مطلب "موت" نہیں ہوتا مثلاً قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور یہاں اس کا مطلب موت نہیں ہے:

Marfat.com

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام ۶:۶۰)

''اور وہی ہے کہ رات میں تمھاری روح کو اٹھا لیتا ہے (یعنی قبض کر لیتا ہے) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے۔ پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے۔ پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے ہو۔''

مندرجہ بالا لفظ ''یتوفی'' اٹھا لینے (یا قبض کرنے) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ انھی معنی میں یہ لفظ سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۱۷ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہاں پر ''موت'' ہوتا تو آیت کا مطلب ہوتا ''اور وہی ہے کہ رات میں تمھاری روح کو موت دیتا ہے۔'' جب کہ عام مفسرین نے یہ مطلب مراد نہیں لیا ہے۔ محمد علی نے بھی قرآن کے اپنے انگریزی ترجمے میں مندرجہ بالا آیت میں وارد لفظ ''یتوفکم'' کا ترجمہ اٹھا لینے کے معنی میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: .And He, it is Who takes your souls at night یعنی ''اور وہی ہے جو رات کو تمھاری روحیں اٹھا لیتا ہے۔'' اس طرح محمد علی سورہ انعام کی اس آیت (نمبر ۶۰) کے معنی میں دوسرے مترجمین سے مطابقت رکھتا ہے۔

ایک اور جگہ قرآن کریم نے لفظ ''توفی'' اٹھا لینے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا﴾ (الزمر ۳۹:۴۲)

''اللہ جانوں کو مرتے وقت (اپنے پاس) اٹھا لیتا ہے اور جو نہیں مریں ان کو سوتے وقت (اٹھا لیتا ہے)''

محمد علی یہاں پر بھی توفی کے معنی ''اٹھا لینے کے'' لیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"Allah takes (man`s) souls at the time of their death"

یعنی ''اللہ (انسانوں کی) روحیں ان کی موت کے وقت اٹھا لیتا ہے۔'' کیوں کہ اگر یہاں پر لفظ توفی کے معنی تبدیل کیے جائیں گے تو مطلب بگڑ جائے گا۔ غرض مذکورہ بالا تمام آیات میں ''توفی''، ''یتوفی'' کا مطلب ''اٹھا لینا'' ہے۔ لیکن ان لوگوں نے (قادیانی اور

Marfat.com

احمدیوں نے) قرآن کے معانی میں اپنی مرضی کے مطابق تاویل کی ہے۔اس طرح آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ میں مذکور لفظ "متوفیک" کے معنی اسلامی عقائد کے خلاف لکھے گئے ہیں۔

مزید برآں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ گفتگو جو سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۷ میں درج ہے، درحقیقت قیامت کے دن اللہ کے حضور میں ان کا جواب ہے۔ جب اللہ قیامت کے دن ان سے پوچھے گا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾ (المائدہ ۵:۱۱۶)

"اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔"

اللہ کے اس سوال کے جواب میں ان کی گفتگو قرآن کریم میں سورہ مائدہ میں درج ہے اسی گفتگو کا ایک حصہ مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۱۷ میں ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں پر (یعنی سورہ مائدہ، آیت نمبر ۱۱۷ میں) اگر "توفیتنی" کا مطلب موت ہی لیا جائے تو اس موت سے مراد ان کے نزول کے بعد زمین پر جو موت واقع ہوگی وہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے پوری طرح واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل ہی کیا گیا تھا اور نہ سولی پر ہی چڑھایا گیا تھا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا تھا۔

ترجمہ: "اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (اللہ نے ان کو سزا دی) کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں قتل کر دیا حالاں کہ انھوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انھوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے۔"

یہاں پر محمد علی نے بل رفعہ اللہ الیہ میں آنے والے لفظ "رفع" کا ترجمہ "exalted" (وقعت یا عزت دینا) سے کیا ہے۔ اس سے بھی محمد علی کے ترجمہ کی ایک اور فاش

Marfat.com

غلطی ہمارے سامنے آتی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق مندرجہ بالا (سورہ نساء، آیت ۱۵۷، ۱۵۸) اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ اب بھی سماء دنیا پر زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے مسلمانوں کے ایک امام کی حمایت میں نازل ہوں گے، جن کو بعض حدیثوں میں امام مہدی کے لقب سے پکارا گیا ہے اور بعض حدیثوں میں صرف ''امام'' یا ''امیر'' (سردار) بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں موجود تمام صلیبوں کو توڑ دیں گے، خنزیروں کو قتل کر دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی پیروی کرنے کا حکم دیں گے۔ قیامت سے پہلے اس دنیا میں ہی ان کی موت واقع ہو گی اور تمام اہل کتاب ان پر (اور اسلام پر) ان کی موت سے قبل ایمان لے آئیں گے۔ قرآن کریم میں مذکورہ آیات کے علاوہ مندرجہ ذیل احادیث بھی نزول عیسیٰ کے سلسلے میں اس عقیدے کی تائید کرتی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ عنقریب تمھارے درمیان ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو قتل کر دیں گے، جزیے کو اٹھا دیں گے (یعنی جزیہ کو باقی نہیں رکھیں گے۔ صرف اسلام قبول کر لینا باقی رہے گا) مال کو بڑھائیں گے۔ (یعنی ان کے عہد میں مال کی بڑی کثرت ہو گی) یہاں تک کہ کوئی اس کا خواہش مند نہیں رہے گا یہاں تک کہ صرف ایک سجدہ کرنا اس وقت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہو گا۔'' اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا (اگر تم کو اس میں کچھ شک و شبہ ہو تو) اس آیت کو پڑھو: ﴿وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته﴾ (یعنی کوئی اہل کتاب ایسا باقی نہیں رہے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی وفات سے پہلے ایمان نہ لے آئے۔) [1]

یہ حدیث دراصل مذکورہ بالا آیات (سورہ نساء، آیات نمبر ۱۵۷، ۱۵۸) کی تفسیر ہے اور ہمیں اس کی اطلاع دیتی ہے کہ آسمان سے اپنے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمین پر ایک فطری موت سے انتقال فرمائیں گے۔

اس سلسلے کی ایک اور حدیث حسب ذیل ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم!

[1] مسند احمد، شرح السنۃ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

البتہ ضرور ابن مریم (علیہ السلام آسمان سے) نازل ہوں گے۔ جو ایک عادل حاکم ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیے کو اٹھا دیں گے۔ جوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (یعنی ان سے سواری و بار برداری کا کوئی کام نہیں لیا جائے گا) لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض اور حسد جاتا رہے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو مال و دولت کی طرف بلائیں گے۔ (یعنی ان کو مال و دولت دینا چاہیں گے) لیکن (مال و دولت کی کثرت کے سبب کوئی قبول نہ کرے گا[1]۔ یہ مسلم کی روایت ہے لیکن ایک اور روایت میں جو دونوں (بخاری و مسلم) نے روایت کی ہے یہ بھی اضافہ ہے۔ اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم (علیہ السلام) تمھارے درمیان نازل ہوں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہی ہوگا[2]۔"

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور یہ کہ امام مہدی مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں گے جو اس دور کے مسلمانوں کے امام یا امیر ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی اتباع کریں گے۔

مندرجہ ذیل حدیث سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے واسطے جنگ کرتی رہے گی اور قیامت کے دن تک دشمنوں پر غلبہ حاصل کرتی رہے گی۔ پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور (میری امت کا) امیر ان سے کہے گا: آؤ ہم کو نماز پڑھاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے: میں امامت نہیں کرتا اس لیے کہ تم میں سے بعض لوگ بعض پر امیر و امام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت و شرف عطا کیا ہے[3]۔"

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے۔ وہ نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔ وہ ۴۵ برس تک دنیا میں رہیں گے۔ پھر وہ وفات پائیں گے اور میرے برابر قبر میں دفن کیے جائیں گے۔ (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ایک ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے

---

1. صحیح مسلم، مشکوۃ، باب نزول عیسیٰ۔
2. صحیح مسلم، صحیح بخاری، مشکوۃ، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام۔
3. صحیح مسلم، مشکوۃ، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

درمیان اٹھیں گے ❶۔"

اس موضوع پر بہت سی احادیث ہیں۔ ان تمام احادیث کی بنیاد پر علماء اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا مندرجہ ذیل عقیدہ بتاتے ہیں:

آخری ایام میں دجال ظاہر ہوگا۔ جب دجال فتنہ وفساد برپا کرے گا اور اپنی گمراہ کن تعلیمات اور استدراج کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر کے صحیح العقیدہ لوگوں پر ظلم وستم ڈھائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے مشرق میں سفید مینار پر نازل ہوں گے (یہ مینار ایک مسجد میں ہے)۔ وہ اس وقت کے امیر یعنی امام مہدی کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کریں گے (اور اس کو عام کریں گے) وہ صلیب کو توڑیں گے جو عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی علامت ہے۔ اس طرح وہ اس گمراہ کن عقیدے کو ختم کریں گے اور اسلامی شریعت کا نفاذ کریں گے، اس وقت اس دنیا میں آپسی نفرت، حسد ودشمنی ختم ہو جائے گی۔ وہ میانہ قد کے ہوں گے ان کا رنگ سرخی مائل ہوگا اور بہت زیادہ خوبصورت ہوں گے۔ ان کے بال کندھوں تک لٹکے ہوئے ہوں گے۔ اس دنیا میں نزول کے بعد وہ نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی۔ نازل ہونے کے بعد وہ دجال کو تلاش کریں گے اور بالآخر لُدّ کے (یعنی موجودہ مقبوضہ فلسطین یعنی اسرائیل میں موجود Lydda نامی) مقام پر دجال کو پالیں گے اور وہیں اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد تمام اہل کتاب اسلام کو قبول کرلیں گے اور اس طرح قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی صداقت اور زیادہ واضح ہو جائے گی:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبہ ۹:۳۳)

"وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے گو کہ مشرکین کیسے ہی ناخوش ہوں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں ۴۵ سال زندہ رہیں گے اور اس کے بعد ایک فطری موت سے ان کا انتقال ہوگا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے برابر روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "قادیانیت" میں تحریر کرتے ہیں:

---

❶ مشکوٰۃ، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

Marfat.com

’’حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور دوبارہ اترنے کا عقیدہ مسلمانوں کے ان عقائد میں ہے جن پر قرآن بھی دلالت کرتا اور جو متواتر احادیث و آثار سے ثابت ہیں اور جو مسلمانوں میں بلا کسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی تشریح کی ہے کہ نزول مسیح علیہ السلام کی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابوالحسین اثری رحمہ اللہ سے تواتر کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر ’’التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والرجال والمسیح‘‘ کے نام سے ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے کسی قابل اعتماد شخصیت سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ معتزلہ کی طرف بھی اس کی نسبت صحیح نہیں۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’الفصل فی الملل والنحل‘‘ میں صاف لکھ دیا ہے کہ عقیدۂ نزول عیسیٰ علیہ السلام تواتر سے ثابت ہے۔ ان نقول وتفصیلات کے لیے، مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی جلیل القدر تصنیف ’’عقیدۃ الاسلام‘‘ ملاحظہ کی جائے۔ جہاں تک مسئلے کے عقلی پہلو کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محیط اور اللہ کی صفات وافعال کو کامل ماننے کے بعد کسی ایسی چیز کے امکان و وقوع میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں جو نقل صحیح اور تواتر سے ثابت ہو۔ خصوصیت کے ساتھ طبقات وعلوم طبعیہ کی جدید ترقیات وفتوحات کے بعد اور ان واقعات کے پے در پے وقوع کے بعد جو علم واکتشافات کی اس ترقی سے پہلے عقلی طور پر محال و ناممکن الوقوع سمجھے جاتے تھے اور ایسے زمانے میں جب مصنوعی چاند ❶ قلیل سے قلیل وقت میں دنیا کے گرد چکر لگا لیتے ہیں اور انسان چاند تک پہنچنے اور خلاؤں اور فضائے بسیط میں سفر کرنے کی کوشش کر رہا ہے ❷ فاطر کائنات کے حکم اور ارادہ سے کسی ہستی کا زمین سے اوپر جانا اور طویل مدت تک رہنا کیا ناممکن اور مستبعد ہے۔ اس مسئلے میں ان عقلی اشکالات کو پیش کرنا جو یونانی فلسفے کی قدیم ہیئت کے خیالی مفروضات اور نظری قیاسات پر مبنی ہیں ایک ایسی طفلانہ ذہنیت ہے جس کی اس ترقی یافتہ زمانے میں گنجائش نہیں ❸۔‘‘

---

❶ یعنی مصنوعی سیارے (Satellites)

❷ نوٹ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جب یہ کتاب ’’قادیانیت‘‘ لکھی تھی اس وقت انسان چاند پر جانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا لیکن بعد کو انسانی قدم چاند پر پہنچ گئے۔

❸ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، قادیانیت، مطالعہ وجائزہ، لکھنؤ، ۱۳۷۸ھ، (۱۹۵۸ء)، ص ۶۸، ۶۹۔

Marfat.com

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور اولاد

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق مختصر روشنی ڈالی جا رہی ہے، ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ کے مختلف نکاحوں کی وجوہات بھی بیان کی جا رہی ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد:

رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلی بیوی ہیں۔ شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور رسول اللہ ﷺ کی عمر پچیس سال تھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے ہے کہ حضور ﷺ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ سال کی تھی [1]۔ اس سلسلے میں انھوں نے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا نام عتیق ابن عائذ تھا۔ ان سے ان کی ایک لڑکی تھی جن کا نام ہند رضی اللہ عنہا تھا۔ انھوں نے بڑے ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ عتیق بن عائذ کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابو ہالہ سے شادی کی تھی۔ ان سے ان کے دو بچے پیدا ہوئے۔ ہند اور ہالہؓ۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے نکاح کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان ۱۰ نبوی میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی، رسول اللہ ﷺ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور جب تک وہ حیات رہیں آپ ﷺ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ان کو قبر میں رکھا۔ اس وقت تک نماز جنازہ کے احکامات نہیں آئے تھے۔ ان کو مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے عام قبرستان ''معلیٰ'' میں دفن کیا گیا جہاں آج تک ان کی قبر موجود ہے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، DR. M. Hamidullah: Muhammad Rasulullah. Para: 336,P.144

Marfat.com

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ ابن قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی ہیں۔ وہ بھی بیوہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے قبل ان کی شادی ان کے چچا زاد بھائی سکران رضی اللہ عنہ ابن عمرو سے ہوئی تھی ❶۔ دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کرلیا اور حبشہ کو ہجرت کرنے والے دوسرے گروہ میں شامل ہو کر حبشہ چلے گئے جہاں حضرت سکران کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اسی سال شوال ❷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا، اس پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اپنی باری چھوڑتی ہوں، مجھے اس عمر میں جنسی تعلقات سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی حیثیت سے اٹھائی جاؤں ❸۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست فوراً قبول کرلی۔ پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ تحریر کرتے ہیں: ''اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق رجعی کی ذاتی مثال بھی چھوڑی ہے ❹۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۵ھ میں ہو ❺۔ بعض مؤرخین کے مطابق ان کا انتقال ۱۹ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا ❻۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ واحد کنواری لڑکی تھیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۵۲، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲،ص۶۴۴۔

❷ ابن سعد کے مطابق یہ شادی رمضان ۱۰ نبویؐ میں ہوئی تھی، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۵۳۔

❸ حضرت سودہؓ کا یہ قول تقریباً انھی الفاظ میں ابن سعد نے نقل کیا ہے۔ الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۵۴۔

❹ Dr. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, Para 337. P145

❺ ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق ان کا انتقال شوال ۵۴ھ میں ہوا تھا، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۵۵۔

❻ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۵۵۔

Marfat.com

کی ❶۔ ان کا نکاح بھی شوال ۱۰ نبوی میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ہوا تھا ❷۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے گہرے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں۔ نکاح کے وقت وہ کم عمر تھیں اس لیے وہ اپنے والدین کے ساتھ ہی رہتی رہیں۔ ہجرت کے بعد ۲ ھ ❸ میں ان کی رخصتی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا شروع کیا۔ ان کی وفات ۱۷ رمضان ۵۷ ھ ❹ کو ۶۶ یا ۶۷ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے دور کی سب سے بڑی عالمہ خاتون تھیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کی پیدائش 5 نبوی میں مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ آپ کی پہلی شادی حضرت خنیس رضی اللہ عنہ ابن حذافہ سے ہوئی تھی ❺ جو ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعد میں مدینہ منورہ کی ہجرت کی، وہ بدر کی لڑائی میں شریک تھے۔ احد کی لڑائی میں وہ شہید ہو گئے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ابھی جوان تھیں۔ ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی شادی کسی اچھے آدمی سے کرنی چاہی، چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا ❻۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا جن کی اہلیہ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی تھیں) کا انتقال ہو چکا تھا لیکن انھوں نے بھی معذرت چاہی ❼۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور صاحب زادی سے نکاح کرنے کے متمنی تھے۔ حضرت

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۴۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۸۔

❸ ابن سعد کے مطابق انھوں نے شوال ۱ ھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا شروع کیا تھا۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۸۔

❹ ابن سعد کے مطابق ان کا انتقال رمضان ۵۸ ھ میں ہوا تھا۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۰۔

❺ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۱، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۵۔

❻ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۱، ۸۲۔

❼ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۱، ۸۲۔

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے تکلیف ہوئی اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمھیں حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر بتاتا ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر بیوی ❶۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا اور اپنی صاحب زادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی خاموشی کی وجہ بتائی اور کہا: ”میں نہ تو تمھاری اس پیش کش کو قبول کرسکتا تھا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے راز کو تم پر ظاہر کرسکتا تھا ❷۔“ اس لیے خاموش رہا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا خیال بدل جاتا تو میں بخوشی ان (حفصہ رضی اللہ عنہا) سے شادی کرلیتا۔“

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات جمادی الاولیٰ ۴۵ھ ❸ میں ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ:

زیادہ تر مؤرخین کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ ابن حارث سے ہوئی تھی ❹۔ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ ابن حارث غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ سے رمضان ۳ھ ❺ میں نکاح کیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں صرف آٹھ مہینے رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ ❻ میں ان کی وفات ہوئی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق وہ رسول اللہ ﷺ سے شادی کے تین مہینے بعد ہی تیس سال کی عمر میں انتقال کرگئی تھیں ❼۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی رسول اللہ ﷺ کی ایسی دو بیویاں

---

❶ ابن سعد نے بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۸۳۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۸۲۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۸۶۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۱۱۵، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲،ص۶۴۷۔

❺ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۱۱۵۔

❻ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۸،ص۱۱۶۔

❼ Dr. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, Para 345, p-150

Marfat.com

ہیں کہ جن وفات آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ہوگئی تھی۔ آپ ﷺ کی باقی تمام بیویوں کا انتقال آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی میں ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ اسلام سے پہلے سے ہی غرباء کی بہت امداد کرتی تھیں اس لیے ان کا لقب "ام المساکین" پڑ گیا ❶۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یا ہند بنت ابو امیہ:

آپ ابو امیہ کی صاحب زادی تھیں اور آپ کا نام ہند تھا۔ آپ کی پہلی شادی آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن عبدالاسد سے ہوئی تھی ❷۔ جن کو عام طور سے ابو سلمہ کے نام سے پکارا جاتا تھا ❸۔ حضرت ام سلمہ اور ابو سلمہ نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور قریش کی اذیت سے بچنے کے لیے حبشہ ہجرت کر گئے۔ جلا وطنی کی حالت میں ان کے یہاں حبشہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلمہ تھا۔ حبشہ سے یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے جہاں ان کے ایک اور لڑکا عمر اور دو لڑکیاں دارہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ جنگ احد میں حضرت ابو سلمہؓ کے ایک زخم لگ گیا تھا جو ایک لمبے عرصہ تک ٹھیک نہ ہو سکا۔ صفر ۳ھ میں وہ ایک اور غزوہ میں گئے۔ وہاں سے واپسی پر پرانا زخم پھر تازہ ہو گیا جس سے ان کو کافی تکلیف ہوئی اور جمادی الآخر ۴ھ کو وفات ہو گئی ❹۔ حضرت ام سلمہؓ اس وقت حالت حمل میں تھیں۔ زینب کی ولادت ان کے شوہر کے انتقال کے بعد ہوئی۔ اپنے شوہر کی وفات پر وہ روئیں اور انھیں سخت صدمہ پہنچا۔ "حالانکہ وہ سمجھ دار تھیں اور ان کے کئی بچے تھے پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ طے کیا کہ ان سے شادی کر کے ان کی دل جوئی کی جائے کیوں کہ آپ ﷺ اس خاندان کی بڑی عزت کرتے تھے ❺۔" رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی شادی شوال ۴ھ میں ہوئی ❻۔ چوں کہ آپ کی شادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کے انتقال کے بعد ہوئی تھی اس لیے آپ کو رہنے کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حجرہ دیا گیا۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۵۔

❷ ان سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸ ص ۸۷۔

❸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۵۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۷۔

❺ Dr. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, p-150

❻ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۷۔

Marfat.com

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سب سے آخر میں ۵۹ھ میں ہوئی [1]۔ (کچھ مؤرخین کے مطابق ان کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی) وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی [2]۔ اس اعتبار سے ان کی پیدائش نبوت سے ۹ برس پہلے ہوئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش:

آپ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کے والد جزیرۃ العرب کے شمالی حصہ کے رہنے والے تھے لیکن کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر مکہ مکرمہ آ کر رہنے لگے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب سے شادی کر لی [3]۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی رسول اللہ ﷺ کے متبنّٰی حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ سے ہوئی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ابن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں کچھ چپقلش ہوگئی جس کی وجہ سے اُنھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا جیسا کہ سورۂ احزاب میں مذکور ہے۔

آپ ﷺ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ذی قعدہ ۵ھ [4] میں ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ اس طرح آپ کی پیدائش ۱۷ سال قبل نبوت ہوئی تھی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کا انتقال ہوا تھا۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور فرمایا تھا، میری بیویوں میں لمبے ہاتھ والی میرے انتقال کے بعد سب سے پہلے مجھ سے ملے گی [5]۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس کو ہاتھوں کی ظاہری لمبائی پر محمول کیا اور ایک ڈنڈے سے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ اتفاق سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے لیکن جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۶۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۷۔
3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۱۔
4. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۴۔
5. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۸۔

Marfat.com

بنت جحش کا انتقال ہوا تو ان کو اس استعارے کا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اندازہ ہوا۔ اس استعارے سے آپ ﷺ کا مقصد سخاوت میں لمبے ہاتھ ہونا تھا❶۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت زیادہ صدقہ وخیرات کرتی تھیں۔ وہ اکثر روزہ رکھتی تھیں۔ ان کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی❷۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۵۰ سال تھی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی صاحب زادی تھیں۔ ان کی شادی مسافح ابن صفوان سے ہوئی تھی❸۔ وہ جنگ مریسیع میں جنگی قیدیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور ثابت رضی اللہ عنہ ابن قیس کے حصے میں آئیں❹۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فدیے کی رقم ادا کرنے کے لیے امداد طلب کرنے حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے بہتر صورت بتاتا ہوں، وہ یہ کہ میں فدیہ تمھاری طرف سے ادا کردوں اور پھر تم مجھ سے نکاح کرلو❺۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے یہ پیش کش بخوشی قبول کرلی۔ آپ ﷺ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ۵ھ میں ہوا۔ اس نکاح کے نتیجے میں قبیلۂ بنو مصطلق کے تقریباً ایک سو جنگی قیدیوں کو مسلمانوں نے یہ کہتے ہوئے آزاد کردیا کہ جس قبیلے میں رسول اللہ ﷺ کا رشتہ ہو چکا ہو اس کے لوگوں کو غلام نہیں رہنا چاہیے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شادی کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ۵۰ھ میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی❻۔ بعض مؤرخین کے مطابق ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا تھا❼۔

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۸۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۶۔

❹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۵، ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۸، ص ۱۱۶۔

❺ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۰۔

❻ ایضاً۔

❼ ایضاً۔

Marfat.com

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یا رملہ بنت ابوسفیان:

آپ کا تعلق مکہ مکرمہ کے مشہور قبیلے بنوامیہ سے تھا اور آپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کی شادی حضرت عبیداللہ ابن جحش سے مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی [1]۔ دونوں میاں بیوی نے مکہ ہی میں اسلام قبول کیا لیکن قریش کی اذیتوں کی وجہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ایک رات انھوں نے اپنے شوہر کو خواب میں بہت ہی بدصورت شکل میں دیکھا [2]۔ دوسرے دن انھیں معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہو گیا لیکن وہ بدستور مسلمان رہیں اور شوہر سے طلاق لے لی۔ اب وہ جلا وطنی کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا نعم البدل عطا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے ذریعے ان کو شادی کا پیغام بھیجا۔ اس نے اس پیغام کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ابرہہ نامی ایک عورت کے ذریعے بھیجا [3]۔ وہ اس پیغام سے اتنی خوش ہوئیں کہ جو زیورات وہ پہنے ہوئیں تھیں وہ سب کے سب انھوں نے اس عورت کو دے دیے۔ شاہ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس نکاح میں وکیل مقرر ہوئے اور انھوں نے چار سو دینار بطور مہر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کو ادا کیے اور بہت سے تحفے بھی دیے۔ یہی نہیں بلکہ نکاح کے بعد ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں ان سب لوگوں کو جو اس دعوت میں موجود تھے دینار تقسیم کیے گئے [4]۔ اس کے بعد نجاشی نے ان کو مہر اور دوسرے ہدایا مثلاً خوشبو وغیرہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا تھا [5]۔

غالباً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۴۴ھ [6] میں ہوا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق ان کا انتقال ۵۹ھ [7] میں ہوا۔

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۶۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۷۔
3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۷۔
4. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۸۔
5. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۹۔
6. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۰۔
7. Dr. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, p-154

Marfat.com

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی:

آپ ایک یہودیہ عورت تھیں اور حیی ابن اخطب کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کی پہلی شادی سلام ابن مشکم سے ہوئی تھی اور اس کے بعد دوسری شادی کنانہ ابن ابی حقیق سے ہوئی❶۔ جنگ خیبر ۷ھ میں آپ مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی کی درخواست کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو انھیں عنایت کر دیا۔ اس پر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودی یہ دیکھ کر ناگواری کا اظہار کریں گے کہ ایک یہودی سردار کی لڑکی باندی کی حیثیت سے کام کر رہی ہو۔ اس لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں لے لیں❷۔'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کو ایک معقول رقم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فدیے کے طور پر ادا کی اور پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اب تم آزاد ہو اگر تم چاہو تو اپنے قبیلے میں واپس چلی جاؤ اور چاہو تو مجھ سے نکاح کر لو❸۔'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کو ترجیح دی کیوں کہ خواب میں پہلے ہی ان کو اس کی بشارت مل چکی تھی❹۔ یہ خواب اس کتاب میں غزوہ خیبر کے بیان کے موقع پر نقل کیا جا چکا ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی❺۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث:

آپ حارث ابن حزن کی صاحب زادی تھیں اور آپ کا تعلق نجد کے قبیلہ عامر ابن

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۰۔

❷ شیخ الحدیث محمد زکریا، حکایات صحابہؓ۔

❸ ایضاً۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۱، ۱۲۳۔

❺ ایضاً۔

Marfat.com

صعصاع سے تھا❶۔ آپ کا اصلی نام برہ تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کو تبدیل کر کے میمونہ رکھ دیا تھا۔ ام المومنین کا شرف عطا ہونے سے قبل ان کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان سے نکاح کیا تو وہ بیوہ تھیں۔ آپ نے ان سے نکاح ذی قعدہ ۷ھ❷ میں کیا۔

ایک روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے تو مقام سرف میں نکاح ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہو جائے مگر مکہ میں آپ ﷺ کا قیام صرف تین دن کے لیے تھا۔ اس کے بعد مشرکین مکہ کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے مکہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے کچھ مہلت چاہی اور فرمایا کہ میں نے ابھی نکاح کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ رخصتی کر کے دعوت ولیمہ میں تمام اہل مکہ کو مدعو کروں لیکن مشرکین نے اس کی اجازت نہیں دی اور آپ ﷺ کی دعوت ولیمہ کو بھی قبول نہیں کیا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے واپسی پر سرف کے مقام پر ہی شب عروس گزاری❸ اور دوسرے دن صبح کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی دعوت ولیمہ کی۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی ۵۱ھ❹ میں سرف ہی کے مقام پر ہوا اور وہیں آپ مدفون ہیں❺۔

رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں جن کو امہات المومنین (مسلمانوں کی مائیں) کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو کا انتقال آپ ﷺ کے سامنے ہو چکا تھا اور بقیہ نو آپ ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں۔

---

❶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

❷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

❹ ابن سعد کے مطابق آپ کا انتقال ۶۱ھ میں ہوا تھا، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۴۰۔

❺ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۹۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں کی وجوہات

(۱) معاشرے کے مختلف طبقات میں شادی کرنے کی تعلیم:

رسول اللہ ﷺ کی کچھ شادیوں کے ذریعے قبائل کی اونچ نیچ اور ذات پات کا تصور ختم کیا گیا مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کا یہی مقصد تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے آپ ﷺ نے قومیت کی بندشیں توڑیں۔ وہ بندشیں جو بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل کے درمیان صدیوں سے چلی آ رہی تھیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس کی تعلیم دی کہ اللہ کی نگاہ میں قومیت و نسل کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اصل معیار تقویٰ کا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان پر یہ فقرہ کسا: ''میں نے ایک یہودیہ کو دیکھا ہے'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کہو وہ اب ایک پکی مسلمان بن چکی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، اصابہ: ج ۸)

(۲) بیوہ عورت سے شادی کرنے کی تعلیم:

دورِ جاہلیت میں عرب بیواؤں کو بغیر شادی کے رکھ لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح عورتوں کے رکھنے کو حرام قرار دیا اور اس بات کی تعلیم دی کہ بیواؤں اور مطلقات کو شادی کے بعد ہی رکھنا جائز ہے۔ آپ ﷺ نے ایک مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی اسی وجہ سے کی۔ اس شادی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا پھوپھی زاد بہن (یا چچا زاد یا ماموں زاد یا خالہ زاد بہن) سے شادی کرنے کو جائز قرار دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی کی ایک تیسری اہم وجہ حسب ذیل ہے:

Marfat.com

(۳) اس کی تعلیم کہ متبنّٰی کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی کر کے حضور ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے۔ (ملاحظہ ہو، سورہ احزاب، آیت ۳۷)

(۴) بے سہارا بیواؤں اور ان کے بچوں کی کفالت:

مختلف غزوات و سرایا کے نتیجے میں بہت سی جانیں ضائع ہو گئیں۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور بچے یتیم ہو گئے۔ ایک بڑا مسئلہ ان بیواؤں اور بچوں کی کفالت کا تھا تاکہ وہ فاقہ کشی پر مجبور نہ ہو جائیں نیز بچوں کی تربیت کا بھی مسئلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں خود اپنی مثال قائم کی تاکہ عام مسلمان بھی ایسی بیواؤں سے شادی کر کے ان کے بچوں کے کفیل بن سکیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جیسی بیواؤں سے آپ ﷺ نے نکاح کر کے ایک مثال قائم کی۔

(۵) جنگی قیدیوں کی رہائی و آزادی پر لوگوں کو ترغیب دینا:

ان ایام میں جنگی قیدی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فدیے پر رہا کرنے کی ایک مثال قائم کی لیکن اس کے باوجود جو قیدی فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے وہ غلام بنے رہتے تھے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا فدیہ ادا کر کے اور ان کو آزاد کرنے کے بعد اپنی زوجیت میں لینے سے آپ ﷺ نے اس سلسلے میں ایک زبردست مثال قائم کی۔ یہی رحم دلانہ سلوک آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی کیا اور ان کو بھی آزادی کے بعد آپ ﷺ سے نکاح کرنے کا اختیار دیا جس کو انھوں نے بڑی خوش دلی سے قبول کر لیا۔

(۶) مسلم مردوں کی کمی کے مسئلے کا حل:

ان دنوں مسلمان مردوں کی کمی تھی اور اگر یہ کمی برابر جاری رہتی تو اسلام کی تبلیغ پر کافی اثر پڑتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات کے لیے اس طرف توجہ دلائی (مثلاً ایک حدیث

Marfat.com

میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیوں کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا)۔ اسلام نے اس کا ایک حل تعدد ازواج کی شکل میں پیش کیا۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ تعدد ازواج کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدائش کا تناسب بڑھ گیا جس سے ان کی آبادی بھی بڑھی۔ اس اعلیٰ مقصد کے لیے آپ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل کر کے لوگوں کو دکھلایا۔

۷ عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ:

اس زمانے میں عرب یونیورسٹیوں اور کالجوں سے واقف نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو علم حاصل کرنے اور اپنے بچوں کو علم سکھانے کی عام تربیت دی۔ تعلیم نسواں کا بھی ایک زبردست مسئلہ پیش آیا۔ آپ ﷺ کو چند ایسی مستورات کی شدید ضرورت تھی جن کو آپ ﷺ تعلیم و تربیت کی پوری ٹریننگ دے سکیں تا کہ پھر وہ مستورات دوسری عورتوں کو علمِ دین سکھا سکیں مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی نوجوان اور باکرہ لڑکی سے شادی کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ ان کو اچھی طرح ٹریننگ دے سکیں کیوں کہ نوجوانوں کے اندر علم حاصل کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف اس دور کی عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی زبردست عالمہ تھیں۔ بہت سے مرد بھی پردے میں آپ ﷺ سے مسائل سیکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بدولت دین کے علم کا ایک بڑا حصہ عام ہوا۔

۸ رسول اللہ ﷺ کی پوشیدہ و ذاتی زندگی کو محفوظ رکھنے اور منظر عام پر لانے کا مسئلہ:

رسول اللہ ﷺ انسانیت کے ایک عظیم معلم تھے اور آپ ﷺ کی رہنمائی اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم ۵۳:۳،۴)

''آپ ﷺ اپنی خواہش سے نہیں کہتے ہیں بلکہ جو کچھ آپ ﷺ

فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔"

مختلف مزاج کی عورتوں سے شادی کر کے آپ ﷺ کو اپنی نجی زندگی کے حالات محفوظ کرنے میں کافی مدد ملی تاکہ وہ لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کی نجی اور پوشیدہ زندگی کو بھی بطورِ نمونہ پیش کر سکیں۔ چونکہ یہ ممکن تھا کہ مرد آپ ﷺ کی نجی زندگی کے حالات بھول جاتے لیکن عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ پیش آئے ہوئے نجی واقعات عام طور سے نہیں بھولتی ہیں۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ آپ ﷺ مختلف مقامات کی، مختلف قبائل و خاندانوں کی اور مختلف مزاجوں کی عورتوں سے شادی کریں۔ اس کے علاوہ شریعت کے ایسے قوانین جو عورتوں کے لیے مخصوص ہیں آپ ﷺ صرف اپنی بیویوں کے ذریعے ہی عورتوں تک پہنچا سکتے تھے۔ آپ ﷺ کی تعدد ازواج کی یہ ایک اہم اور بڑی وجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو محفوظ رکھیں۔

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ (الاحزاب ۳۳:۳۴)

"(اے نبیؐ کی بیویو) اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمھارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ راز دان ہے۔ پورا خبر دار ہے۔"

⑨ بہترین شوہر کی مثال قائم کرنا:

یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کے اوپر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ موجودہ دور کے کچھ مصنفین نے اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے۔ میں صرف یہاں پر اشارۃً تحریر کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس باب میں ایک بہترین اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ایک نوجوان ایک عمر رسیدہ عورت (اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہے) کے ساتھ کس بہترین طریقے سے زندگی گزار سکتا ہے۔ اور ایک سن رسیدہ شوہر ایک نوجوان اور باکرہ عورت (مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ کس حسن خوبی کے ساتھ گزر بسر کر سکتا ہے۔ اور ایک کنوارا شوہر ایک ثیبہ عورت کے ساتھ کس طرح زندگی گزارتا ہے۔ اسی طرح ایک شادی شدہ مرد ایک

Marfat.com

باکرہ عورت کے ساتھ کیسی زندگی بسر کرتا ہے نیز ایک ایسا مرد جس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہو ایک بیوہ کے ساتھ کس طرح اپنی زندگی گزارتا ہے۔

﴿۱۰﴾ سیاسی وجوہات:

رسول اللہ ﷺ کی بہت سی شادیاں اسلام دشمنی کو کم کرنے کا سبب بنیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے سبب قبیلۂ بنو مصطلق اور اس کے حلیف قبائل جو مسلمانوں کے دشمن تھے دوست بن گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کی وجہ سے یہودیوں کا ایک حصہ آپ ﷺ سے قریب آ گیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے کی وجہ سے قریش کی اسلام دشمنی کچھ کم ہوگئی۔

﴿۱۱﴾ آپ ﷺ کی عام تعلیمات کی حفاظت:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعے نہ صرف آپ ﷺ کی نجی اور پوشیدہ زندگی کے واقعات اور عورتوں کے مخصوص مسائل کی تعلیم میں مدد ملی بلکہ عمومی طور سے آپ ﷺ کی تمام تعلیمات بھی پہنچانے میں بہت مدد ملی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عام مسلمان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے پردے میں رہ کر رسول اللہ ﷺ کی عمومی زندگی و تعلیمات کے بارے میں بھی سوالات کرتے تھے اور وہ ان کو تشفی بخش جواب دیتی تھیں مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتایئے تو آپ نے جواب دیا: کان خلقه القرآن (یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا یعنی آپ ﷺ قرآنی اخلاق کے عملی نمونہ تھے۔)

﴿۱۲﴾ عائلی زندگی کا نمونہ پیش کرنا:

رسول اللہ ﷺ نے ازدواجی زندگی گزار کر یہ ثابت کر دیا کہ انسان ایک سماج و معاشرہ میں بیوی و بچوں کے ساتھ رہ کر کس طرح بغیر رہبانیت اختیار کیے ہوئے زاہد و پرہیزگار بن سکتا ہے اور اللہ کے دین کی خدمت اور اس کے راستے میں جدوجہد کر سکتا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے رہبانیت کی مخالفت کر کے ایک عمدہ عوامی اور معاشرتی زندگی کی تشکیل پر زور دیا۔

Marfat.com

آپ ﷺ کی زندگی اتنی پاکیزہ، صاف اور قابل اتباع تھی کہ اللہ نے حکم دیا کہ آپ ﷺ یہ اعلان کر دیں:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (یونس۱۰:۱۶)

"...... بے شک میں نے اس سے پہلے بھی تمھارے درمیان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزارا ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔"

Marfat.com

تعددِ ازواج پر مغربی مصنفین کے خیالات

① جیمس۔اے۔مچنیز (James A. Michener) لکھتا ہے: ''مغربی مصنفین نے (حضرت محمد ﷺ پر) عیاشی کے اعتراضات محض متعدد عورتوں (کے ساتھ نکاح) کی بنیاد پر رکھے ہیں۔ (حضرت) محمد (ﷺ) سے قبل لوگ لاتعداد بیویاں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو چار سے محدود کر دیا۔ قرآن اس سلسلے میں صاف صاف یہ کہتا ہے کہ جو لوگ دو یا دو سے زیادہ بیویوں کے ساتھ عدل نہ کر سکیں وہ ایک ایک پر ہی اکتفا کریں❶۔''

② مغربی مصنفین کا ایک اور گروہ کہتا ہے: ''اسلامی قوانین کے مطابق عام طور پر عورتوں کا مرتبہ اس سے زیادہ بڑھایا گیا ہے جتنا کہ موجودہ قانون کے تحت ان کو ملا ہے❷۔''

③ ولیم کیلے (william Kalley) تحریر کرتا ہے: ''درحقیقت زیادہ تر مسلمان ہر دور میں ایک ہی بیوی رکھتے ہیں❸۔''

④ جے۔ای کلیئر میک فرلین (J.E. Clare Mc Farlane) لکھتا ہے:

''تعدد ازواج تہذیب کی اعلیٰ قدروں کے منافی نہیں ہے چاہے اس کو معاشرتی بنیادوں پر دیکھا جائے، اخلاقی بنیادوں پر دیکھا جائے یا مذہبی بنیادوں پر دیکھا جائے۔ درحقیقت یہ (تعدد ازواج) نادار اور مفلس عورتوں کے مسائل کا ایک حل پیش کرتی ہے جس کا متبادل صرف لامتناہی قحبہ پن، عصمت فروشی، عورتوں سے ناجائز

---

❶ Islam, The Misunderstood Religion

❷ "La Vie Juridique des Reuples, Vol VIII, edited by levyullman and Mirkine - Guetzevuth, Paris, 1939, P154.

❸ "Philosophy of Religions" New York, 1935, P 508.

Marfat.com

تعلقات اور جنسی بے راہ روی ہے ❶۔''

(۵) اینی بیسنٹ (Annie Besant) کا خیال ہے:

''تم دوسرے لوگوں کو اس مذہب (اسلام) کو بُرا کہتے ہوئے دیکھو گے کیوں کہ یہ تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے لیکن کیا تمھیں میری وہ تنقید یاد نہیں ہے جو میں نے لندن کے ایک ہال میں کی تھی جہاں کہ سامعین سب کے سب کم پڑھے لکھے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ وہ یک زوجگی جس کے ساتھ جنسی بے راہ روی شامل ہو در حقیقت ایک منافقت ہے۔ اور محدود تعدد ازواج کے مقابلے میں مخرب اخلاق عمل ہے۔ قدرۃً اس طرح کے بیانات سے دل شکنی ضرور ہوتی ہے لیکن ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ کیوں کہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابھی حال تک جب کہ انگلینڈ میں اسلامی قانون کے کچھ حصوں کی نقل کی گئی ہے، عورتوں کے سلسلے میں اسلامی قانون دنیا کے تمام قوانین میں سب سے زیادہ انصاف پسند تھا۔ حقوق جائداد کے معاملے میں، حقوق وراثت کے معاملے میں اور طلاق کے معاملے میں یہ مغربی قانون سے کہیں آگے تھا۔ جس میں لوگوں کو یک زوجگی اور تعدد ازواج جیسے الفاظ سے مسحور تو کیا جاتا ہے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ مغرب میں اس کے (یک زوجگی کے) پردے میں عورتوں کے ساتھ کیسے کیسے مخرب اخلاق کام کیے جاتے ہیں اور ان کو ان کے محافظ ہی گلیوں میں پھینک دیتے ہیں اور کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے ❷۔''

(۶) وہ مزید لکھتا ہے:

''میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اسلام میں عورت عیسائیت سے زیادہ آزاد ہے۔ اسلام میں عورت اس مذہب سے زیادہ آزاد ہے جو یک زوجگی کی تبلیغ کرتا ہے۔ قرآن میں عورتوں کے لیے زیادہ منصفانہ اور آزادی فراہم کرنے والا قانون ہے۔ عیسائی انگلینڈ میں عورتوں کے لیے جائیداد رکھنے کے حقوق صرف پچھلے ۲۰ سال میں ہی تسلیم کیے گئے ہیں۔ جب کہ اسلام ان کو یہ حقوق شروع سے ہی دیتا ہے۔ یہ کہنا تہمت لگانا ہے کہ اسلام اس کی تبلیغ کرتا ہے کہ عورتوں کے اندر کوئی روح نہیں ہوتی ❸۔''

---

❶ "The Case of Polygamy", London, 1934, P.30

❷ "The Life and Teachings of Mohammad" Madras, June, 1932, P.3

❸ Ibid, PP. 25-26

Marfat.com

نوٹ: مندرجہ ذیل حوالے نمبر ۱ تا ۶ ڈاکٹر نظام اجمیر محمد کی انگریزی کتاب "The Prophet Muhammad" سے لیے گئے ہیں۔

(Published by Anjuman Sunnatul Jamaat Ass.` Trinidad, West Indies).

اپنی کتاب "The Future of Marriage in Western Civilization" میں ویسٹرک مارک (Westermarck) نے اس موضوع پر کئی مصنفین کے خیالات درج کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

''ڈاکٹر کوپ (Dr. Cope) کو اختیاری تعدد ازواج یا اختیاری تعدد شوہر میں کوئی اعتراض معلوم نہیں ہوتا اگر اس کو تمام پارٹیوں کی رضامندی سے اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ عام حالات میں چند ہی لوگ اس کے لیے راضی ہوں گے۔ کچھ معاملات میں مشکلات پیش آ سکتی ہیں اور اس اجازت سے ان مشکلات کا حل ہو سکتا ہے۔''

''مسٹر ساؤتھرن (Mr. Southern) کہتا ہے، زیادہ تر آدمی یک زوجگی کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اسٹیٹ اس کا نفاذ کرے۔ جہاں تک شادیوں کے دوسرے طریقوں کا تعلق ہے اگر وہ آپس کی رضامندی سے ہو تو اسٹیٹ کو ان کو نامنظور کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔''

''ڈاکٹر نارمن ہائر (Dr. Norman Haire) کے مطابق اگر تعدد ازواج کو قانونی شکل دے دی جائے تو زیادہ تر لوگوں کے لیے اس کے بہت سے فوائد ظاہر ہوں گے۔ وہ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اگر اسٹیٹ بچوں کی کفالت کرے تو پھر قانونی بیویوں کی تعداد پر کوئی حد نہ مقرر کی جائے۔''

''پروفیسر ڈنلپ (Professor Dunlop) کے خیال میں کچھ افراد ایسے ہیں جن کو یک زوجگی میں پوری تسکین حاصل نہیں ہوتی، ایسے لوگ تعدد ازواج سے پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے خیال میں مستقبل میں آدمی کو اس بات کی آزادی دے دی جائے گی کہ وہ یک زوجگی یا تعداد ازواج میں سے اس چیز کو پسند کرے جس میں اس کا زیادہ فائدہ ہو۔''

Marfat.com

''فرانس میں ڈاکٹر لی بون (Dr. Le Bon) نے پیشین گوئی کی ہے کہ مستقبل میں یورپی قانون تعدد ازواج کو تسلیم کر لے گا۔''

''(ویسٹر مارک مزید لکھتا ہے:) دو جنسوں کے درمیان فطری تعلقات یعنی تعدد ازواج سے بہت سی برائیاں دور ہو سکتی ہیں۔ مثلاً قحبہ پن یا عصمت فروشی، امراض خبیثہ، اسقاط حمل، ناجائز بچوں کی حالت زار، لاکھوں غیر شادی شدہ عورتوں کی بدقسمتی، زنا کاری اور یہاں تک کہ حسد وبغض بھی۔ کیوں کہ ایک ایسی بیوی کو جس کو قانونی طور سے (بحیثیت بیوی) نظر انداز کر دیا گیا ہو قانونی تحفظ میں سکون ملے گا اور اس کو خفیہ طور پر شوہر کے فریب کا خوف نہیں رہے گا[1]۔''

---

[1] "Women In Islam" by Mazharuddin Siddiqi, P.134, 135.

Marfat.com

اولاد

صاحب زادے:

رسول اللہ ﷺ کے تین صاحب زادے ہوئے۔ دو آپ ﷺ کی پہلی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئے اور ایک آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) قاسم ❶: آپ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ آپ ہی کے نام پر رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ قاسم کی پیدائش آپ ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے ہوئی تھی۔ جب یہ دو سال کے تھے تو ان کا انتقال ہو گیا۔

(۲) عبداللہ ❷: یہ آپ ﷺ کے دوسرے صاحب زادے تھے اور یہ نبوت ملنے کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس لیے ان کا نام ''طیب'' اور ''طاہر'' ❸ بھی تھا۔ ان کا انتقال بھی بچپن میں ہی ہو گیا۔ ان کے انتقال پر عاص ابن وائل (مکہ میں کفار کا ایک سردار) نے کہا کہ اب محمد (ﷺ) کی نسل منقطع ہو گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل کی ❹۔ جس کی آخری آیت میں عاص ابن وائل کا جواب اس طرح دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ (الکوثر ۹۸:۳)

''بے شک آپ ﷺ کا دشمن ہی بے نسل ہے۔''

(۳) ابراہیم ❺: آپ رسول اللہ ﷺ کے تیسرے صاحب زادے تھے اور 8ھ میں

---

❶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۷۔

❷ ایضاً۔

❸ ایضاً۔

❹ ایضاً۔

❺ ایضاً۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد تھے، ان کی پیدائش کے ساتویں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کیا۔ دو بکرے ذبح کرائے گئے اور بچے کا سر منڈوا کر اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی۔ بالوں کو دفن کرا دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ۱۸۔ ماہ کی عمر میں دس ربیع الاول ۱۰ھ کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جنت کی ایک نرس ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پرورش کے لیے مقرر کی ہے۔"

صاحب زادیاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحب زادیاں تھیں جو سب کی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی تھیں۔

(۱) حضرت زینب رضی اللہ عنہا ❶: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں❷۔ آپ کی پیدائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے پانچویں سال میں ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص ابن الربیع سے ہوا تھا۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ ہجرت کر کے جا رہی تھیں تو کفار نے انھیں زخمی کر دیا اور زخم کی وجہ سے وہ کافی عرصہ بیمار رہیں اور بالآخر ۸ھ میں انتقال کر گئیں❸۔

(۲) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ❹: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے تین سال بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۳ سال کی تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابولہب کے لڑکے عتبہ سے ہوئی❺ مگر عتبہ نے اپنے

---

❷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۰ تا ۳۶۔

❸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۰۔

❹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۴۔

❺ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۶، ص ۳۷۔

Marfat.com

باپ کے کہنے پر طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اور وہ ان کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں ①۔ غزوۂ بدر کے موقع پر وہ بیمار تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی اس غزوے سے واپسی سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے ②۔

(۳) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ③: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحب زادی تھیں۔ ان کی شادی بھی پہلے ایک کافر سے ہوئی تھی یعنی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ ④ سے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو اپنے بھائی عتبہ کی طرح عتیبہ نے بھی اپنے باپ ابولہب کے کہنے پر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بھی دوسری شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی ہوئی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال شعبان ۹ھ میں ہوگیا ⑤۔

(۴) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ⑥: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی عورتوں کا سردار بتایا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش نبوت کے پہلے سال میں ہوئی تھی۔ ۲ھ میں ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کے دو لڑکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں سے ہی جاری رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا ⑦۔

---

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۶۔

② ابن سعد، ج ۸، ص ۳۷۔

③ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۷ تا ۳۹۔

④ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۷۔

⑤ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۸۔

⑦ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۹ تا ۳۰۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیش آنے والے اہم واقعات کی تاریخیں

نوٹ:

① اسلام کیلنڈر (تقویم) کی تاریخوں کو عیسوی کیلنڈر (تقویم) کی تاریخوں کے مطابق کرنے میں کافی اختلافات ہیں۔ ہم نے مندرجہ ذیل تاریخیں اس بنیاد پر نکالی ہیں کہ ہجرت سال کی پہلی تاریخ یعنی یکم محرم ۱ھ ۱۶ر جولائی ۶۲۲ھ کو تھی۔ یہ مندرجہ ذیل تقویمات کے مطابق ہے:

(الف) "Comparative Tables of Hijri And Christian Dates" (ہجری اور عیسوی تاریخوں کی تقابلی جدول، مرتبہ اے۔ ایم خالدی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ۱۹۳۹ء ﴿۹﴾

(ب) مفتاح التقویم، مرتبہ حبیب الرحمٰن خاں صابری، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء۔ ان دونوں جدولوں کی بنیاد مندرجہ ذیل کام پر ہے:

"Wustenfeld - Mahler`sche vergleichungs Tabellender Mohammedanischen And Christlichen Zeitrechung By Eduard Mahler" (Leipzig, 1926)

مفتاح التقویم کے مرتب نے اس سلسلے کے مندرجہ ذیل مشہور کام سے بھی استفادہ کیا ہے۔

"A Table of Christian and Mohammedan

Marfat.com

eras, from the beginning of the Hijra A.D. 63? to A.D. 1900.Extracted from Canons calculated by the order of the celebrated eastern astronomer, Sultan Ulug beg, grandson of Tamerlane from the edition of the Learned Gravius; re-produced in W. Davy's English persian and Arabic Dictionary, printed in Gloucester (England), 8th March, 1780."

۴) اسلامی یعنی ہجری تاریخوں کے اختلافات اس کتاب کے متعلقہ موضوعات کے تحت تحریر کر دیے گئے ہیں۔

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینہ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینہ متعلقہ تاریخیں
۱	رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت		۵۷۰ء (غالباً مارچ یا اپریل کے مہینے میں)
۲	حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات		۵۷۶ء
۳	حضرت عبدالمطلب کی وفات		۵۷۸ء
۴	شام کا سفر		۵۸۲ء
۵	جنگ فجار		۵۸۵ء
۶	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی		۵۹۵ء
۷	پہلی وحی		۶۱۰ء (غالباً اگست کے مہینے میں)
۸	حبشہ کو (مسلمانوں کی) ہجرت		۶۱۵ء
۹	حضرت ابوطالب کی وفات		۶۲۰ء
۱۰	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات		۶۲۰ء
۱۱	حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی		۶۲۰ء

Marfat.com

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں
۱۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح		۶۲۰ء
۱۳	معراج		۶۲۱ء
۱۴	بیعت عقبۂ اولیٰ		۶۲۱ء
۱۵	مدینہ منورہ ہجرت (یعنی وہ تاریخ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے)	۱۲ ربیع الاول ۱ھ	۲۴/اکتوبر ۶۲۲ء
۱۶	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی	شوال ۱ھ	اپریل ۶۲۳ء
۱۷	غزوۂ ودان یا ابواء	صفر ۲ھ	اگست ۶۲۳ء
۱۸	سریۂ عبیدہ بن حارث	ربیع الاول ۲ھ	ستمبر ۶۲۳ء
۱۹	غزوۂ بواط	ربیع الاول/ربیع الآخر ۲ھ	ستمبر/اکتوبر ۶۲۳ء
۲۰	غزوۂ العشیرہ	جمادی الاولیٰ ۲ھ	نومبر ۶۲۳ء
۲۱	غزوۂ صفوان	جمادی الاولیٰ ۲ھ	نومبر ۶۲۳ء
۲۲	سریہ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص	جمادی الاولیٰ ۲ھ	نومبر ۶۲۳ء
۲۳	سریۂ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش	رجب ۲ھ	دسمبر ۶۲۳ء/جنوری ۶۲۴ء
۲۴	تحویل قبلہ	رجب ۲ھ	جنوری ۶۲۴ء
۲۵	غزوۂ بدر	۱۷/رمضان ۲ھ	۱۳/مارچ ۶۲۴ء
۲۶	غزوۂ بنوسلیم	رمضان/شوال ۲ھ	مارچ/اپریل ۶۲۴ء
۲۷	ابوعفک اور اسماء کا قتل	شوال ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء
۲۸	غزوۂ بنوقینقاع	شوال ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء
۲۹	غزوۂ سویق	ذی الحجہ ۲ھ	مئی/جون ۶۲۴ء
۳۰	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی	ذی الحجہ ۲ھ	جون ۶۲۴ء
۳۱	کعب بن اشرف کا قتل	۱۴/ربیع الاول ۳ھ	۴/ستمبر ۶۲۴ء
۳۲	غزوۂ ذی الامر	ربیع الاول ۳ھ	ستمبر ۶۲۴ء
۳۳	غزوۂ بحران	جمادی الاولیٰ ۳ھ	اکتوبر/نومبر ۶۲۴ء

Marfat.com

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینہ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینہ متعلقہ تاریخیں
۳۴	سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب قردہ	جمادی الآخر ۳ھ	نومبر ۶۲۴ء
۳۵	حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی	رمضان ۳ھ	فروری ۶۲۵ء
۳۶	غزوۂ احد	۱۵/شوال ۳ھ (۱)	شنبہ، ۳۰/مارچ ۶۲۵ء
۳۷	حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی	ذی قعدہ ۳ھ	اپریل ۶۲۵ء
۳۸	سریہ ابوسلمہ	محرم ۴ھ	جون ۶۲۵ء
۳۹	سریہ ابن اُنیس	۵/محرم ۴ھ	۱۷/جون ۶۲۵ء
۴۰	واقعہ بئر معونہ	صفر ۴ھ	جولائی ۶۲۵ء
۴۱	واقعہ رجیع	صفر ۴ھ	جولائی ۶۲۵ء
۴۲	غزوۂ بنونضیر	ربیع الاول ۴ھ	اگست ۶۲۵ء
۴۳	غزوۂ بدر ثانی	رجب ۴ھ	دسمبر ۶۲۵ء
۴۴	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال ۴ھ	مارچ 6۲۶ء
۴۵	غزوۂ ذات الرقاع	محرم ۵ھ	جون ۶۲۶ء
۴۶	غزوۂ دومۃ الجندل	ربیع الاول ۵ھ	اگست ۶۲۶ء
۴۷	غزوۂ بنو مصطلق	شعبان ۵ھ	دسمبر ۶۲۶ء جنوری ۶۲۷ء
۴۸	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شعبان ۵ھ	جنوری ۶۲۷ء
۴۹	غزوۂ خندق	شوال/ذیقعدہ ۵ھ	فروری/مارچ ۶۲۷ء
۵۰	غزوۂ بنوقریظہ	ذی الحجہ ۵ھ	مارچ/اپریل ۶۲۷ء
۵۱	حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے شادی	ذیقعدہ ۵ھ	اپریل ۶۲۷ء
۵۲	سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بجانب قرطاء	محرم ۶ھ	مئی/جون ۶۲۷ء
۵۳	غزوۂ بنولحیان	ربیع الاول ۶ھ	جولائی/اگست ۶۲۷ء
۵۴	غزوۂ الغابہ	ربیع الاول ۶ھ	اگست ۶۲۷ء

(۱) اگر ہم اس سے پہلے کا مہینہ یعنی رمضان ۳ھ ۲۹ دن کا مانیں تو ۱۵/شوال ۳ھ کا دن شنبہ (ہفتہ) مطابق ۳۰/مارچ ۶۲۵ء کو پڑتا ہے۔

Marfat.com

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں
۵۵	سریۂ عکاشہ رضی اللہ عنہ بجانب الغمر	ربیع الاول ۶ھ	اگست ۶۲۷ء
۵۶	سریۂ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بجانب ذی القصہ	ربیع الآخر ۶ھ	اگست رستمبر ۶۲۷ء
۵۷	سریۂ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح بجانب ذی القصہ	ربیع الآخر ۶ھ	اگست رستمبر ۶۲۷ء
۵۸	سریۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب سلیم	ربیع الآخر ۶ھ	اگست رستمبر ۶۲۷ء
۵۹	سریۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب العیس	جمادی الاولیٰ ۶ھ	ستمبر را کتوبر ۶۲۷ء
۶۰	سریۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب خمسہ	جمادی الاخیرہ ۶ھ	اکتوبر رنومبر ۶۲۷ء
۶۱	سریۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب وادی القریٰ	رجب ۶ھ	نومبر ۶۲۷ء
۶۲	سریۂ دومۃ الجندل	شعبان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء رجنوری ۶۲۸ء
۶۳	سریۂ علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بجانب فدک	شعبان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء رجنوری ۶۲۸ء
۶۴	قافلۂ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بجانب شام	رمضان ۶ھ	جنوری رفروری ۶۲۸ء
۶۵	سریہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ	رمضان ۶ھ	جنوری رفروری ۶۲۸ء
۶۶	سریۂ کرز رضی اللہ عنہ بن جابر بجانب عیینہ	شوال ۶ھ	فروری ۶۲۸ھ
۶۷	سریۂ عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ الضمری	شوال ۶ھ	فروری ۶۲۸ھ
۶۸	صلح حدیبیہ	ذیقعدہ ۶ھ	مارچ ۶۲۸ھ
۶۹	شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام	ذی الحجہ ۶ھ	اپریل رمئی ۶۲۸ھ
۷۰	غزوۂ خیبر	محرم رصفر ۷ھ	مئی رجون ۶۲۸ھ
۷۱	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی	صفر ۷ھ	جون ۶۲۸ھ
۷۲	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے رخصتی	صفر ۷ھ	جون ۶۲۸ھ

Marfat.com

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں
۷۳	سریہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب	شعبان ۷ھ	دسمبر ۶۲۸ھ
۷۴	سریہ ابوبکر رضی اللہ عنہ	شعبان ۷ھ	دسمبر ۶۲۸ھ
۷۵	سریہ بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد الانصاری	شعبان ۷ھ	دسمبر ۶۲۸ھ
۷۶	سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اللیثی	رمضان ۷ھ	جنوری ۶۲۹ھ
۷۷	سریہ بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد الانصاری	شوال ۷ھ	فروری ۶۲۹ھ
۷۸	عمرۃ القضاء	ذیعقدہ ۷ھ	مارچ ۶۲۹ھ
۷۹	حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی	ذیعقدہ ۷ھ	مارچ ۶۲۹ھ
۸۰	سریہ ابن ابی عوجاء رضی اللہ عنہ	ذی الحجہ ۷ھ	اپریل ۶۲۹ھ
۸۱	خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کا اسلام	صفر ۸ھ	جون ۶۲۹ھ
۸۲	سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بجانب بنو الملوح	صفر ۸ھ	جون ۶۲۹ھ
۸۳	سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بجانب مصاب	ربیع الاول ۸ھ	جولائی ۶۲۹ھ
۸۴	سریہ شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب	ربیع الاول ۸ھ	جولائی ۶۲۹ھ
۸۵	سریہ ذات الطلح	ربیع الاول ۸ھ	جولائی ۶۲۹ھ
۸۶	سریہ موتہ (معروف بہ غزوۂ موتہ)	جمادی الاولیٰ ۸ھ	اگست/ستمبر ۶۲۹ھ
۸۷	سریہ ذات السلاسل	جمادی الاخیرہ ۸ھ	ستمبر/اکتوبر ۶۲۹ء
۸۸	فتح مکہ	رمضان ۸ھ	دسمبر ۶۲۹ء/جنوری ۶۳۰ء
۸۹	غزوۂ حنین	شوال ۸ھ	جنوری/فروری ۶۳۰ء
۹۰	غزوۂ طائف	شوال/ذیعقدہ ۸ھ	فروری/مارچ ۶۳۰ء

Marfat.com

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینہً متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینہً متعلقہ تاریخیں
۹۱	پیدائش حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ	ذی الحجہ ۸ھ	مارچ ۶۳۰ء
۹۲	غزوۂ تبوک	رجب ۹ھ	اکتوبر تا دسمبر ۶۳۰ء
۹۳	حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات	غالباً شوال ۹ھ	جنوری ۶۳۱ء
۹۴	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج	ذی الحجہ ۹ھ	مارچ ۶۳۱ء
۹۵	سریۂ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید	ربیع الاول ۱۰ھ	جون ۶۳۱ء
۹۶	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یمن روانگی	رمضان ۱۰ھ	دسمبر ۶۳۱ء
۹۷	حجۃ الوداع	ذی الحجہ ۱۰ھ	فروری/مارچ ۶۳۲ء
۹۸	وفات النبی ﷺ	دوشنبہ ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ	۸/جون ۶۳۲ء (۱)

(۱) اے۔ایم خالد کی ہجری اور عیسوی تاریخوں کی تقابلی جدول، اور حبیب الرحمان خاں صابری کی مفتاح التقویم (جن کے حوالے اوپر درج کیے جا چکے ہیں) کے مطابق ۱۳/ربیع الاول ۱۱ھ اتوار (یکشنبہ) بتاریخ ۷/جون ۶۳۲ء کو اس صورت میں پڑتا ہے اگر اس سے گذشتہ مہینہ یعنی ماہ صفر ۱۱ھ ۲۹ دن کا مانا جائے، لیکن اگر ہم ماہ صفر ۱۱ھ کو تیس دن کا مانیں تو پھر ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ پیر (دوشنبہ) کے روز مطابق ۸/جون ۶۳۲ء کو پڑے گا۔ کچھ مغربی مصنفین مثلاً ڈبلیو۔ ایم۔ واٹ کے مطابق بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات دوشنبہ (پیر) کے دن ۱۲/ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

Marfat.com

مراجع ومصادر

عربی

- ابوبکر بن اسحق، السیرة النبویة
- ابوالحسن علی الحسنی الندوی، النبی الخاتمؐ، لکھنؤ (انڈیا)، ۱۳۹٤ھ/۱۹۷٤ء۔
- ابوالحسن علی بن حسین السعودی، مروج الذهب والمعادن الجوهر فی التاریخ، ٤ جلدیں، مصر، ۱۳٤۵ھ۔
- ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن۔
- ابن سید الناس، نور العیون فی تلخیص سیرة الامین المامون، مخطوطہ، آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (نمبر ۱۳۱/۹۹ حبیب گنج کلیکشن۔)
- احمد بن حنبل، المسند ۸. جلدیں۔
- احمد بن علی بن شعیب نسائی، السنن۔
- احمد بن محمد بن عبدربه، العقد الفرید، قاهره، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء۔
- احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الاصابه فی تمییز الصحابهؓ، ٤ جلدیں۔
- جمال الدین محمد بن مکرم بن مَنظور، لسان العرب، ۲۰ جلدیں، قاهره، ۱۳۰۸ء۔
- شرح العقیدة الطحاویة لجماعة من العلماء، بیروت، ۱۳۹۱ھ۔
- شمس الدین محمد بن عبدالمالک بن قیمؒ الجوزی، زاد المعاد، ۲ جلدیں، مصر۔

Marfat.com

- شهاب الدین فضل الله بن حسین طربشتی الحنفی، مشکوٰة المصابیح (شرح مصابیح السنن لابی محمد الحسین بن مسعود البغوی)
- شهاب الدین بن عبدالله البغدادی، معجم البلدان، ٥ جلدیں، بیروت، ١٣٥٦ھ/١٩١٤ء۔
- عبدالرحمن بن خلدون، التاریخ، ٤ جلدیں، بیروت، ١٩٦٦ء۔
- عبدالرحمن بن عبدالله السهیلی، الروض الانف، ٨جلدیں، مصر، ١٣٣٣ھ/ ١٩١٤ء۔
- عبدالله بن شیخ محمد بن عبدالوهاب، سیرة الرسول، قاهره، ١٣٧٩ء۔
- عبدالملک بن هشام، السیرة النبویة، ٤ جلدیں (٢حصوں میں) قاهره ١٣٧٥ھ/١٩٥٥ء۔
- عزالدین ابوالحسن علی ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ١٢جلدیں، بیروت، ١٣٨٥ھ/١٩٥٦ء۔
- علی بن احمد بن حزم، السیرة النبویة، مخطوطه، آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (٩/٧٤عربی، حبیب گنج کلیکشن)۔
- علی بن بشان الدین الحلبی، من انسان العیون فی سیرة الامین المامون المعروف بسیرة الحلبیه، ٣جلدیں، مصر، ١٣٢٩ھ۔
- علی بن حسن بن عساکر، التاریخ الکبیر۔
- عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایة والنهایة، ٨جلدیں، مصر ١٣٥١ھ/١٩٣٢ء۔
- فیض الحسنی، فتح الرحمن لطالب آیات القرآن، مکه (المکرمه)، ١٩٧٣ء۔
- محب الدین ابی جعفر احمد بن عبدالله الطبری، خلاصة السیر فی احوال سید البشر، مخطوطه، آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، (نمبر ٤/٢٥٦، عربی، حبیب گنج کِلیکشن)
- محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح۔
- محمد بن جریر ابو جعفر الطبری، تاریخ الرسل والملوک،

Marfat.com

۱۰ جلدیں، مصر ۱۹۶۱ء۔

- محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸ جلدیں، بیروت، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء۔
- محمد بن عبدالباقی الزرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ۸ جلدیں، مصر ۱۳۲۷ھ۔

نوٹ: یہ ایڈیشن اس کتاب کے شروع کے تین ابواب میں استعمال کیا گیا ہے۔ باقی ابواب کے لیے مصر کا ایڈیشن مطبوعہ ۱۳۲۵ھ استعمال کیا گیا ہے جس کے حاشیہ پر "زادالمعاد" چھپی ہوئی ہے۔ باب نمبر ۴ تا آخری باب یہی ایڈیشن استعمال کیا گیا ہے۔)

- محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجامع الصحیح۔
- محمد بن یزید ابن ماجہ، السنن۔
- محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمدؐ، قاہرہ، ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء۔
- محمد الخدری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، قاہرہ، ۱۳۲۸ء۔
- محمد زکریا الکاندھلوی، حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ، لکھنؤ (انڈیا)۔ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۱ء۔
- محمد یوسف الکاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ۳ جلدیں، حیدر آباد (انڈیا)۔
- مسلم بن الحجاج ابوالحسن القشیری النیشابوری، الصحیح المنجد، ۲۲واں ایڈیشن، بیروت۔
- نورالدین علی بن جمال الدین الشافعی، وفاء الوفاء، ۴ جلدیں، مصر، ۱۳۲۶ھ۔
- یحیی بن زکریا محی الدین بن شرف الدین النووی، ریاض الصالحین قاہرہ، ۱۳۷۷ھ۔
- یوسف بن عبدالبر النمری القرطبی، الدرر فی اختصار المغازی والسیر، قاہرہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔
- یوسف بن عبدالبر النمری القرطبی، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۲ جلدیں، حیدر آباد (انڈیا)، ۱۳۱۸ھ۔

Marfat.com

''اردو''

ابوبرکات عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر، کراچی ۱۹۵۷ء۔
(سید) ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، لاہور، (پاکستان)، ۱۹۶۷ء۔
ایضاً پردہ، لاہور (پاکستان)، ۱۹۶۸ء۔
ایضاً خلافت وملوکیت، دہلی، ۱۹۶۹ء۔
ایضاً تفہیم القرآن، دہلی۔
(سید) ابوالحسن علی حسنی ندوی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین، لکھنوء۔ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء۔
(سید) احمد رضا بجنوری، مقدمہ انوار الباری شرح بخاری، بجنور (انڈیا)، ۱۹۷۳ء۔
اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ۳ جلدیں، کراچی، ۱۹۷۰ء۔
(قاضی) زین العابدین، نبی عربیؐ، دہلی، ۱۳۵۸ھ۔
(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبویؐ کے سرایا وغزوات، ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء۔
نوٹ: (الف) یہ مضمون برہان کے مندرجہ ذیل شماروں میں چھپا ہے۔

(۱) جلد ۷۲، شمارہ ۶ (جون ۷۴ء)	(۲) جلد ۷۳، شمارہ ۱ (جولائی ۷۴ء)
(۳) جلد ۷۳، شمارہ ۲ (اگست ۷۴ء)	(۴) جلد ۷۳، شمارہ ۴ (اکتوبر ۷۴ء)
(۵) جلد ۷۳، شمارہ ۵ (نومبر ۷۴ء)	(۶) جلد ۷۴، شمارہ ۲ (فروری ۷۵ء)
(۷) جلد ۷۴، شمارہ ۳ (مارچ ۷۵ء)	(۸) جلد ۷۴، شمارہ ۴ (اپریل ۷۵ء)
(۹) جلد ۷۴، شمارہ ۵ (مئی ۷۵ء)	(۱۰) جلد ۷۴، شمارہ ۶ (جون ۷۵ء)
(۱۱) جلد ۷۵، شمارہ ۱ (جولائی ۷۵ء)	(۱۲) جلد ۷۵، شمارہ ۲ (اکتوبر ۷۵ء)

Marfat.com

(۱۳) جلد ۵۷، شمارہ ۳ (ستمبر ۷۵ء) (۱۴) جلد ۵۷، شمارہ ۴ (اکتوبر ۷۵ء)

(۱۵) جلد ۵۷، شمارہ ۶ (دسمبر ۷۵ء) (۱۶) جلد ۶۷، شمارہ ۱ (جنوری ۷۶ء)

نوٹ: (ب) جب یہ کتاب انگریزی میں لکھی جارہی تھی تو اس وقت تک مولانا مرحوم کا مندرجہ بالا مضمون پورا نہیں ہوا تھا۔

(سید) سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، ج ۴، ۴، ۵، اور ۶، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، (انڈیا)، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۵ء۔

ایضاً تاریخ ارض القرآن، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵ء

ایضاً خطبات مدراس، اعظم گڑھ، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

(قاضی) سلیمان سلمان، رحمۃ للعٰلمینؐ، ۳ جلدیں، لاہور ۱۹۵۳ء (اس کے پہلے ایڈیشن سے بھی استفادہ کیا ہے جو پٹیالہ میں ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا۔)

(سر) سید احمد خاں، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ محمدؐ، کراچی ۱۹۶۴ء (یہ کتاب سب سے پہلے علی گڑھ میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں چھپی تھی۔)

شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء۔

(علامہ) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱ و ۲، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۳۷۵ھ۔

(مولانا) عاشق الٰہی میرٹھی، تاریخ اسلام، دیوبند (انڈیا)، ۱۳۳۰ھ۔

(مولوی) عبدالعلیم احراری (پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرت نبوی اور مستشرقین، مطبع معارف، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۹۳۰ء۔

(مولانا) عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، ۴ جلدیں، دیوبند (انڈیا)۔

(مولانا) محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، لاہور، ۱۳۸۱ھ۔

(ڈاکٹر) محمد آصف قدوائی، مقالات سیرت، لکھنؤ، ۱۹۶۷ء۔

(مولانا) محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ۴ جلدیں، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء۔

محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ (مترجمہ اردو از ابو یحییٰ امام خاں)، لاہور، ۱۹۵۵ء۔

(سید) محمد رابع ندوی، جغرافیۃ العرب، ج ۱، لکھنؤ، ۱۹۶۲ء۔

(مولانا) محمد زکریا کاندھلوی، حکایات صحابہؓ، دہلی۔

Marfat.com

ENGLISH

Abdul Fazal, Mirza, **Apology For Mohammad by Mr. Goodfrey Higgin,** Allahabad Reform Society, Daryabad (India), 1929.

Abdul Wahab, S., **The Shadowless Prophet,** Sh. Muhammad Ashraf, Lahore. 1972

Ali, 'Abdullah Yusuf, **The Meaning and the Commentry of Holy Quran,** U.S.A. 1946

Ali, K. **A Study of Islamic History,** Dacca, 1968.

Ali, Muhammad, **The Prophet Muhammad,** Cassell & Co., Ltd., London, 1947.

Ali, S. Ameer, **The Spirit of Islam,** Methuen & Co. Ltd., London, 1965.

Andrae, Tor, **Muhammad, Sein Leben and Sein Glaubi** (Vandenhoeck and Ruper-Cht, Geettingen 1932) English Translation, **Mohammad, The Man and his Faith,** by Theophil Menzel, Harper and Brothers, New York, 1960.

Arnold, T.W., **The Preaching of Islam,** Archibld Canstable & Co., Westminister (U.K.), 1986, Reprinted by Sh.

Marfat.com

Muhammad Ashraf.

Barrow, R.H., **The Romans,** Cassell. London, 1961.

(The Holy) **Bible,** London Catholic Truth Society, London, 1996.

Bint al-Shati (Dr.), **The Wives of the Prophet,** English Translation by Matti Moosa & Dr. Nicholas Ranson, Sh. Muhammad Ashrafi, Lahore (Pakistan), 1971

The Cambridge Ancient History, Cambridge University Press, London, 1960.

The Cambridge Medieval History, Cambridge University Press, London, 957.

De Burgh, W.G., **The Legacy of the Ancient world,** Barnas & noble Inc., London, 1960.

Dewdney, John C., **Turkey,** Chatto & windus, London, 1971.

Encyclopedia Americana, New York, 1964.

Encyclopedia Britanica, U.S.A., 1966

Encyclopedia International, New York, 1968.

Encyclopedia of Sexual Behaviour, Edited by A. Ellis & A. Arbarbanel, Vol. I & II, London, 1961.

Fast, Howard, **The Jews,** Cassell, London, 1970.

Guillaume, Alfred, **New Light On the Life of Muhammad, Journal of Semitic Studies,** Monograph No. 1, Manchester University Press, Great Britian.

Gabrieli, Francesco, **Muhammad and The Conquest of**

Marfat.com

Islam, translated by V. Luling and R.Linell, World University Library, London, 1968.

Hamidullah, Muhammad, **The Battlefields of the Prophet Muhammad,** Hyderabad-Deccan (India), 1392 A.H./1973.

______________, **Introduction to Islam,** I.I.F.S.O., Beirut, 1070.

______________, **Muslim Conduct of State,** Sh. Mohammad Ashraf, Lahore 1961.

______________, **Muhammad Rasulullah,** Hyderabad Deccan (India), 1394 A.H./1974.

______________, The First Written Constitution of the World, **The Journal of Muslim World League,** Makkah, Vol. I, No. 4, Dhul-Hijjah, 1393 A.H./January 1974.

Henriques, A. Fernando, **Modern Sexuality:** Vloume III of Prostitution And Society, Macgibbon & Kee, London, 1963.

Hitti, Philip K., **The Near East in History** (A 5000 Year Story), D.Van Nostrand Co. Inc., New York, 1961.

______________, **History of the Arabs,** Mecmillan & Co. Ltd., London, 1958.

______________, **Syria, A Short History,** Macmillan & Co. Ltd., London, 1959.

Marfat.com

Husain S. Athar, Prophet Muhammad And his Mission, Asia Publishing House, Bombay (India), 1967.

Ibn Is'haq, **Sirat Rasulullah,** English Translation, **The Life of Muhammad** by A. Guillaume, Oxford University Press, London, 1955.

Irving Washington, **Life of Muhammad,** J. M. Dent & Sons Ltd., New York, 1920.

Karim, Fazlul, **Al-Hadis,** English Translation of **Mishkat al-Masabih,** Vols. I to IV, Calcutta (India), 1939.

_______________, **The Ideal World Prophet,** Daca (E.Pakistan), 1955

Khan, Dr. Majid Ali, **The last Prophet,** ASJA Inc., Trinidad (West Indies), 1973.

_______________, Isma'il, **The Sacrifice of Prophet Ibrahim, The Journal of Muslim World League (Rabetat Al-Alam Àl-Islami),** Makkah, Vol. 2, No. 2, Dhul-Hijjah, 1934/December 1947.

Maududi S. Abul A'la, **The Meaning of the Quran,** English Translation of **Tafhim-ul-Quran,** Board of Islamic Publications, Dehli, 1973.

Mujahir, Ali Musa Raza, **Muhammad As Depicted in The Quran,** J.M. Printing Press, Hyderabad (India), 1970.

Muir, William, **The life of Muhammad,** Vol. 1 to IV, Smith Elder & Co., London, 1861.

Marfat.com

Nadwi, Abul Hasan Ali Al-Hasani, **Islam And The World,** Eng. Trans. Of: **Insani Dunia Par Muisalmano Ke "Uruj wa Zawal Ka Athar,** by Dr. M. A. Asif Kidwai Academy of Islamic Research And Publication, Lucknow (India), 1973.

______________, **The Benefactor of Mankind,** English Trans. Of **Muhsin-e-Alam,** by S. A. Athar Husain, Islamic Research And Publications, Lucknow (India), 1974.

______________, **Qadianism, A Critical Study,** English Tr. Of Qadiaṅiyat by Z.I. Ansari, Academy of Islamic Research And Publications, Lucknow (India), 1974.

Nadwi S.Sulaiman, **The Living Prophet** (English Tr. Of **Khutbat-e-Madras** by Saeed-ul-Haq), Pak Academy, Karachi (Pakistan), 1968.

______________, **The Blessed Prophet** (English Tr. Of **Rahmat-e-Alam** by M. S. Siddiqi, Lucknow (No Date).

Nadwi S. Muzaffar-ud-Din, **An Easy History of The Prophet of Islam,** Sh. Muhammad Ashraf, Lahore (Pakistan), 1968.

The New English Bible, Oxford University Press/Cambridge University Press, Great Britian, 1970.

Nu'mani Allamah Shibli, **Siratun Nabi,** English Tr. By

Marfat.com

Fazalur Rahman, Pakistan Historical Society, Karachi, 1970.

Pareti, Luigi, **History of Mankind (Cultural and Scientific Development)**, International Commission For a History of Scientific And Cultural Development of Mankind, (UNESCO), George Allen And Unwin Ltd, London, 1965.

Pickhthall, Muhammad Marmaduke, **The Meaning of the Holy Quran,** Taj Co., Karachi, Pakistan (No Date).

Robson, James, English Tr. Of "**Mishkat-ul-Masabih,** 4 Vols., Sh. Muhammad Ashraf, Lahore (Pakistan), 1972.

Salmin, Al-Haj Muhammad Ali, **The Holy Prophet Mohammad,** Bombay, 1939.

Sarwar, Hafiz Ghulam, **Muhammad, The Holy Prophet,** Sh. Muhammad Ashraf, Lahore (Pakistan), 1969.

Siddiqi, Dr. Amir Hasan, **Studies In Islamic History,** The Jamiyat-ul-Falah, Karachi (Pakistan), 1967.

Siddiqi, Muhammad Mazharuddin, **Women In Islam**

Talbot, Rice David, **The Byzantines,** Frederick A. Praeger Inc., new York, 1962.

Thames, Thomas Patrick, **Dictionary Of Islam,** W. H. Allen & Co., London, 1985.

Toynbee, Arnold J., **A Study of History,** Macmillan & Co., Ltd., London, 1959.

Marfat.com

Watt, W. Montgomery, **Muhammad, Prophet And Statesman**, Oxford University Press, London, 1961.

______________, **Muhammad At Mecca**, Oxford University Press, London, 1953.

______________, **Muhammad At Medina**, Oxford University Press, London, 1956.

Well, **Life of Mahommed.**

Yusuf, Dr. S. M., Polygamy, **Yaqeen International**, Karachi, Vol. 1 XVI, No. 13, Nov. 7, 1967.

Marfat.com

رابطہ عالم اسلامی ایوارڈ یافتہ

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

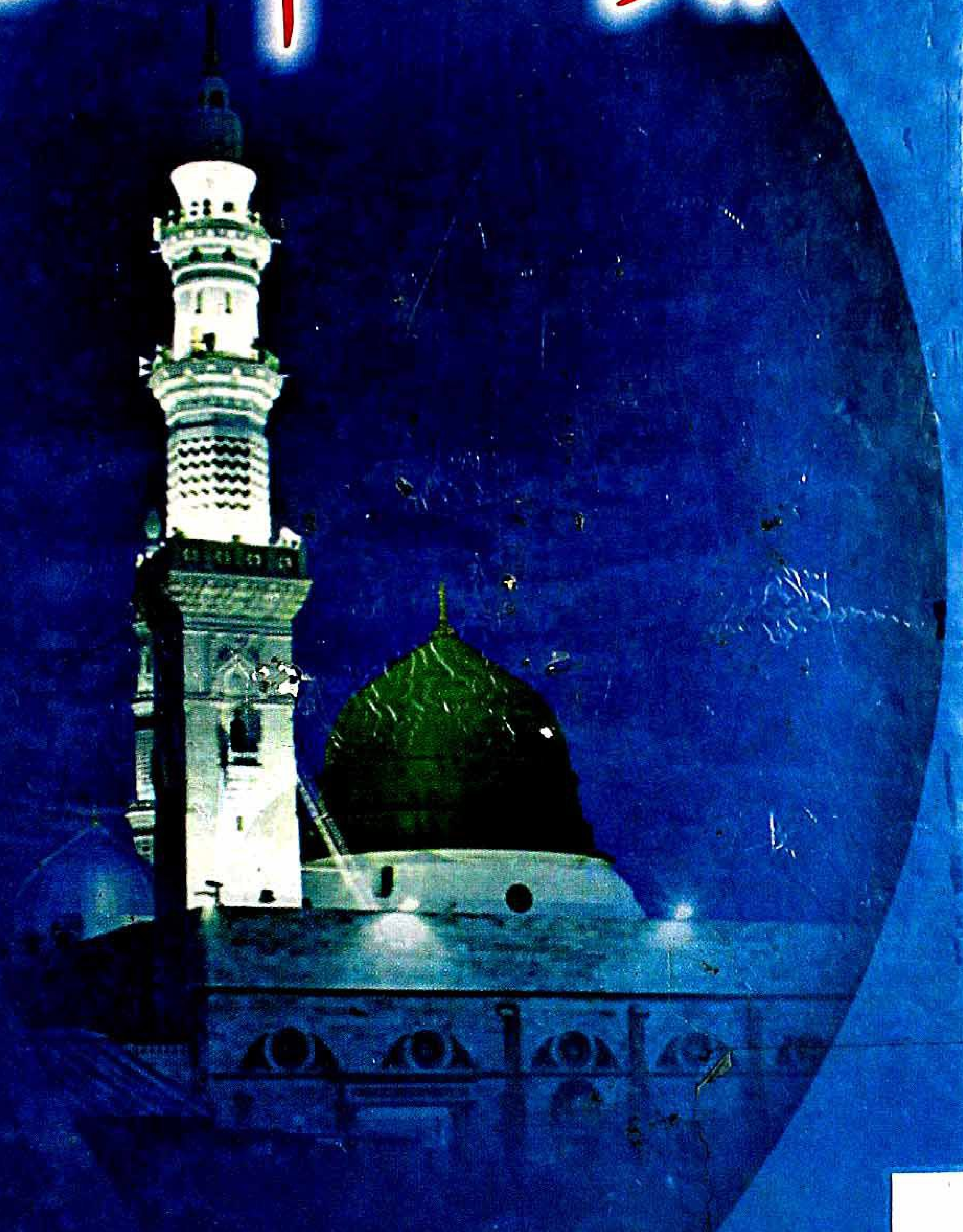

ڈاکٹر ماجد علی خان

Marfat.com